جو
محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ نے
لڑکیوں کے فائدے کے لئے ۱۸۹۸ء میں جاری کیا
چندہ سالانہ مع محصول ڈاک ۵ر پیشگی

نمبر ۶	لاہور ہفتہ ۱۱ فروری ۱۹۲۸ء	جلد ۳۱

تہذیب نسواں

لاہور - ۱۸ رجب المرجب ۱۳۴۶ھ

فہرست مضامین

نارتھ ویسٹرن ریلوے

اطلاع

۱۵ فروری ۱۹۲۸ء سے لاہور اور ماڑی انڈس کے درمیان مندرجۂ ذیل گاڑیوں کے ساتھ موجودہ ایک بوگی درجہ سوم ڈبہ کی بجائے ایک چوپہیہ مخلوط ڈبہ (درجہ اول و دوم) اور ایک بوگی درجہ درمیانہ و سوم چلا کریں گے:۔

ایک دن ۱۱-۲۰ روانگی لاہور آمد ۱۸-۵۰ ۲۲ ڈاؤن دوسرے دن
〃 ۱۰-۴۷ آمد لالہ موسیٰ روانگی ۱۴-۱۵ 〃 〃
〃 ۱۲-۲۰ روانگی 〃 آمد ۱۲-۴۰ ۹ اَپ 〃
دوسرے دن ۰-۵۳ آمد کنڈیاں روانگی ۴-۳۵ 〃 〃
〃 ۴-۴۰ روانگی 〃 آمد ۲۲-۴۰ ۲۴ ڈاؤن ایک دن
〃 ۷-۱۰ آمد ماڑی انڈس روانگی ۱۹-۵۵ 〃 〃

نارتھ ویسٹرن ریلوے ہیڈ کوارٹرس آفس۔ لاہور یکم فروری ۱۹۲۸ء سی۔ ایس۔ ایم سی داٹسن لفٹننٹ کرنل آر ای چیف آپریٹنگ سپرنٹنڈنٹ

نارتھ ویسٹرن ریلوے

اطلاع

۱۰ فروری ۱۹۲۸ء سے لدھیانہ اور دہلی کے درمیان براستہ جاکھل مندرجۂ ذیل گاڑیوں کے ساتھ ایک مخلوط درجہ اول و دوم چوپہیہ ڈبہ براہ راست چلا کرے گا۔

ایک دن ۴۰ ڈاؤن ۲۱-۱۶ روانگی لدھیانہ آمد ۹-۵۴ ۴۰ اَپ ۷-۴۰ ایک دن
دوسرے دن 〃 ۱-۳۰ آمد باکھل روانگی ۵-۲۵ 〃 〃
〃 ۱۰ ڈاؤن ۲-۳۵ روانگی 〃 آمد ۴-۵۲ ۲۹ اَپ 〃
〃 〃 ۹-۴۵ آمد دہلی روانگی ۷-۰ 〃 〃

نارتھ ویسٹرن ریلوے کوارٹرس آفس لاہور ۴ فروری ۱۹۲۸ء سی ایس ایم سی داٹسن لفٹننٹ کرنل آر۔ ای
چیف آپریٹنگ سپرنٹنڈنٹ

حرمتِ تصاویر

(سلسلے کے لئے دیکھو تہذیب صفحہ ۱۰۲)

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر تصاویر کے متعلق اسلام کا رویہ بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ ایام جاہلیت عرب میں تصاویر کشی بت پرستی کا ایک جزو تھی۔ اور تصاویر بنانے اور رکھنے سے بُت پرستی کے پھر عود کر آنے کا احتمال تھا۔ اسی لئے اس کی اتنی شدید سزا تجویز کی گئی۔ اور ان احکام کے ماتحت آج کل کی اکثر تصاویر جو معبودان باطل سے کچھ بھی واسطہ نہیں رکھتیں بنانے اور رکھنے میں کچھ بھی ہرج نہیں۔ بلکہ اگر معبودان باطل کی تصاویر بھی بچوں کو دکھانے کے لئے رکھی جائیں۔ کہ یہ پُرانے زمانے میں خدا سمجھے جاتے تھے۔ تو اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

اس سلسلے میں اس امر کا واضح کردینا بھی نامناسب نہ ہوگا۔ کہ آغاز اسلام میں وقتی مصلحتوں کے باعث کئی احکام خاص اوقات میں نافذ کئے گئے۔ اور بعد میں جب ان کی ضرورت نہ رہی۔ تو انہیں منسوخ کردیا گیا۔ چنانچہ ایک موقع پر آنحضرت صلعم نے سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کی ممانعت فرمادی تھی۔ کیونکہ ایام جاہلیت عرب میں عموماً اس خاص رنگ کے پیالوں میں شراب پی جاتی تھی۔ اور ان کے روزمرہ استعمال میں آتے رہنے سے احتمال تھا۔ کہ لوگوں کو شراب کی یاد تازہ رہے گی۔ اور ممکن ہے۔ وہ کمزوری کے کسی لمحے میں پھر شراب نوشی کے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھیں لیکن جب آپ کا اطمینان ہوگیا۔ کہ شراب نوشی کی نفرت اب لوگوں کے دلوں میں جگہ کرچکی ہے۔ تو یہ حکم منسوخ کردیا گیا۔ اور سبز رنگ کے پیالوں کے استعمال کی اجازت دیدی گئی۔

اسی طرح ابتدائے اسلام میں مستورات کو قبرستان میں جانے سے روکا گیا۔ مگر جب ان کی اخلاقی حالت درست ہوگئی۔ تو وہ ممانعت دور کردی گئی۔ اسی طرح اوپر کی احادیث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔ کہ تصویروں کے متعلق جو حکم دیا گیا تھا۔ وہ بھی خاص تصویروں اور مصلحتوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اسلام کے تمام احکام جیسی واضح روشن خیالی پر مبنی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے یقین کیا جاسکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں اگر تصاویر کا بُت پرستی جیسے گناہ عظیم سے قریبی تعلق نہ رہتا۔ اور ان کے موضوع موجودہ زمانے کی اکثر تصاویر کی مانند بے ضرر بن جاتے۔ تو ان کے جواز کا کوئی واضح تر حکم دے دیا جاتا۔

تصویر کی وجہ سے جن فرشتوں کا آنا ممنوع قرار پایا ہے۔ اس میں بہت اختلاف ہے۔ چونکہ حدیث میں حضرت جبرئیل کا آنا رک جانا بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے بعض علماء دین کی یہ رائے ہوئی۔ کہ یہ حدیث ملائکہ وحی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور فرشتوں سے نہیں۔

لیکن دوسرے علماء نے یہ سمجھ کر کہ اس صورت
میں یہ حدیث صرف آنحضرت صلعم ہی سے تعلق رکھے
گی۔ اور عام امت کے حق میں بیکار ہو جائے گی۔
ملائکہ وحی کی تخصیص کو پسند نہیں کیا۔ لیکن اگر ملائکہ
سے مراد عام ملائکہ ہوں تب بھی کراماً کاتبین اور
فرشتۂ موت تصویر کی وجہ سے کب رک سکتے ہیں؟
اس لئے علماء کو پھر مشکل پیش آئی۔ اور مجبوراً یہ تاویل
کرنی پڑی۔ کہ غالباً اس سے مراد ملائکہ رحمت ہیں۔
لیکن تصویر ایسی چیز ہے۔ کہ اس کے بغیر دنیا
کا کام چلنا مشکل ہے۔ کیونکہ ہر چیز کا نقشہ اس چیز
کی تصویر ہے۔ اور حدیث میں جاندار یا بے جان کا
مطلق ذکر نہیں۔ اس کا خیال کر کے محدثین نے بے جان
چیزوں کے نقشے اور تصویریں اور نباتات کی تصویریں
بھی از خود حدیث کے خلاف جائز قرار دیدیں۔ حالانکہ
ممانعت کی جو حدیثیں اوپر گزریں۔ ان میں ان کو
مستثنے نہیں کیا گیا تھا۔ اگر سب تصاویر ناجائز ہی
ہیں۔ تو تمام نقشے اور نباتات کی تصویریں بھی ناجائز ہیں۔
ان میں تخصیص کیسی؟ اور چیزوں سے قطع نظر بھی کیا
جائے۔ تو ٹکٹوں اور روپے پیسوں پر جو تصویریں
ہوتی ہیں۔ ان سے بچنے کو کوئی مفر نہیں۔ اور سب
علماء سکے رکھنے میں جن پر بادشاہ کا چہرہ ہوتا ہے
کچھ قباحت نہیں سمجھتے ۔

ان سب امور کا خیال کر کے محقق علماء کا خیال
یہ ہے۔ کہ صرف وہ تصویریں ممنوع ہیں۔ جو اس لئے بنا
گئی ہوں۔ کہ ان کی عبادت کی جائے یعنی وہ کفار
کے معبودوں کی ہوں۔ خواہ ان کا سایہ ہو یا نہ ہو۔
اس سے کچھ بحث نہیں۔ ہماری رائے میں اب
مسلمانوں کا ذہن بت پرستی سے اتنا اجنبی ہو چکا ہے
کہ اگر کوئی کفار کے معبودوں کی تصویریں بھی ایک
عجوبہ کے طور پر گھر میں رکھ لے۔ تو مضائقہ نہیں۔
بات تو صرف اتنی ہے۔ کہ ان تصویروں سے احترام
بزرگی کے جذبات وابستہ نہ ہوں ۔

فتح الباری میں جو صحیح بخاری کی بہت ضخیم شرح
ہے۔ تصاویر کے باب میں لکھا ہے۔ کہ قاسم بن محمد
جو حضرت ابوبکر کے پوتے تھے۔ اور اپنے زمانے میں
مدینہ کے مشہور فقیہہ و عالم دین تھے۔ ان کے ہاں
مسہری (حجلہ) کے پردوں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں
جس سے سطحی تصویروں کے جواز میں کچھ بھی شک
نہیں رہتا۔ پھر قرآن مجید میں جہاں حضرت سلیمانؑ
علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں فرمایا گیا ہے۔ کہ ان
کے محل میں بھی تصویریں تھیں۔ پس جب ایک
نبی کے مکان میں تصاویر رکھنے میں عیب نہ ہو۔
تو ہمارے تمہارے استعمال پر کیا اعتراض ہو سکتا
ہے ۔

یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت سلیمانؑ کی شریعت
ہماری شریعت سے مختلف ہوگی۔ مگر شریعتوں کے
اختلافات فروعی امور میں ہوتے ہیں۔ نہ کہ اصول
میں۔ حضرت سلیمان اپنے محل میں ایسی چیز کب

رکھ سکتے تھے۔ جس پر قیامت میں شدید ترین عذاب ہونے والا ہے۔

ہمیں امید ہے۔ اس تمام بحث سے تہذیبی بہنوں نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔ کہ زمانہ آغاز اسلام میں تصاویر رکھنے اور بنانے کے متعلق شدید سزائیں کیوں مقرر کی گئی تھیں۔ اور موجودہ زمانہ کی تصاویر اُس زمانہ کی تصاویر سے کس قدر مختلف ہیں۔

سید ممتاز علی

فطرت نسوانی کے دو منظر

(۱) ماں کی جاں نثاری

دنیا میں اگر کوئی بے غرض اور دائمی محبت ہے تو وہ ماں کی محبت ہے۔ یوں تو ماں کی محبت اور جاں نثاری کی مثالیں آئے دن دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں۔ مگر حال ہی میں میں نے ایک اخبار میں ایک امریکن ماں کی محبت اور جاں نثاری کا واقعہ پڑھا ہے۔ جو میں تہذیبی بہنوں کے پیش نظر کرنا چاہتا ہوں:-

موسم سرما میں امریکہ کے شمالی حصے میں سخت برف باری ہوتی ہے۔ حال کا واقعہ ہے۔ کہ شہر نیویارک کے شمال میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک زمیندار رہتا تھا۔ جس کی ایک بیوی اور دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی تھیں۔ ایک دن دونوں لڑکیاں اسکول میں پڑھنے کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ جو ان کے گھر سے دو تین میل کے فاصلے پر تھا۔ کہ یکایک سخت برفباری شروع ہو گئی۔ شام کے چار بجے ان کی ماں نے سلیج گاڑی میں (جو بغیر پہیوں کی ہوتی ہے۔ اور برف پر پھسلتی ہوئی چلتی ہے۔) گھوڑا جوتا۔ اور اپنی لڑکیوں کو لینے کے لئے اسکول کو روانہ ہو گئی۔

جوں توں کر کے وہ بمشکل اسکول پہنچی۔ اور اپنی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لے کر واپس گھر کو روانہ ہو گئی۔ مگر اس وقت تمام سڑک برف سے پُر ہو چکی تھی۔ اور نہ صرف راستہ ہی سخت دشوار گزار ہو گیا تھا۔ بلکہ سخت ٹھنڈی ہوا بھی چل رہی تھی۔ اور تھرما میٹر کا پارہ صفر درجے سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ مگر وہ بہادر عورت برابر گاڑی چلاتی رہی۔ یہاں تک کہ جب ان کا گھر صرف ایک میل رہ گیا۔ تو وہ سردی اور راستہ نہ ملنے کی وجہ سے مجبوراً ایک پڑوسی زمیندار کے مکان میں پناہ گزیں ہوئیں۔ جہاں انہوں نے اس کو اور اس کی دونوں لڑکیوں کو جو سردی سے ٹھٹھر گئی تھیں۔ گرم گرم کافی پلائی۔ اور آگ کے پاس بٹھلایا۔

کوئی ایک گھنٹے کے بعد وہ روانہ ہونے کے لئے پھر تیار ہو گئی۔ کیونکہ خیال تھا۔ کہ شوہر اس کے اور لڑکیوں کے گھر نہ پہنچنے کی وجہ سے سخت بے چین اور متفکر ہوگا۔ اس کے پڑوسیوں نے

اسے ہر چند ٹھہرنے اور رات وہیں گزارنے کے لئے کہا۔ مگر وہ نہ مانی۔ اور اپنی لڑکیوں سمیت پھر روانہ ہوگئی*

شام پڑ چکی تھی۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔ برف باری اپنے پورے زوروں پر تھی۔ رستے کا کہیں نام نشان بھی نہ ملتا تھا۔ مگر وہ بہادر عورت برابر آگے بڑھتی گئی۔ لیکن گھوڑا اصل راستے سے بھٹک گیا تھا۔ اور آخر کار وہ گاڑی سمیت ایک کھائی میں جا پڑا۔ جہاں سے نکلنا اس وقت ناممکن تھا۔ کیونکہ وہ سیکڑوں من برف میں جا دھنسے تھے اور سردی سے ہاتھ پاؤں شل ہو چکے تھے*

ساری رات بے چارے زمیندار نے تڑپ تڑپ کر کاٹی* صبح ہوتے ہی وہ مع چند ساتھیوں کے اپنی بیوی اور لڑکیوں کی تلاش میں نکلا۔ بڑی تلاش کے بعد ان کو گاڑی کھائی میں پڑی ہوئی ملی* گھوڑا مر چکا تھا* جب انہوں نے ڈرتے ڈرتے اُوپر برف کھودی۔ تو ماں کا جسم برآمد ہوا۔ اس طرح کہ اس نے اپنی دونوں لڑکیوں کو اپنی چھاتی سے لگا رکھا تھا۔ تاکہ ان کو اس کے جسم کی گرمی پہنچتی رہے۔ مگر دونوں لڑکیاں سردی سے ٹھٹھر کر مر چکی تھیں۔ اور ماں خود قریب المرگ تھی*

بدقسمتی سے جاں نثار ماں کو بعد میں ہوش آگیا۔ لیکن اس کے دونوں پاؤں سردی سے اس قدر شل ہو گئے تھے۔ کہ مجبوراً ان کو عمل جراحی سے کاٹنا پڑا۔ یہ زندگی اس کے لئے موت سے بدتر ہے۔ کیونکہ اس کی دونوں چہیتیاں ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہو چکی ہیں*

اسی طرح ایک اَور ماں کا ذکر کرتے ہیں۔ جس نے ایریزونا سٹیٹ (امریکہ) میں جہاں ایک سخت زہریلی قسم کا رٹیل سانپ ہوتا ہے۔ ایک کھیت میں اپنے ننھے بچے کو بچانے کے لئے متواتر دو گھنٹے ایک چھوٹے سے ڈنڈے سے ستائیس رٹیل سانپوں کا مقابلہ کیا۔ جن کے نرغے میں وہ پھنس گئی تھی۔ بالآخر اس نے اپنی جان پر کھیل کر سب کو یکے بعد دیگرے مار دیا۔ اور اپنے بچے کو لے کر صحیح سلامت گھر پہنچ گئی۔ اس بہادر عورت کی تصویر مع ان سانپوں کے امریکہ کے تمام اخباروں میں چھپی تھی*

(۲) عورت کی وفاداری

حال ہی میں امریکہ کے مشہور پہلوان جان سلیوان کا انتقال ہوا ہے* اس کی وفادار بیوی میری کو فوت ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں* جب جان نوجوان تھا۔ اور پہلوانی میں شہرت حاصل کر رہا تھا اس وقت اس کی ملاقات میری سے ہوئی تھی* دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے۔ مگر شادی کی درخواست پر میری نے کہا۔ کہ جب تک جان پہلوانی کے پیشے کو اور کثرت شراب خوری کو جس کی اسے لت پڑ گئی تھی۔ نہ چھوڑے گا۔

اس وقت تک وہ اس سے شادی نہ کرے گی۔ اور نہ ہی کسی اَور مرد سے شادی کرے گی ٭

مگر جان جوانی۔شہرت اور امارت کے نشے میں مخمور تھا۔ اس نے اس کی چنداں پروا نہ کی۔اور نہ صرف پہلوانی کے پیشے اور کثرت شراب خوری ہی کو جاری رکھا۔ بلکہ ایک اَور لڑکی سے شادی بھی کر لی۔ اور میری کو بھول گیا ٭

اس عورت سے اسے کچھ سُکھ نہ پہنچا۔ مگر چونکہ وہ اس کی بیوی تھی۔ اس لئے جیسے کیسے بن پڑا نباہتا رہا ٭

۲۸ سال کا عرصہ گزر گیا۔ جان سلیوان کی شہرت ماند پڑ چکی تھی۔ کیونکہ ایک اَور پہلوان کاربٹ نے اسے مغلوب کر دیا تھا ٭ جان کی پہلی بیوی مر چکی تھی ٭ بالآخر جان نے ایک دن شراب کے نقصانات کو محسوس کر کے اس کو قطعاً چھوڑ دیا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ ٹمپرنس سوسائٹی کا ممبر بن کر ملک میں جابجا شراب پینے کے خلاف لیکچر بھی دینے شروع کر دئے ٭ اس کی خبر وفادار بیوی کو بھی پہنچ گئی ٭

ایک دن رات کو جان شہر شکاگو کے ایک لیکچر ہال سے لیکچر دے کر نکلا۔ تو ایک بوڑھا شخص اس کے پاس آیا۔ اور ایک رقعہ اس کے ہاتھ میں دے کر چلا گیا ٭ اس نے نہایت بے التفاتی سے سڑک کے لیمپ کی روشنی کے نیچے کھڑے ہو کر اس کو کھولا۔ اور پڑھا۔ اور سر پکڑ کر وہیں سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ رقعہ میں یہ لکھا تھا:۔

"پیارے جان! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ جب تم پہلوانی کے پیشے اور شراب خوری کو ترک کر دو گے۔ تب میں تم سے شادی کر دوں گی۔ چنانچہ میں اپنے اس وعدے پر بدستور قایم ہوں ٭ ۲۸ سال کا طویل زمانہ گزر گیا ہے۔ جوانی بیت چکی۔ میری عمر اس وقت ۴۴ برس کی ہے۔ اب تم نے ان ہر دو شرائط کو پورا کر دکھایا ہے۔ اس لئے میں حاضر ہوں۔ اگر تم کسی وجہ سے رضامند نہیں۔ تو میں مرتے دم تک تمہارا انتظار کروں گی"٭ تمہاری میری

جان اسی وقت میری کے گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ اور جا کر اس کے پاؤں میں گر پڑا۔ اور کہنے لگا۔ "اے وفا و محبت کی پُتلی۔ مجھے کیا خبر تھی۔ کہ میں نے تجھ پر اس قدر ظلم کیا ہے۔ مجھ حقیر و نااہل میں تو نے وہ کیا بات دیکھی۔ کہ میری خاطر اپنی جوانی اور تمام زندگی برباد کر ڈالی؟ اگر میں اس ظلم کی تلافی کر سکتا ہوں۔ تو دل و جان سے حاضر ہوں"٭

جان اور میری کی شادی ہو گئی۔ مگر میری شادی کے بعد صرف تین ہی برس زندہ رہی ٭ یہ تین برس اس کے نہایت چین اور آرام اور خوشی سے گزرے ٭ اس کی موت نے جان کی کمر توڑ دی۔ اور وہ گوشہ نشین ہو گیا ٭ اب کچھ مدت ہوئی کہ وہ دوسری دنیا میں اپنی حقیقی محبوبہ سے جا ملا ہے ٭

یہ ہیں وہ فطرت نسوانی کے کرشمے۔ جن کے آگے مردوں کے تو کیا۔ فرشتوں کے بھی سر جھک جاتے ہیں۔ اور یہ ہیں وہ باتیں جن پر فرقہ نسواں جس قدر بھی ناز کرے۔ تھوڑا ہے۔

خاکسار ممتاز احمد فاروقی۔ از لاہور

بیمار کا کمرہ

(سلسلے کے لئے دیکھو تہذیب صفحہ ۸۳)

مریض کی ذہنی کیفیت کے سلسلے میں ایک اَور قابل توجہ بات یہ ہے۔ کہ مریض سے حتی الامکان ایسے سوالات نہ کئے جائیں۔ جن کا جواب دینے کے لئے اسے غور و فکر اور قوت فیصلہ سے کام لینے کی ضرورت پڑے۔ اکثر لوگوں کو صحت اور تندرستی کی حالت میں بھی بعض چھوٹی باتوں پر غور و فکر کرکے کوئی قطعی فیصلہ کرنا بڑا صبر آزما کام معلوم ہوتا ہے۔ اور علالت میں تو ایسی ضرورتیں ایک پہاڑ کی طرح سر پر آن پڑتی ہیں۔ بعض تیمار داروں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ عام طور پر ہر بات کا فیصلہ مریض سے کروانا چاہتے ہیں۔ مریض کے مزاج اور رجحان کا خیال کرکے یوں نہیں کرتے۔ کہ خود ہر بات کا فیصلہ کر لیں۔ اور اپنا فیصلہ مریض کو بتا کر اس سے صرف ہاں یا نہیں کروالیں۔

مثال کے طور پر ہندوستانی گھروں میں یہ عام بات ہے۔ کہ تیماردار مریض سے پوچھتا ہے۔ اس وقت آپ کے لئے کیا پکے؟ یا آپ منہ ہاتھ کس وقت دھوئیں گے؟ وغیرہ۔ مریض کے لئے ایسے سوالات کا جواب دینا نہ آسان کام ہے۔ اور نہ وہ ایسے سوالوں کا صحیح جواب دینے کے قابل ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر جہاں تک ہو سکے۔ مریض کی حالت اور کیفیت کا خیال کرکے خود ہی ہر بات کا مناسب فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اور پھر ہمدردانہ طریق سے اسے مریض کے سامنے پیش کرکے اس سے ہاں یا نہیں کرالینی چاہئے۔

بعض طویل امراض میں یا مرض کے بعد کے ضعف میں اکثر مریضوں کے لئے وقت گزارنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے حالات کے یکساں تسلسل سے بہت تنگ آجاتے ہیں۔ ایسی صورتوں کے لئے کوئی قطعی رائے نہیں دی جا سکتی۔ کہ کس طرح مریض کا جی بہلایا جائے۔ یہ مریضوں کی طبیعت اور اپنے اپنے گھر کے حالات پر بہت کچھ منحصر ہے۔ لیکن مثال کے طور پر اتنا بتایا جا سکتا ہے۔ کہ اگر مختلف کاموں کے لئے وقت کو مناسب طور پر تقسیم کر دیا جائے۔ اور پھر اس تقسیم اوقات پر بہت باقاعدگی سے عمل کیا جائے۔ تو مریض مقررہ وقت پر مقررہ باتوں کا منتظر رہے۔ اور اس کے لئے وقت کاٹنا بہت مشکل نہ ہو۔

مثلاً اگر مریض کو معلوم ہو۔ کہ صبح آٹھ بجے مجھے چائے ملے گی۔ دس سے گیارہ تک اخبار یا کوئی دل چسپ ہلکی پھلکی کتاب پڑھ کر سنائی جائے گی۔ بارہ بجے دودھ ملے گا۔ ڈھائی سے ساڑھے تین تک عزیز اور دوست مجھ سے ملنے کے لئے آئیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو ان ذرا ذرا سی توقعات سے دل میں اچھی خاصی دل چسپی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسی صورت میں اس بات کا ضرور خیال ہونا چاہئے۔ کہ ٹائم ٹیبل میں کسی قسم کا خلل نہ آنے پائے۔ مقررہ وقت کے بعد بیمار کو کسی چیز کے انتظار میں ایک ایک منٹ ایک ایک گھنٹہ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اور پابندی اوقات نہ ہونے سے افسردگی اور برافروختگی پیدا ہوتی ہے۔

گھروں میں تیمارداری کے متعلق ایک یہ بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ کہ عام طور پر عزیز ہی تیماردار ہوتے ہیں۔ اور انہیں تیماردار کے تعلقات کو رشتہ داری کے تعلقات سے مختلف بنانا پڑتا ہے۔ جو بعض مریضوں کو ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن بڑی عمر کے بیماروں کو یہ بات ناپسند ہوتی ہے۔ کہ کوئی کم عمر تیماردار کبھی انہیں سو رہنے کی نصیحت کرتا ہے۔ اور کبھی غذا یا ادویات کے فوائد کا اظہار کرتا ہے۔ اس قسم کی گفتگو سے انہیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ایک کم عمر اپنے تفوق کا اظہار کر رہا ہے۔ جو انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ اسی طرح بعض کم عمر بیماروں کو بزرگ تیمارداروں کی ہدایتیں اور نصیحتیں ایک چیستان معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ یہ سمجھ کر کھسیانے سے ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کے جذبات و احساسات ہم سے بے حد مختلف ہیں۔ اور یہ ہمارے جذبات کو سمجھنے کے نااہل ہیں۔ تیمارداری کے لئے کوئی پیشہ ور نرس موجود ہو۔ تو اس کے تجربے پر یقین اعتماد اور اس کی قابلیت پر اعتقاد رکھ کر مریض کو اس قسم کی شکایت عام طور پر پیدا نہیں ہوتی۔ یہ شکایت عزیزوں ہی کے خلوص کی قسمت میں ہے۔ اور مریض کے مزاج کا خیال رکھتے ہوئے سوائے بے حد محتاط رہنے کے اس کا اور کوئی علاج نہیں۔

ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا تذکرہ شاید تندرستوں کو مضحکہ خیز معلوم ہو۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مریض کی مضمحل طبیعت پر ان ہی باتوں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور ایک اچھے اور بُرے تیماردار میں یہی فرق ہوتا ہے۔ کہ ایک اس قسم کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔ اور دوسرا انہیں رکھتا۔ کئی مرتبہ بعض مریضوں نے تندرست ہو جانے کے بعد بتایا۔ کہ ہم مرض کی حالت میں چاہتے تھے۔ کہ اکیلے کمرے میں سوئیں۔ مگر ہمارا تیماردار ہمارے کمرے میں سوتا تھا۔ اور ہم تمام رات دل ہی میں کھولتے ہوئے جاگتے رہتے تھے۔ اسی طرح بعض مریضوں نے بتایا۔ کہ ہم چاہتے تھے۔ کہ

کوئی تیماردار ہمارے کمرے میں سوئے۔ مگر محض
اس خیال سے کسی سے نہ کہتے تھے۔ کہ دوسروں
کو تکلیف ہوگی + ایک مریضہ کا ذکر ہے۔ کہ تمام علالت
کے دوران میں اسے محض اس وجہ سے بڑی کوفت
ہوتی رہی۔ کہ تیماردار بی بی جو مخلص عزیزوں ہی میں
سے تھی۔ ان کے خط خود کھول کھول کر اسے سنایا
کرتی تھی + اگر مناسب تیمارداری کا خیال ہو۔ تو
اس قسم کی تمام چھوٹی باتوں کا خیال کرنا ضروری
ہے۔ اور یہ باتیں مرض سے بہت گہرا تعلق رکھتی
ہیں۔ ہاں اگر لطیفۂ غیبی کے انتظار کا اصول مدنظر
ہو۔ تو یہ سب باتیں فضول ہیں +

تیمارداری اور نفسیات کا موضوع اتنا وسیع ہے۔
کہ اس کی تمام صورتوں اور ضرورتوں پر بحث کرنا
کسی طرح بھی ممکن نہیں + ہر انسان کی طبیعت
اور اس کے حالات دوسرے سے بے حد مختلف
ہوتے ہیں۔ چنانچہ کتابوں کی ضخامت بھی اس
کے متعلق مکمل معلومات جمع نہیں کر سکتی + اب تک
جتنے امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کی طرف توجہ
دلانے سے مراد صرف اتنی ہے۔ کہ تیمارداری کے
متعلق یہ معلوم ہو جائے۔ کہ کس قسم کی چھوٹی چھوٹی
باتیں مریض کی راحت اور تکلیف کا باعث ہو سکتی
ہیں۔ تاکہ تیماردار ان پر غور کر کے ایک خاص ڈھنگ
سے سوچنے اور اپنے مخصوص حالات میں خود مناسب
نتائج نکالنے کے قابل ہو جائے + (باقی آئندہ) تاج

عہدِ اورنگ زیب کا
شاہی باورچی

کہتے ہیں۔ کہ مغل بادشاہ اورنگ زیب تخت
پر بیٹھنے کے بعد بھی بہت سادہ اور محتاط زندگی
بسر کرتا تھا + خاص بادشاہ کے ذاتی باورچی کی خدمت
ظاہر ہے۔ کہ بہت عزت اور شہرت کی چیز سمجھی
جاتی تھی۔ اس لئے بڑے بڑے باورچی بے حد شوق
اور آرزو سے یہ خدمت حاصل کرتے تھے۔ مگر بعد
میں حقیقت کھل جاتی تھی۔ کہ دونوں وقت نپی تلی
کھچڑی پکتی ہے۔ اور سب بادشاہ سلامت کے
سامنے دسترخوان پر چلی جاتی ہے۔ اور دسترخوان پر
سے صاف پلیٹ واپس آتی ہے۔ یعنی باورچی کو
اپنا پیٹ بھرنے کے لئے بھی کچھ نہیں ملتا۔ اور
خشک تنخواہ پر گزر کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے چند
ہی روز میں وہ عاجز آ کر ترک ملازمت کر کے چلے
جاتے تھے۔ یا شاہی مطبخ عام میں تبدیلی کرا لیتے تھے +

بار بار کے استعفوں سے تنگ آکر بادشاہ نے
ایک نئے باورچی سے یہ معاہدہ کیا۔ کہ کم سے کم
برس دن تک تم کو ملازمت میں رہنا پڑے گا۔
اور اس عرصے میں استعفےٰ قبول نہ ہوگا + ناواقف
باورچی نے خوشی سے معاہدہ کر لیا۔ مگر رفتہ رفتہ
اس پر بھی حقیقت کھل گئی + اب یہ باورچی مصیبت
میں پڑ گیا۔ نہ گزر ہوتی تھی۔ نہ استعفےٰ دے سکتا

تھا۔ لاچار زننگ اگر اس نے یہ سوچا۔ کہ بادشاہ کو اس قدر ناراض کرو۔ کہ خود ہی نکال دے + لہٰذا اس نے ایک دن کھچڑی میں برابر کا نمک جھونک دیا +

بادشاہ نے کھچڑی کھالی۔ باورچی کی طرف صرف نظر اُٹھا کر دیکھا۔ مگر فرمایا کچھ نہیں + باورچی نے مایوس ہوکر اگلے دن بالکل نمک نہ ڈالا۔ اور پھیکی کھچڑی پکائی + بادشاہ نے اس دن بھی کچھ نہ فرمایا + تیسرے روز باورچی نے پھر صحیح مقدار نمک کی ڈالی + بادشاہ نے اس دن پھر باورچی کو نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور نہایت تحمل سے فرمایا۔ کہ میاں ایک ڈھنگ اختیار کرلو۔ یا تو برابر کا نمک ہمیشہ ڈالا کرو۔ یا بالکل پھیکی پکایا کرو۔ یا معتدل ذائقہ ہو۔ بار بار نمک کی تعداد بدلنے کی تکلیف مت اُٹھاؤ +

باورچی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا۔ اور کہا۔ کہ جان کی امان پاؤں۔ تو کچھ عرض کروں + حکم ہوا "کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو"؟

باورچی نے عرض کیا۔ کہ جہاں پناہ میں سات لڑکیوں کا باپ ہوں۔ شاہی باورچی کہلاتا ہوں۔ لوگوں کو مجھ سے بڑی بڑی توقعات ہیں۔ اور میری یہ حالت ہے۔ کہ فاقوں مرتا ہوں + میں نے یہ سمجھ کر ملازمت کی تھی۔ کہ جہاں پناہ کی ذاتی خدمت بجالا کر کچھ عرصہ میں متمول بن جاؤں گا۔ مگر اب تو سال بھر تک فاقہ ہی نظر آتا ہے + بہ تصدق فرق مبارک خادم کو آزاد فرمایا جائے +

بادشاہ نے فرمایا "آزادی کی خواہش ہے۔ یا روپے کی ضرورت ہے"؟ عرض کیا "روپے کی زیادہ ضرورت ہے"۔ فرمایا "اچھا آج آدھ پاؤ کھچڑی زیادہ پکا لینا"+ باورچی کچھ نہ سمجھا۔ اور آدھ پاؤ کھچڑی زیادہ پکالی +

بادشاہ نے اپنے حصے کی کھچڑی ختم کرکے باقی ماندہ زائد کھچڑی کے سات حصے کئے۔ اور ایک ایک طشتری میں ایک ایک حصہ رکھ کر باورچی کو حکم دیا۔ کہ خوان پوش لگا کر ہمارے ساتوں وزیروں کو ہمارا یہ اُگلش پہنچا دو +

چونکہ آج تک ایسا تحفہ وزرا کو نہ ملا تھا۔ وزیروں کو اس غیر معمولی شاہی التفات کی خبر لگی۔ تو ان کی خوشیوں کی کوئی انتہا نہ رہی + شاہی باورچی کا بڑی تزک و احتشام سے ساتوں وزیروں کی ڈیوڑھیوں پر استقبال ہوا۔ اور شاہی اُگلش لانے کے صلے میں ہر وزیر نے باورچی کو ایک ایک لاکھ روپے کی نقد رقم ادا کی +

باورچی یہ سات لاکھ روپے کی رقوم اور بے شمار ساز و سامان کما لے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا + بادشاہ نے پوچھا۔ کہو گزارے کی کچھ صورت نکل آئی؟ باورچی نے دست بستہ عرض کی۔ کہ حضور کی توجہ کی بدولت اب

عمر بھر کے لئے بے فکری ہوگئی۔ اب کوئی حاجت باقی نہیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ آیندہ گھڑی میں نمک صحیح اندازہ سے ڈالا کرنا۔

خاکسار خدیجۃ الکبریٰ از بریلی

تہذیب میں مذہبی معلومات

تہذیب نسواں مورخہ ۲۱ جنوری میں بھائی سید محمد مجتبیٰ صاحب کا مضمون "تہذیب میں مذہبی معلومات" جاذب نظر اور قابل توجہ ہے۔ تہذیبی بہنوں کو اس نیک اور پاک تجویز کا دل سے خیر مقدم کرنا چاہئے۔ اگر قبلہ بھائی صاحب نے ماہوار اڈیشن میں مذہبی معلومات کے لئے چار صفحے مخصوص کر دئے تو بے شک تہذیب نسواں میں چار چاند لگ جائیں گے اور بہنوں کو بہت سی ایسی ضروری باتیں جن کا گھروں میں بیٹھے معلوم ہونا دشوار ہے۔ آسانی کے ساتھ معلوم ہو جایا کریں گی۔

بہنوں نے تہذیب میں تصویریں چھاپنے کی خواہش کی۔ اور زور دیا۔ آخر تہذیبی بہنوں کی خواہش کے مطابق قبلہ بھائی صاحب نے تصویریں چھاپنا شروع کر دیں۔ اسی طرح اگر بہنوں نے مذہبی معلومات کے لئے چار صفحے مخصوص کرانے چاہے۔ تو قبلہ بھائی صاحب مستورات کی فلاح و بہبود کے واسطے ضرور اس خواہش کو پورا فرما دیں گے۔ جو بہنیں اور بھائی مذہبی معلومات رکھتے ہیں ان کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ میں بھی وعدہ کرتی ہوں۔ کہ جس قدر مجھے واقفیت ہے۔ یا کتابوں سے معلوم کر سکتی ہوں۔ وہ ہمیشہ انشاء اللہ لکھتی رہوں گی۔ مسلمانوں کے لئے سب سے پہلے دین اسلام کی باتیں اور اللہ رسولؐ کے احکام و فرمان معلوم ہونے نہایت ضروری ہیں۔ مذہبی معلومات اور تعلیم نہ ہونے ہی کی وجہ سے ہماری تعلیم پھولتی پھلتی نہیں۔ صرف دنیاوی تعلیم ہماری روح کی اصلاح نہیں کر سکتی اس کی اصلاح اگر ہو سکتی ہے۔ تو مذہب ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

آج کل کی تعلیم دماغ کو روشن کر سکتی ہے۔ دل کو منور نہیں کر سکتی۔ یہ تاثیر صرف مذہبی تعلیم میں ہے۔ آج کل کی تعلیم یافتہ بہنیں اگرچہ ظاہرا اخلاق کی مجسم تصویریں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر واقعات اور تجربہ بتلاتا ہے۔ کہ یہ اخلاق کا غازہ بس چند منٹوں اور گھڑیوں کا ہی ہوتا ہے۔ جو وقت مناسب پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ خانگی زندگی میں ان کی بداخلاقی سے آس پاس والوں اور عزیزوں کا ناک میں دم ہوتا ہے۔ اصل تعلیم وہی ہے۔ جس میں مذہبی معلومات بھی شامل ہوں۔ اور اپنے پاک اور سچے مذہب کا دل میں احترام ہو۔ اور اپنے مذہبی پیشواؤں کی نصیحتوں سے واقفیت ہو۔

تہذیب نسواں کے ذریعے سے ایسے گھروں میں جہاں لڑکیوں کی تعلیم سے سخت منافرت پھیلی ہوئی تھی۔ خدا کے فضل سے اب تعلیم کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور اس وقت جس گھر میں تہذیب کے قدم جاتے ہیں۔ وہ گھر روشن خیال تصور کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر تہذیب نسواں میں مذہبی معلومات کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ تو بہنوں کے لئے دینوی ترقی کا بہت اچھا ذریعہ ہوجائے گا۔ اور بہن بھائی اپنا قیمتی وقت صرف کر کے ان مضامین کی طرف توجہ کریں گے۔ وہ ضرور ثواب دارین کے مستحق ٹھہریں گے۔

امت الوحی از میرٹھ

انجمن تہذیب نسواں کانپور کا

سالانہ جلسہ

انجمن تہذیب نسواں کانپور کا سالانہ اجلاس ۱۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو بوقت ایک بجے دن اسی خواتین اور بچیوں کی شرکت میں زیر صدارت بیگم صاحبہ جناب قدرت اللہ خاں صاحب دیوانہ بریلوی منعقد ہوا۔ قرآن خوانی و حمد و نعت کے بعد کارروائی جلسہ گزشتہ اور انجمن کی سالانہ رپورٹ پڑھی گئی۔ اس کے بعد حسب ذیل رزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوئے:۔

۱۔ اس انجمن کی رائے میں مسلمانان کانپور کو موجودہ گرلز اسکولوں سے جو میونسپلٹی کی جانب سے

قائم ہیں۔ پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اور وہاں اپنی بچیوں کو تعلیم کے لئے ضرور بھیجنا چاہئے۔ نیز میونسپل بورڈ سے درخواست کرکے مدارس میں علاوہ قرآن شریف کے مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔ اور اگر بورڈ اس کو منظور نہ کرے۔ تو مسلمانوں کو اپنے قومی چندہ سے اپنے لئے اس کا انتظام کرنا چاہئے ؛

مجوزہ۔ بانو اڈیٹر صاحب البرید۔ موئید مشتاق فاطمہ صاحبہ۔ مزید تائید۔ تہذیب فاطمہ عباسی صاحبہ

(ب) اس زمانہ میں جبکہ مختلف قسم کے لباس خواتین میں رائج ہیں۔ بعض اوقات مسلم و غیر مسلم کا امتیاز مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو چاہئے۔ کہ اپنے لباس میں بجائے تبدیلی کے صرف کوئی ایسا نشان لگائیں جس سے ہم بمقابلہ غیر اقوام کے پہچانے جاسکیں۔ اس انجمن کی یہ بھی رائے ہے۔ کہ علی گڑھ میں جو قومی نشان کالج کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ وہی یا کوئی اور جو آیندہ جلسے میں ہمیں تجویز کریں۔ مسلمان لڑکیوں اور خواتین کو باتفاق رائے اختیار کرنا چاہئے۔

مجوزہ۔ تہذیب فاطمہ صاحبہ عباسی۔ موئید مسز ابو المعالی وحید الدین احمد صاحب۔ مزید تائید بانو صاحبہ اڈیٹر البرید ؛

(ج) یہ انجمن کانپور کی علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے معزز ممبروں سے شکوہ کرتی ہے۔ کہ انہوں نے باوجود ایسے مرکز تعلیمی سے تعلق رکھنے کے اب تک انجمن میں دلچسپی لینے کا ایک قدم نہیں بڑھایا۔ اور جو امیدیں ان سے وابستہ تھیں۔ ان کو پورا نہیں کیا۔ نیز ان سے درخواست کرتی ہے۔ کہ وہ اب اس جانب اپنی پوری توجہ مبذول فرمائیں یعنی ہماری انجمن کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اور اپنے ہاں کی مستورات کو جلسہ میں شرکت کے لئے بھیجیں ؛

مجوزہ۔ تہذیب فاطمہ صاحبہ عباسی۔ موئید اخلاق فاطمہ صاحبہ ؛

(د) یہ انجمن اخبارات البرید و ہمدرد۔ صداقت کانپور اور روزانہ اخبار بریلی کے اڈیٹر صاحبان کا حضور سے انجمن مذکور کا نوٹ اپنے اخبارات میں شائع فرمایا ہے۔ اور اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے۔ خاص کر روزانہ اخبار بریلی اور صداقت کانپور کا جنہوں نے اس سلسلہ میں بہت سے قیمتی اور مفید خیالات کا اظہار کیا ہے ؛

مجوزہ اخلاق فاطمہ صاحبہ جوائنٹ سکرٹری۔ موئید مسز قدرت اللہ خان صاحب ؛

ان تجاویز کے بعد حسب ذیل لکچر و مضامین سے جلسے کو پُر رونق بنایا گیا:۔

۱۔ مضمون۔ لباس۔ تہذیب فاطمہ صاحبہ عباسی۔
۲۔ لکچر " مسز وحید الدین احمد صاحب مشیر مال
۳۔ مضمون عزت فاطمہ صاحبہ
۴۔ تقریر بنت کلاں بابو رشید احمد صاحب

۵۔ نظم۔ بنت خورد بابو رشید احمد صاحب
۶۔ نظم۔ زبیدہ فاطمہ صاحبہ
۷۔ نظم۔ عصمت فاطمہ صاحبہ
۸۔ نظم۔ توقیر فاطمہ صاحبہ
۹۔ ترانۂ ملی۔ متعلمان محمڈن گرلز جبلی اسکول کانپور
۱۰۔ چند نظمیں۔ طالب علمان زنانہ یتیم خانہ کانپور
۱۱۔ تقریر صدر

مشتاق فاطمہ آنریری سکرٹری

خاص ترکی چارشف

میرے پاس متواتر خطوط آرہے ہیں جن میں یہ دریافت کیا جارہا ہے۔ کہ چارشف کس قسم کا ہے۔ اس کے کے حصے ہیں۔ ٹوپی کھجور کی بناوٹ کی ہے۔ یا سوار کی؟ کپڑا کس قسم کا ہے؟ برقعہ ادھیڑ کر دھلوایا جاتا ہے۔ یا ویسے ہی۔ پہننے میں زیادہ بوجھ تو نہیں ہو جاتا؟ سفر کے علاوہ جلسہ پارٹی میں بھی پہن سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ اطلاع کے لئے بار بار جواب دینا ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے ضروری معلوم ہوا۔ کہ بذریعہ تہذیب مطلع کر دوں تاکہ سب کو آگاہی ہو جائے۔

چارشف نہ میرا ایجاد کردہ ہے۔ نہ ترمیم شدہ خاص ترکی کا نمونہ جیسا آیا ہے۔ بجنسہ ویسا ہی ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ اول حصہ پہن کر کمر پر کس لگاتے ہیں۔ دوسرا حصہ پیشانی پر رکھ کر چوٹی پر اندر برقعہ کا فیتہ کسا جاتا ہے۔ سامنے کے رُخ لٹک لگاتے ہیں۔ ٹوپی نہ کھجور کی ہے۔ نہ سوار کی بلکہ ایک حصہ کپڑا سر کے واسطے زیادہ رکھا جاتا ہے۔ تراش گولائی سے ہے۔ پُرانے برقعوں کی طرح صرف ایک لانبے کپڑے میں چھینٹ دیکر نہیں بنایا جاتا ہے۔ نہ بجائے ٹوپی کے کمانی ہے تاکہ سر پر بوجھ نہ پڑے۔ نقاب ریشم کا ہے۔

اکثر نوایجاد برقعوں کی طرح ہاتھوں کے واسطے ہول بھی نہیں ہیں۔ اس میں ہاتھ کھلے برے معلوم ہوتے۔ کیونکہ ایسے برقعوں میں ادھر اُدھر سے کپڑا لے کر ہاتھ پوشیدہ رکھنا ہوتے ہیں۔ آزاد نہیں رہ سکتے۔ نچلا حصہ پہننے میں سکرٹ نما معلوم ہوتا ہے۔ جس کے گھیر میں ایک بالشت چوڑا سنجاف لگا ہوا ہے۔ اس پر بیل خوب صورتی سے سجائی گئی ہے۔ بیدھی سادی نہیں لگی ہے۔ لمبائی میں دونوں رُخ بھی بیل لگی ہے۔ سیاہ برقعے پر سفید اور سفید پر سیاہ بٹن لگتے ہیں۔ خوشنمائی کے واسطے۔ اوپر کا حصہ اُتارنے پر نچلا حصہ سکول لباس معلوم ہوتا ہے۔ باڈی وغیرہ کا بوجھ نہیں ہے۔ کوئی چیز ادھیڑ کر دھلوانا نہیں پڑتا۔ کپڑا نرما ہے سیاہ۔ سفید۔ اس کے علاوہ دوسرے رنگ بھی ہو سکتے ہیں۔ کپڑے کا نمونہ بغرض پسند بھیج سکتی ہوں۔ اس وقت تک اپنے بھی گیا

گیا ہے۔ آیندہ کی خبر نہیں۔ قیمت ہے۔
ناپ پیشانی سے سر کی جانب سے لے کر پیچھے کمر تک اس قدر کہ ہاتھ نہ کھلیں۔ دوسرا کمر سے دو گرہ اوپر سے لے کر ٹخنوں تک۔ تیسرا کمر کی چوڑائی کا آنا ضرور ہوتا ہے۔ والے چار شف میں صرف ایک بیل سیدھے طریق سے ہوتی ہے۔ نئے طرز سے نہیں۔ نہ کسی دوسری جگہ لمبائی وغیرہ میں ہوتی ہے۔

مصری برقعے کی نسبت بھی دریافت کیا جا رہا ہے۔ جس کو میری معزز تہذیبی بہن عزت فاطمہ نے نے جو خود خرید فرما چکی ہیں۔ حل کر دیا۔ اس کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

پرانے اور اکثر نو ایجاد برقعوں سے یہ چار شف قطعی تعلق نہیں رکھتا۔ اکثر بہنوں نے ایک بار خریدنے پر مکرر دوسرے طلب کئے ہیں۔ جن کی میں مشکور ہوں۔ اور یہ ان کی اپنی پسند ہے۔ ورنہ اپنی اپنی پسند و طبیعت جدا ہوتی ہے۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ یہ چار شف کی تعریف نہیں ہے۔ بلکہ بہنوں کے خطوط کے جواب ہیں۔ جو تہذیب میں درج کرانا ضروری معلوم ہوا۔

خاکسار اہلیہ بدر الحسن مرحوم شیخ پٹی بدایوں

خانہ داری۔ اس موضوع پر سب سے اچھی کتاب قیمت ۸؍ دفتر تہذیب سے منگائیے۔

کشیدہ کاری کی مشین

۲۱ جنوری ۱۹۲۸ء کے اخبار تہذیب نسواں میں بہن رحمت النساء بیگم صاحبہ اور اہلیہ میاں عبداللطیف صاحب نے کشیدہ کاری کی مشین کے متعلق رائے دریافت کی ہے۔ ان دونوں بہنوں کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ مشین قابل تعریف ہے۔ نقلی مشین ہرگز نہ منگوانا چاہئے۔ ایس احمد لاہور کی کمپنی سے اصل مشین دستیاب ہو سکتی ہے۔ ترکیب انگریزی میں لکھی رہتی ہے۔ اگر انگریزی میں سمجھ میں نہ آئے۔ تو اردو میں چھپی ہوئی ترکیب بھی ملتی ہے۔ اس ننھی منی مشین سے ٹیکوزی سلیپر وغیرہ کاڑھیں۔ تو بہت خوب صورت بنتے ہیں۔ مشین کو احتیاط سے کام میں لائیں۔ تو سالہا سال خراب نہ ہونے پائے گی۔ مشین کے ساتھ کاڑھا ہوا نمونہ بھی بھیجا جاتا ہے۔ اس مشین سے کاڑھنے کے لئے بہترین کپڑا ململ ہے۔ زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو بہنیں مشین منگوائیں گی۔ ان کو اس کی ترکیب استعمال سے اور ہدایات سے بخوبی آگاہی ہو جائے گی۔

بہن رحمت النساء بیگم صاحبہ کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ اس مشین کے متعلق مجھے خود تجربہ حاصل ہے۔ نہایت کارآمد چیز ہے۔ ضرور منگوائیں۔ بہن اہلیہ عبداللطیف صاحبہ سے عرض ہے۔ کہ اصل

مشین کی قیمت صرف ساڑھے چار روپے ہے۔ مشین
کے ساتھ سامان بھی ضرور منگوانا چاہئے۔ مشین کو استعمال
میں لانے کے وقت فریم کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔
بغیر فریم کے کاڑھنا بہت مشکل ہے ؛

رضیہ بنت غلام احمد خاں بیگم پٹیھ (داؤدی امین)

محفل تہذیب

مکرمی جناب مولوی صاحب قبلہ۔ آداب ؛ میں
آپ کو نہایت رنج و افسوس کے ساتھ اطلاع
دیتی ہوں۔ کہ میرے والد ماجد منشی محمد منظور صاحب
نے جو گورنمنٹ بھوپال میں ڈپٹی کمشنر تھے۔ ایک
سال مرض "نفرائی ٹیز" میں مبتلا رہ کر بتاریخ ۳۱ دسمبر
۱۹۲۷ء جمعہ کے روز بوقت ۱۲ بجے دن ہم سب
بہنوں اور بھائیوں کو داغ مفارقت دے کر اس
دار فانی سے طرف عالم جاودانی کوچ فرمایا۔ انا
للہ وانا الیہ راجعون ؛ مرحوم نماز روزے کے
بڑے پابند تھے ؛ تہذیبی بہنوں سے التماس ہے۔
کہ بعد نماز دعائے مغفرت فرمائیں۔ ممنون ہوں گی ؛
ایصال ثواب میں مبلغ پانچ روپے بذریعہ منی
آرڈر ارسال خدمت ہیں۔ کسی کار خیر میں صرف
فرما دیجئے۔ شکر گزار ہوں گی ؛ ہمشیرہ محمد عاقل

تہذیب مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۲۸ء میں بہن رفیق النساء
بیگم نے کوئی آزمودہ دوا یا منجن کا نسخہ دریافت
کیا ہے۔ اگر کسی قسم کی کوئی شکایت مثلاً سیاہی یا
سوراخ دانتوں میں نہیں۔ تو برش کرنے کے بعد
ہائیڈروجن پر اکسائڈ پارک ڈیوس اینڈ کمپنی کا بقدر
چائے کے چمچے کے استعمال کریں۔ لیکن چند روز
بجائے برش کے انگلی سے لیفر لیوں یا بالش مسوڑھوں
پر ملنا بہت فائدہ مند ہے۔ پھر برابر کا پانی ملا کر
ہمیشہ استعمال کریں۔ تو انشاء اللہ کسی قسم کی
تکلیف نہ ہوگی ؛ چونکہ درد کی تشریح بالکل نہیں
لکھی۔ کہ دانتوں کے نمایاں حصص میں ہے۔ یا
مسوڑھوں کے اندر۔ اس لئے زیادہ مشورہ دینے
سے قاصر ہوں ؛ بہن صاحبہ اگر کچھ دریافت کرنا
چاہیں۔ تو بلا تکلف تحریر کریں ؛ عزیز گوہر ڈنٹسٹ
منیجر کارخانہ زنانہ دندان سازی مشن روڈ کوئٹہ

۱۔ دانتوں کے درد کے لئے امرت دھارا دن
میں چار پانچ مرتبہ لگائیں ؛

۲۔ سوال نمبر ۳ کا جواب۔ رات کو سوتے وقت
زمبک لگائیں ؛

۳۔ اصل ہینگ کا پانی چھڑکا کریں۔ مکھیاں
جاتی رہیں گی ؛

راقمہ ج۔ ب دہلی

محترمہ رضیہ خاتون صاحبہ اڈیٹر سہیلی نے

اپنے بچے کے لئے کالی کھانسی کی دوا دریافت کی ہے۔ میں ایک مجرب و آزمودہ نسخہ لکھتی ہوں۔ مگر مچھ کے گوشت کو آگ پر رکھ کر جلا کے راکھ بنا لیجئے۔ اور ایک ماشہ دودھ یا پانی میں ملا کر صبح شام پلایا کیجئے۔ دو تین وقت کے استعمال سے فوراً جاتی رہے گی۔ مگر مچھ کا گوشت اکثر ماہی گیر دں کے پاس ملتا ہے۔ تین چار بچوں پر آزمایا خدا کے فضل سے سب کو فائدہ ہوا ہے۔ صبح شام میں دو ماشے استعمال کرائیے۔ سارہ بیگم دختر مولانا مولوی محمد عمر صاحب پرنسپل اسلامیہ کالج کرنول علاقہ مدراس

بہن رضیہ خاتون نے کھانسی کی دوا دریافت کی ہے۔ آزمودہ نسخہ تحریر ہے:۔

گاؤزباں ۲ ماشہ۔ اصل السوس ۲ ماشہ بیخ بادیان ۲ ماشہ۔ مویز منقے ۳ دانہ۔ سپستاں ۹ دانہ۔ بادیان ۲ ماشہ پانی میں جوش دے کر چھان کر خمیرہ بنفشہ ایک تولہ ملا کر صبح کو پلایا کریں۔ اور شام کو لعوق معتدل ۲ ماشہ۔ سپستاں چھ ماشہ۔ عرق گاؤزبان ۲ تولہ میں جوش دے کر نیم گرم پلائیں۔ اور گیہوں دو تولہ۔ قند سیاہ ڈھائی تولہ۔ نمک لاہوری ایک تولہ برتن میں منہ بند کر کے سیر آپلوں میں پھونک لیں۔ صبح شام۔ دوپہر ایک ایک ماشہ چٹائیں۔ چھوٹے بچے کو ایک رتی ماں کے دودھ میں گھول کر پلائیں۔ رئیس فاطمہ بنت سید احمد حسین بلند شہر

میری ایک سہیلی کے سر میں ہر وقت درد رہتا ہے۔ ڈاکٹری اور طبی علاج کئے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کوئی بہن یا بھائی مجرب و آزمودہ نسخہ تحریر فرمائیں۔

۲۔ براہ عنایت کوئی صاحب بذریعہ تہذیب مطلع فرمائیں۔ کہ یرقان کے لئے کونسی دوا مفید ہے۔ راقمہ زیب النساء اہلیہ مخدوم علی ناظر تعلیمات

مجھے کیک بنانے کی ترکیب مطلوب ہے۔ اگر کوئی بہن یا بھائی ترکیب مذکور بتائیں گے۔ تو بہت ممنون ہوں گی۔ راقمہ **شکیلہ خاتون**

پیرس یا امریکہ کی کسی فوٹو آرٹ کمپنی کا پتہ مطلوب ہے۔ تقی علی متعلم۔ ناگپور

گزشتہ ہفتہ بہت سی بہنوں نے، جنوری کے کے تہذیب کے معمے کا صحیح حل ہمیں بھیجا ہے۔ لیکن چونکہ ۲۸ جنوری کے تہذیب میں معما کا حل چھپ چکا ہے اس لئے ان سب کی فہرست درج کرنا بے موقع ہے۔ امید ہے۔ یہ بہنیں ہمیں معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گی۔ منیجر

ولایتی معلومات

خاص تہذیب کے لئے

تھکے تھکے سے بچے

قدرتی طور پر ہر ایک بچہ چونچال - پھُرتیلا اور تیز طرّار نظر آنا چاہیئے - عام طور پر تندرست بچے کھیل کُود میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ اور سکول میں بھی چُست وچالاک دکھائی دیتے ہیں - لیکن اگر کوئی بچہ ہر وقت تھکا تھکا سا معلوم ہو - تو اس سے یہ نتیجہ نکال لینا درست نہیں - کہ یہ بچہ سُست اور کام چور ہے - عین ممکن ہے - کہ اس کی یہ بیماری یعنی تکان کُہنہ ہو چکی ہو - جس سے انسان کی حالت عام لوگوں سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے ؀

اب سے کوئی بیس پچیس سال ہی پہلے یہ حالت تھی - کہ جب تک مرض پورے زور شور سے حملہ آور نہ ہو جائے - علاج معالجہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی - لیکن اب خوش قسمتی سے لوگ حفاظتی تدابیر کی اہمیت کے قائل ہو رہے ہیں ؀

اب دیکھنا یہ ہے - کہ بچے کی اس تکان کا باعث کیا ہے - اس میں شک نہیں - کہ دن بھر کی کھیل کود اور ٹہر لونگ کے بعد اگر بچہ کسل مند سا معلوم ہو - تو گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں - لیکن جب کوئی ماں دیکھتی ہے - کہ بچہ ہمیشہ تھکا تھکا اور بے حس وحرکت سا معلوم ہوتا ہے - اور پھر جب وہ اس حالت کا اپنے بچپن سے مقابلہ کرتی ہے - تو اسے تشویش ہونا یقینی اور قدرتی امر ہے ؀

بدقسمتی سے کسل مند بچے کی حالت کے متعلق اکثر والدین درست اندازہ کرنے میں قاصر رہتے ہیں - اور اس غریب کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے - جو بعد میں بہت کچھ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے - بعض لوگ تو اسے نکما سُست اور کام چور سمجھ کر پند و نصائح کے دفتر کھول دیتے ہیں - اور اُس کے مستقبل کی تاریکی کا ایسا بھیانک نقشہ کھینچتے ہیں - کہ بے چارے کا نازک دماغ ماؤف سا ہو کر رہ جاتا ہے -

بخلاف اس کے بعض والدین اسے ضرورت سے زیادہ ہمدردی اور توجہ کا مرکز بنا لیتے ہیں - جس سے وہ سچ مچ مریض بن جاتا ہے ؀

ممکن ہے - کہ بچے کی کسل مندی کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ ہو - کہ اُس کے اعضا جلد

جلد نشو و نما حاصل کر رہے ہیں + ایسی حالت میں وقت گزرنے پر بچہ خود بخود بھلا چنگا ہو جاتا ہے + لیکن والدین کے لئے یہ انتظار کا عرصہ سوہانِ روح ہو جاتا ہے ؞

بعض بچوں میں یہ کسل مندی اتنی نمایاں نہیں ہوتی - لیکن اگر اس پر بروقت توجہ نہ کی جائے - تو تکلیف کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے + ایسی حالت میں بچے کو سزا دینے سے فائدہ کی بجائے اُلٹا نقصان ہوتا ہے - بچے کی طبیعت اس بے انصافی کے احساس سے اَور بھی مُضمحل ہو جاتی ہے + بعض لوگ صاف صاف بچے کے مُنہ پر اس کو کوڑ مغز اور کودن کہنے لگتے ہیں - یہ بڑی خطرناک غلطی ہے ؞

زیادہ کھا جانے یا مناسب خوراک نہ ملنے سے بھی اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے - لیکن یاد رہے - کہ ضرورت سے کم خوراک ملنا بھی کچھ کم نقصان دِہ نہیں ہوتا + بہت کم سونے - زیادہ ورزش کرنے اور ہر وقت کی جھڑکیوں بلکہ اکثر والدین کے جھگڑوں سے بھی بچے کی جسمانی حالت پر بُرا اثر پڑتا ہے + اس کے علاوہ یہ اطمینان کر لینا بھی نہایت ضروری ہے - کہ کہیں ذیابیطس کے آثار تو نہیں ؞

بعض لوگ پوچھیں گے - کہ کسل مند بچوں کے متعلق والدین کو کیا کرنا چاہئیے - اس کا جواب یہ ہے - کہ والدین پہلے مندرجہ ذیل باتوں کی جانب متوجہ ہوں (۱) کیا بچے کو آرام کرنے کے لئے کافی وقت ملتا ہے ؟ (۲) خوراک مناسب ملتی ہے ؟ اور کھانا وقت بے وقت تو نہیں ملتا ؟ (۳) کیا بچہ بہت جلد جلد بڑھ رہا ہے ؟ (۴) کنبے میں سے کوئی شخص جو اس بچے سے عمر میں بڑا ہو - اسے تنگ تو نہیں کرتا ؟

اگر بچے کی کسل مندی کا باعث مندرجہ بالا باتوں میں سے کوئی ایک یا زیادہ باتیں ہوں - تو فوراً ہی ان کی اصلاح کرنی چاہئیے + لیکن سب سے اہم بات یہ ہے - کہ بچے کا وقتاً فوقتاً ڈاکٹری معائنہ کروایا جائے ؞

بچپن میں طبّی نگرانی بہترین حفاظتی تدبیر ہے - اور یہ تدبیر مرض پیدا ہونے کے بعد علاج معالجہ - دوا دارو اور انضباطِ اوقات پر زور دینے کی نسبت بہت زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے ؞

ڈاکٹر کو صحیح صحیح تمام حالات بتا دو - کہ بچہ عام طور پر کس طرح وقت گزارتا ہے - تاکہ وہ مناسب اور حسب ضرورت مشورہ دے سکے ؞

ترکی خواتین

مسٹر ارنسٹ پیج نے "ورلڈ ڈومینین" میں راستی اور نیکوکاری کے متعلق ترکوں کے نقطۂ نظر پر ایک نہایت اعلیٰ پایہ کا مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون میں ترکی خواتین کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ایک خطبہ سے کچھ اقتباسات دے رکھے ہیں۔ جو ایک مشہور و معروف ترک اڈیٹر کا لکھا ہوا ہے۔

مسٹر پیج کہتے ہیں۔ کہ اس اڈیٹر کے خطبہ کا موضوع ہے "دماغی اور عملی زندگی میں آئندہ ترکی خواتین کا درجہ"۔ یہ خطبہ پہلے پہل قسطنطنیہ کے ترکی خواتین کے کلب میں پڑھا گیا تھا۔ ہم ذیل میں اس کا ملخص درج کرتے ہیں۔

(۱) مشرق کے مقابلہ میں مغرب کی برتری کی بڑی اور نمایاں وجوہ میں سے ایک یہ ہے۔ کہ مشرقی ممالک میں عورت کو مناسب درجہ حاصل نہیں۔

(۲) اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ آج کل ترکی مستورات اور خصوصًا شہروں میں رہنے والی ترکی خواتین کی زندگی میں ایک انقلاب رُونما ہو گیا ہے۔ جس سے انہیں کافی آزادی مل گئی ہے۔ اور ترقی کے مواقع حاصل ہونے لگے ہیں۔

(۳) دنیا میں ہر قوم کے مرتبہ اور قابلیت کا انحصار اُس قوم کی خواتین کے مرتبہ اور قابلیت پر ہے۔

(۴) بہترین خاتون کی چار ضروری خوبیاں یہ ہیں:-

(ا) اس کے دل میں نیک جذبات موجزن ہوں۔

(ب) اس کے چہرے پر انکسار اور رحم دلی برس رہی ہو۔

(ج) اس کی باتوں میں نرمی اور شیرینی ہو۔

(د) اس کے ہاتھ کام سے خالی نہ ہوں۔

(۵) عورتیں آزاد ہوں۔ اور انہیں اپنے آپ پر اعتماد ہو۔ انہیں ایسے تمام ذرائع حاصل ہونے چاہئیں۔ جن سے وہ زندگی کی جد و جہد میں اپنی آزادی اور خود اعتمادی قائم رکھ سکیں۔

(۶) جب تک ہماری عورتوں میں آزادی اور خود اعتمادی پیدا نہیں ہوتی۔ اس وقت تک آزاد اور مہذب قوموں میں ہماری ذرا بھی قدر و منزلت نہ ہوگی۔

آگے چل کر مسٹر پیج لکھتے ہیں۔ کہ ترکی زندگی کی اندرونی حالت کے متعلق جس قدر تحریریں میری نظر سے گزری ہیں۔ اُن میں وضاحت کے لحاظ سے ایک مختصر سا مضمون سب سے بہتر کہا جا سکتا ہے۔ جس کا عنوان ہے "ہمارے موجودہ مصائب۔ ابن اسعد کے خیالات"۔ اس مضمون میں سے

مندرجہ ذیل اقتباسات دئے ہیں :-

"تہذیب و تمدن کے اعتبار سے ہماری ترک قوم کبھی مہذب قوموں کی صف اول میں شمار کی جاتی تھی۔ مثال کے لئے سلیمان اعظم کے زمانہ کو لیجئے اس وقت یورپ کی کوئی بڑی سے بڑی قوم بھی ہم سے برتر ہونے کا دعوے نہ کرسکتی تھی۔ بلکہ ہمارے ہم پلہ بھی کوئی طاقت نظر نہ آتی تھی۔ اس کے بعد ہم اس حالت کو کس طرح پہنچے؟ اُس وقت حکومت کو عموماً مادیت سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اور نظام حکومت کے تمام کل پُرزے حکومت کے مذہب کے قبضۂ قدرت میں ہوتے تھے"۔

پھر کچھ عرصہ بعد یورپ نے نیا چولا بدلا۔ جس کا اثر علمیت اور مذہب پر بھی بہت کچھ پڑا۔ اس نئی تحریک کا زیادہ تر زور ان دو امور پر تھا:-

(۱) لوگوں کو غور و خوض اور رائے قائم کرنے میں آزادی حاصل ہونی چاہئے۔

(۲) ہر شخص کو اپنے ضمیر کی پیروی کی آزادی ہو۔

"یہ دونوں باتیں یورپ کی زندگی کا جزو بن گئیں۔ اور یکایک ایک انقلاب پیدا ہو گیا جس سے یورپین اقوام کی ترقی کے سنہری زمانہ کا آغاز ہوا۔ لیکن اس دوران میں ہم جہاں تھے وہیں رہے۔ کیونکہ ہم بدستور سلطانی حکومت اور حکومت کے مذہب کی زنجیروں میں جکڑے رہے۔ اس وقت تغیر و تبدل اور تنظیم و ترتیب کی جو لہر ساری دنیا میں دوڑ رہی تھی۔ اس کا ہم پر ذرا بھی اثر نہ ہوا"۔

"اب ہمارے ہاں انقلاب رونما ہوا۔ اور ترک قوم نے واضح کر دیا۔ کہ اب ہم موجودہ زنگ بستگی کی حالت میں رہنا برداشت نہیں کرسکتے۔ جن بندھنوں میں ہم جکڑے ہوئے تھے۔ ان کے باعث ہماری تہذیب بھی پچھلی صفوں میں آ گئی۔ لیکن اب ہم نے آگے بڑھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اس انقلاب اور اپنے عظیم الشان رہنماؤں کی مدد سے ہم ترقی کے میدان میں کافی آگے بڑھ گئے ہیں۔ اس تجربہ سے ایک عام مثل کی صحت اور واقعیت کے متعلق ہمارے دل سے تمام شکوک دور ہو جانے چاہئیں۔ کہ

"خیالات حقیقت میں عام واقعات کا نتیجہ نہیں بلکہ اُن کی علت ہوتے ہیں"۔

لیکن ہمیں صرف ظاہری صورت مثلاً ہیٹ پتلون رقص و سرود اور اعلےٰ معیار کے سکولوں ہی کے متعلق اپنی تہذیب کو مہذب ممالک کے معیار پر لانے بلکہ ان سے بھی آگے نکل جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ کیونکہ یہی ایک چیز ہے جو تہذیب کی تعمیر میں بنیادوں کا کام دیتی ہے"۔

خبریں اور نوٹ

ترکی کی پہلی خاتون بیرسٹر ثریا احمد خانم انگورا کی عدالت دیوانی میں پیش ہوئیں + آپ ایک عورت کی طرف سے طلاق کے مقدمے میں پیروی کر رہی ہیں + آج اتفاق سے وقت مقررہ کے کچھ دیر بعد پہنچیں ۔ اور اس دیر کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ۔ کہ میری جنس کے لوگوں کو بناؤ سنگار کرنے میں ذرا زیادہ وقت لگتا ہے ۔ اور یہ ایک فطری امر ہے ❊

ایتھنز کا تار ۔ ترکی حکام نے ایک برطانی جہاز گرفتار کر لیا ہے ۔ جو مارسیلز سے ممنوع اشیا لاکر ترکی بندرگاہ میں اُتار رہا تھا + جہاز کے ملازموں کو گرفتار کر لیا گیا تھا ۔ اور جہاز پر سے برطانی پھریرا اُتار لیا گیا تھا ۔ لیکن برطانی سفیر کے کہنے سننے سے ملازموں کو رہا کر کے پھریرا لہرانے کی اجازت دیدی + اب ترکی حکام نے ۲ ہزار پانسو پونڈ ہرجانے مطالبہ کیا ہے ❊

شاہ افغانستان نے پیرس میں موسیو پائنکارے وزیر اعظم فرانس سے ایک گھنٹہ تک گفتگو کی ❊

انگلستان کے ایک نمائندہ اخبار نے شاہ افغانستان سے ملاقات کی ۔ دوران گفتگو میں آپ نے فرمایا ۔ کہ میں دو وجوہ سے یورپ آیا ہوں ۔ ایک تو یہ کہ جو چیز یا جو بات مَیں یورپ میں اچھی پاؤں ۔ وہ اپنے ملک میں لے جاؤں + دوسرے یہ کہ میں یورپ کو بتا دینا چاہتا ہوں ۔ کہ دنیا کے نقشے پر سرزمین افغانستان کا بھی کوئی وجود ہے + آپ نے فرمایا ۔ کہ مغرب میں بہت سی ایسی باتیں ہیں ۔ جن کا میں ذاتی طور پر قائل نہیں اور نہ ان کی ضرورت سمجھتا ہوں ۔ لیکن بہت سی باتیں ایسی ہیں ۔ جن کی ہم کو سخت ضرورت ہے ۔ اور جو سرزمین افغانستان میں موجود نہیں ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں ۔ کہ میدان ترقی میں تیز گامی سے چلنے کی ہر ممکن کوشش کریں +

۲ فروری کو شاہ افغانستان نے ورسیلز کے ہیڈ کواٹری کیمپ میں متحرک قلعوں کے کرتب دیکھے + فرانسیسی اور افغانی افسر آپ کے ساتھ تھے ❊

لندن میں شاہ افغانستان کی آمد کی تیاریاں ہو رہی ہیں + ۱۳ مارچ کو آپ اور ملکہ افغانستان رود بار انگلستان عبور کریں گے ۔ آپ کے جہاز پر افغانی جھنڈا نصب ہوگا ۔ اور اس کے ساتھ ہوائی جہاز اور تباہ کن کشتیاں ہوں گی + ڈوور میں شہزادہ ویلز آپ کا خیر مقدم کریں گے ❊

وکٹوریا اسٹیشن لندن پر ملک معظم اور ملکہ معظمہ شاہ افغانستان اور ملکہ افغانستان کا خیر مقدم کریں گے + شاندار دعوتوں کے علاوہ آپ کو بحری نمائش اور گھوڑ دوڑ دکھائی جائے گی + بحری نمائش میں بحر اوقیانوس کا بیڑا اور دوسرے

نئے اور پرانے جہازات۔ آبدوز کشتیاں اور سرنگیں بچھانے والے جہاز حصہ لیں گے۔

قاہرہ ۹ فروری۔ آج شاہ مصر جدید مصری یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھیں گے۔ جس کا رقبہ تقریباً ۱۹ ایکڑ ہوگا۔ اور اس میں سکونتی عمارات بھی شامل ہوں گی۔

ڈبلن (آئرلینڈ) میں دو عورتوں پر اس الزام میں مقدمہ چلایا گیا ہے۔ کہ صدر جمہوریہ آئرلینڈ وزیر عدالت آئرلینڈ اور دوسرے افسروں کے خلاف انہوں نے باغیانہ رسالے شائع کئے اور لوگوں کو ان کے قتل کرنے کی ترغیب دینے کے سازش کی۔ استغاثہ کی طرف سے یہ بھی بیان کیا گیا۔ کہ ان عورتوں نے ۱۸۸۲ء میں انگلستان کے دو افسروں کو قتل کیا تھا۔ مقدمہ جاری ہے۔ عورتوں کو تین تین سو پونڈ کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے۔

حکومت یمن کے پاس اس وقت تمام آلات حرب موجود ہیں۔ جو بالکل جدید طرز کے ہیں منظم فوج کی تعداد ۶۰ ہزار ہے۔ ملک میں فوجی جبری بھرتی کا قانون نافذ ہے۔

بولشویک حکومت نے قسطنطنیہ میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں تمام علوم کی تعلیم دی جائے گی۔

مصری قوم پرستوں نے مطالبہ کیا ہے۔ کہ شہزادہ ولی عہد کو حصول تعلیم کی غرض سے انگلستان بھیجا جائے۔

خبر ہے۔ کہ شاہ افغانستان امریکہ بھی تشریف لے جائیں گے۔ جمہوریہ امریکہ کی طرف سے دعوت آئی ہے۔

گلاسگو (اسکاٹلینڈ) میں پانسو سے زیادہ مرد مالی پریشانیوں کی بنا پر اپنی بیویوں کو چھوڑ کر نکل گئے ہیں۔

برطانیہ کے ایک وکیل نے طلاق کے مقدمات پر غور و فکر کرنے کے بعد یہ رائے قایم کی ہے۔ کہ متاہل زندگی میں پہلا سال بہت نازک ہوتا ہے۔ اس کے بعد پندرھویں سال سے لے کر بیسویں سال تک کی مدت بڑی نازک ہوتی ہے۔

کیلیفورنیا میں ایک نیا مذہبی گروہ پیدا ہوا ہے۔ جس کے معتقدین کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ ان لوگوں نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ وہ دریائے نیل کے کنارے ایک پہاڑی پر آبسیں۔ اور ان مصریوں کی سی زندگی اختیار کریں۔ جو حضرت مسیح کی پیدائش سے تیرہ سو سال پیشتر آباد تھے۔ یہ لوگ موجودہ تمدن کے تمام سامان اور موجودہ زمانہ کا تمام لباس چھوڑ کر پرانے زمانے کی طرز معاشرت اختیار کر لیں گے۔

فرانس میں جذامی امراض کثرت سے پھیل رہے ہیں۔ پیرس میونسپلٹی نے ایک لاکھ فرانک

کی منظوری دی۔ کہ اس رقم سے جذامی مریضوں
کے خاص ہسپتال قایم کیا جائے ٭

ایک خاتون مسز ایچ ویلز مانچسٹر شہر میں پولیس
سرجن مقرر کی گئی ہیں ۔ یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں
نے یہ عہدہ حاصل کیا ہے ٭

۳ فروری کو سائمن کمیشن "راولپنڈی" نامی
جہاز سے ساحل بمبئی پر اُترا۔ اور اسی تاریخ
کو دہلی روانہ ہوگیا ٭

جس وقت کمیشن نے ساحل پر قدم رکھا۔ اس
وقت مظاہرہ کرنے والوں کی کثیر تعداد موجود
تھی ۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں
اور ایسے اشتہار تھے ۔ جن پر لکھا تھا "سائمن
واپس جاؤ۔ کوئی نمایندگی نہیں۔ اس لئے کوئی
کمیشن نہیں۔ سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے" ٭

شاہی کمیشن کے صدر سرجان سائمن نے حضور
وائسرائے کے نام ایک اعلان شائع کیا ہے۔
جس میں کمیشن کے فرائض کی تشریح کرتے ہوئے
ہندوستان کی فضا کو اپنے موافق بنانے اور
ہندوستانیوں کی بے اطمینانی اور غلط فہمی کو
دور کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اور لکھا ہے ۔ کہ
یہ کمیشن حکومت ہند یا حکومت برطانیہ کا آلہ کار
نہیں ۔ بلکہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے آیا ہے۔
جو اس پر ملک معظم نے عائد کیا ہے ۔ یہ ایک
آزاد جماعت ہے۔ جو پارلیمنٹ کے ارکان پر مشتمل
ہے۔ اور ہندوستانی مجالس قانونی کے ارکان کو
اپنے رفیق سمجھتے ہوئے ان کی خدمت میں
حاضر ہوتی ہے ۔ جس طرح ہماری جماعت پارلیمنٹ
کے دونوں ایوانوں کی منتخبہ حیثیت رکھتی ہے۔
اسی طرح اگر ہندوستان کے دونوں ایوان
یعنی کونسل آف اسٹیٹ اور اسمبلی اپنے سات
ممبر منتخب کر کے ہمارے ساتھ شریک کر دیں۔
تو ہم انہیں شامل کرنے کو تیار ہیں ۔ ان ہندوستانی
ممبروں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے ۔ جو
کمیشن کو حاصل ہیں ۔ انہیں گواہوں کے بیانات
سُننے اور سوالات کرنے کا وہی اختیار ہوگا۔
جو کمیشن کو ہے ٭

آپ نے یہ بھی لکھا ہے ۔ کہ دونو کمیٹیاں
بہ حیثیت مجموعی صوبجاتی حکومتوں کی پیش کردہ
شہادتوں پر غور و خوض کریں گی ۔ اور عوام۔ نمایندہ
جماعتوں اور افراد کی شہادتوں پر بھی مشترکہ طور
پر غور و خوض کیا جائے گا ۔ لیکن اگر بعض اوقات
ہمیں ہندوستانی کمیٹی سے الگ رہ کر کسی شہادت
پر غور کرنا پڑے ۔ تو ہم اس کی وجوہ بتلا دیں گے۔
اسی طرح ہندوستانی کمیٹی کو حق حاصل ہوگا ۔ کہ
اگر وہ ہم سے الگ رہ کر کسی شہادت پر غور کرنے
کی ضرورت سمجھے ۔ تو وہ بھی ہم سے الگ ہو جائے ٭
اس کے بعد آپ نے لکھا ہے ۔ کہ جب سائمن کمیشن
اپنی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کرے گا ۔ تو

اس وقت ہندوستانی مشترکہ کمیشن اپنی رپورٹ اسمبلی میں پیش کرے۔ لیکن اگر ہندوستانی مشترکہ کمیٹی اس بات کو پسند کرے گی۔ تو ہم اس کی رپورٹ اپنی رپورٹ کے ساتھ منسلک کر دیں گے۔ تاکہ وہ بیک وقت ملک معظم کے روبرو پیش ہو سکیں ٭

اس اعلان کے بعد ہندوستان کے سرکردہ لیڈروں نے اپنی طرف سے ایک اعلان شائع کیا ہے جس میں کمیشن کے ساتھ مل کر کام کرنے سے انکار کیا ہے۔ اور مقاطعہ کی حمایت کی ہے ٭

۳ فروری کو ہندوستان کے بہت سے شہروں میں سائمن کمیشن کے خلاف ہڑتال رہی۔ لاہور میں ہڑتال نہیں ہوئی ٭ مدراس میں ہڑتال کے ساتھ بدامنی بھی ہوئی ٭ سرکاری بیان ہے۔ کہ ایک مجمع ہائی کورٹ کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اور مطالبہ کیا۔ کہ ہمارے قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے ایک پولیس سارجنٹ اور سپاہیوں کو مارا پیٹا۔ اور سمجھانے بجھانے کے بعد بھی فساد و بدامنی پھیلاتے رہے ٭ یہ دیکھ کر پریزیڈنسی مجسٹریٹ نے پولیس کو گولی چلانے کا حکم دیدیا۔ پولیس نے مجمع کو منتشر کرنے کے لئے ایک باڑ چلادی۔ جس سے ایک آدمی مرا اور چار زخمی ہوئے ٭

کلکتہ میں بھی ۳ فروری کی ہڑتال کے ساتھ بدامنی کی وارداتیں ہوئیں۔ ٹریم کاروں پر حملے کئے گئے۔ پریزیڈنسی کالج کے پرنسپل اور پولیس پر حملے ہوئے۔ اس بدامنی کی روک تھام کی غرض سے پولیس نے مختلف مقامات سے شرارتی لوگوں کو گرفتار کیا۔ شمالی کلکتہ سے ایک آدمی کو پولیس سارجنٹ پر حملہ کرنے کے الزام میں اور ۴۳ آدمیوں کو قانون پولیس کلکتہ کے ماتحت گرفتار کیا گیا ٭ بھوانی پور میں ۹، ۷ آدمی قانون پولیس کی مدد سے گرفتار کئے گئے ٭ فوج اور مسلح موٹروں نے بحالی امن کے لئے گشت لگایا ٭

باڑہ ضلع پٹنہ میں ایک برہمن عورت کے ستی ہونے کے سلسلے میں جن ملزمان پر اعانت و ترغیب خودکشی کا مقدمہ چل رہا تھا۔ سبنیر ڈپٹی مجسٹریٹ پٹنہ نے انہیں سشن سپرد کر دیا ٭

بمبئی کارپوریشن نے ۲۹-۱۹۲۸ء میں پرائمری تعلیم کے لئے دو لاکھ روپے کا بجٹ منظور کیا ہے ٭

۲۶ جنوری کو مہاتما گاندھی کے تیسرے لڑکے مسٹر رام داس گاندھی کی شادی مس نرمدا دیوی کے ساتھ بہت سادگی کے ساتھ عمل میں آئی ٭ دلھن کاٹھیاواڑ کے ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں ٭ رسوم شادی کے بعد مہاتما جی نے دولھا دلھن کو آشیرباد دی ٭

سر آغا خاں نے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کی امداد کے لئے ۱۰ ہزار روپیہ عطا فرمایا ہے ٭

دہلی میں خواتین ہند کی تعلیمی کانفرنس کی شرکت کے مسز نائڈو بھی گئی ہیں ٭

محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ نے

لڑکیوں کے فائدے کے لئے سنہ ۱۸۹۸ء میں جاری کیا

چندہ سالانہ مع محصول ڈاک صہ پیشگی

جلد ۳۱	لاہور۔ ہفتہ۔ ۱۸ فروری سنہ ۱۹۲۸ء	نمبر ۷

تہذیب نسواں

لاہور۔ ہفتہ ۲۵ شعبان المعظم سنہ ۱۳۴۶ھ

کانفرنس نمبر

فہرست مضامین

خواتین ہند کی کانفرنس

۷ فروری ۱۹۲۸ء کو بعد دوپہر رائل سینما ہال دہلی میں خواتین ہند کی کانفرنس کا اجلاس بہت جوش و خروش اور تزک و احتشام کے ساتھ شروع ہوا۔ ہر مذہب و ملت کی ایسی خواتین جو تعلیم و ترقی نسواں کی تحریک سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ اس عظیم الشان مجمع میں شریک ہونے کی غرض سے دور دور سے آن پہنچی تھیں۔ جلسہ گاہ میں کئی مشاہیر مرد بھی موجود تھے۔ دوسرے صوبوں سے نمایندہ خواتین تقریباً دو سو کی تعداد میں آئی تھیں۔ تمام ہال پُر تھا۔ اور خواتین کے خوش رنگ اور خوش وضع لباسوں کے باعث بے حد بارونق نظر آرہا تھا۔ پردہ دار خواتین کے لئے نشست کا انتظام گیلریوں میں کیا گیا تھا۔

پونے پانچ بجے کے قریب لیڈی ارون صاحبہ جلسہ گاہ میں پہنچیں۔ مجلس استقبالیہ کی صدر مسز ایس آر داس نے ان کا استقبال کیا۔ اور پھر لیڈی صاحبہ اور علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال دام اقبالہا دونوں صدر مقام کی طرف بڑھیں۔ حاضرین جلسہ نے نہایت جوش و خروش سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ مسز داس نے دونوں کو بہت سے ہار پہنائے۔ اور اس کے بعد وید۔ بائیبل اور قرآن مجید میں سے دعائیں پڑھنے کے بعد کارروائی جلسہ شروع کی گئی۔

مسز داس صدر استقبالیہ کمیٹی نے تمام مہمانوں اور نمایندہ خواتین کو خوش آمدید کہنے کے بعد ان کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا۔ اور پھر دوران تقریر میں فرمایا کہ ہندوستانی عورتوں میں تعلیم کی جو افسوسناک کمی ہے۔ اس کا ایک باعث تو یہ ہے کہ ہمیں سہولتیں میسر نہیں۔ دوسرے یہ کہ عام طور پر والدین اپنی بچیوں کی تعلیمی ضرورتوں کی طرف سے غفلت برتتے ہیں۔ لیکن اب کچھ عرصہ سے یہ بے اعتنائی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور والدین کے دلوں میں اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلانے کا شوق بہت نمایاں نظر آرہا ہے۔ یہی موقع ہے۔ جب ہمیں یک جا ہو کر فیصلہ کر لینا چاہئے۔ کہ ہماری لڑکیوں کو کس قسم کی تعلیم دی جانا مناسب ہے۔ چند سال کے بعد اگر والدین اپنی لڑکیوں کو ویسی ہی تعلیم دلانے کے عادی ہو جائیں گے جیسی تعلیم لڑکوں کو دی جاتی ہے۔ تو پھر انہیں کسی ایسی تعلیم کی طرف جو خصوصیت سے لڑکیوں کے لئے مفید ہو راغب کرنا بہت دشوار ہو گا۔ ہم اس وقت ایسی جگہ کھڑے ہیں۔ جہاں سے ہمارے راستے جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت اس بات کی بہت سخت ضرورت ہے۔ کہ ہم تعلیم نسواں کی رہنمائی درست راستے کی طرف کریں‘‘۔

اس تقریر کے بعد جنرل سکرٹری نے مہارانی صاحبہ بڑودہ اور رانی سانگلی کے پیغام پڑھ کر سنائے۔

مہارانی بڑودہ نے کانفرنس کو اس بات پر مبارکباد دی تھی۔ کہ اسے رہنمائی کے لئے لیڈی ارون اور بیگم صاحبہ بھوپال جیسی شخصیتیں مل گئیں۔ جو تعلیم و ترقی نسواں میں اہم خدمات سرانجام دے چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی لکھا تھا۔ "آؤ ہم اپنی حالت سدھارنے کو آسمان اور زمین ایک کردیں"۔ نیز ریاست کشمیر و بڑودہ کے ان قوانین کی طرف توجہ دلا کر جن کی رو سے لڑکی کی شادی کی عمر ۱۵ سال قرار دی جا چکی ہے۔ امید ظاہر کی تھی۔ کہ ہندوستان کے دوسرے صوبے بھی ان مثالوں کی پیروی کریں گے۔

اس کے بعد شریمتی کملا دیوی آنریری سکرٹری نے کانفرنس کے سال بھر کے کام کی رپورٹ پڑھی اور کانفرنس کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ انہوں نے کہا۔ کہ ایک ہی سال کی مدت میں کانفرنس ایک قوی شے بن گئی ہے۔ اور اس نے ایک ایسی تحریک کی صورت اختیار کرلی ہے جس نے عورت کو از سر نو زندگی بخش کر ایک اہم چیز بنا دیا ہے۔

تعلیم نسواں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ کہ موجودہ طرز تعلیم ایسی ہے۔ کہ اس کے ذریعے لڑکیاں نہ اچھی خانہ دار بیبیاں بن سکتی ہیں۔ اور نہ قومی خدمات سرانجام دے سکتی ہیں۔ بنگال کے ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے کچھ عرصہ ہوا عورتوں کو دعوت دی تھی۔ کہ وہ مردوں کا آسرا چھوڑ کر ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کو اپنی ضرورتوں کے موافق رائج کرلینے میں خود کوشاں ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسز کوسنز کی کوششوں کی بدولت تمام ہندوستان میں کانفرنسیں ہوئیں۔ اور ان میں نمائندہ خواتین منتخب ہوئیں۔ ساتھ ہی کئی نہایت اہم رزولیوشن پاس ہوئے۔ اور عورتوں کے مطالبات کی ایک فہرست مرتب ہو گئی۔

کانفرنس تعلیم کی تعریف ان الفاظ میں کرچکی ہے۔ کہ تعلیم وہ تربیت ہے۔ جو ایک بچے یا ایک فرد کی پوشیدہ قابلیتوں کو نوع انسان کی خدمت کے لئے مکمل طور پر نشوونما بخشے۔ کانفرنس نے لازمی ابتدائی تعلیم اور ذہنی تربیت کے ساتھ جسمانی اور روحانی نشوونما کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ نیز اس بات پر زور دیا تھا۔ کہ فنون لطیفہ۔ علم مدن۔ اعلیٰ تعلیم خانہ داری۔ اخبار نویسی اور تعمیرات کے موضوع بھی یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کردئے جائیں۔ کانفرنس کو پورا یقین ہے۔ کہ اگر بنیاد درست طور پر اور مضبوط رکھی گئی۔ اور نظام تعلیم میں نمایاں تبدیلی پیدا کردی۔ تو عورتوں کو تمام نظامی۔ تعلیمی اور انتظامی جماعتوں میں نمائندگی کا حق زیادہ حاصل ہو جائے گا۔

ایک اور اہم کام جو کانفرنس نے اپنے ذمے لیا تھا۔ یہ تھا۔ کہ بچپن کی شادی کے خلاف اور

شادی کی عمر کے مناسب تعین کے لئے کام کرے
چنانچہ اب ان دونوں تحریکات کے متعلق رزولیوشن
اسمبلی میں پیش ہیں۔ اور ان کی تائید میں صرف
گجرات کے صوبے سے دس ہزار دستخط حاصل
کئے جا چکے ہیں*

اس کے بعد رانی منڈی نے ایک تقریر میں
لیڈی ارون کی ان خدمات کی تعریف کی جو انہوں
ہندوستانی عورتوں کے لئے سرانجام دی تھیں
اور ان سے درخواست کی۔ کہ وہ کانفرنس کا
افتتاح کریں*

لیڈی ارون کی تقریر

لیڈی ارون نے پہلے اس بات کا شکریہ
ادا کیا۔ کہ انہیں کانفرنس کے افتتاح کی عزت
بخشی گئی۔ اور پھر اس امر پر اظہار مسرت فرمایا۔
کہ گورنمنٹ نے خواتین ہند کو تعلیم نسواں کے مسئلے
میں سرگرمی سے جو حصہ لینے کی دعوت دی تھی۔ وہ
اکارت نہیں گئی* آپ نے دوران تقریر میں فرمایا۔
کہ تعلیم کے میدان میں کوئی کام کرنے سے پہلے
بہت ضروری ہے۔ کہ ہمیں واضح طور پر یہ معلوم ہو۔
کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اور پھر ہمارا نصب العین
ہمیشہ ہماری نظروں کے سامنے رہے* آج دنیا
میں بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جو تعلیم کو محض معلومات
حاصل کرنا سمجھتے ہیں۔ اور اس بات کا خیال نہیں
رکھتے۔ کہ معلومات حاصل کرنا اصل مقصد تک پہنچنے
کا محض ایک ذریعہ ہے* علم قابل قدر چیز ہے۔ اور ہمیں
حق حاصل ہے۔ کہ ہم علم حاصل کرنے کی کوشش کریں*
لیکن علم بیکار ہے۔ اگر اس سے نوع انسان کی
خدمت نہ کی جائے* تعلیم کا حقیقی مقصد یہ ہے*
کہ عادت۔ ذہن اور جسم کی تربیت اس غرض سے
کی جائے۔ کہ عرصۂ حیات میں امداد ملے۔ اور گھر
میں اور گھر سے باہر جہاں تک عورت کی شخصیت
کا اثر پہنچے نیکی اور حسن کا دور دورہ ہو جائے*

عورتیں قومی روایات کی خزینہ دار ہوتی ہیں*
چنانچہ انہیں اندھوں کی اندھی رہنما نہیں ہونا
بلکہ روشنی۔ ہمت اور امید کی پیغامبر بننا چاہئے*
یہ ان ہی کا کام ہے۔ کہ پرانی اور نئی باتوں میں
سے جن جن کو اچھا سمجھیں۔ انہیں ملا کر ایک
کردیں* ہندوستانی بچوں کے اخلاق پر ان
کی ماؤں کا بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر
بہت افسوسناک ہے۔ کہ بہت سی لڑکیاں
ابھی تعلیم کے ابتدائی مراحل ہی میں ہوتی ہیں*
کہ انہیں گھر کی ضرورتوں کی خاطر مدارس سے
اُٹھا لیا جاتا ہے۔ یا شادی کے بندھنوں میں
جکڑ دیا جاتا ہے* مجھے بتایا گیا ہے۔ کہ ہندوستان
میں ایسی کتابیں کم لکھی گئی ہیں۔ جن سے وہ بعد
میں مستفید ہوسکیں۔ اور ان کے مطالعہ سے
آنکھوں کے سامنے جو ایک نئی دنیا کھل جاتی ہے*
اس کی الفت میں اپنے مطالعہ کا شوق جاری

رکھ سکیں۔ اس عظیم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اعلیٰ کتابوں کی اشاعت کی بہت ضرورت ہے۔

ماؤں کے بعد اُستانیاں ہیں۔ جو قوموں کو بناتی اور تہذیب کی بنیادیں استوار کرتی ہیں۔ ہر ایک مجھ سے یہی کہتا ہے۔ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے۔ کہ تعلیم یافتہ اور مناسب اُستانیاں بڑی تعداد میں حاصل ہو جائیں۔ میرا ایمان ہے۔ کہ کم عمر طالب علموں کی تعلیم کے لئے عورتیں مردوں سے بہتر معلم ثابت ہوتی ہیں۔ ان میں مردوں کی نسبت صبر اور ہمدردی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ توسیع تعلیم کے ساتھ ان کی ضرورت دن بدن زیادہ ہوتی جائے گی۔ ہمیں ایسی اُستانیوں کی ضرورت ہے۔ جو صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ ہی نہ ہوں۔ بلکہ جن کے خیالات وسیع ہوں۔ جو ایثار کی اہل ہوں۔ اور جنہیں اپنے فرائض کا پورا پورا احساس ہو۔

اُستانیوں کی قابلیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ میری رائے میں بہترین اُستانی وہ ہے۔ جو اپنے کام میں بہت دلچسپی لیتی ہو جسے اپنے شاگرد بچوں سے اُلفت ہو۔ اور جو انہیں مستقبل کا شہری بنانے کے فرض کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتی ہو۔ اگرچہ یہ نصب العین بہت بلند ہے۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں نئی پود کی تعلیم و تربیت ہو۔ ان میں ایسی ہی خوبیوں کا ہونا ضروری ہے۔ توسیع تعلیم نسواں بہت بڑا تعمیری کام ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اس ملک کے گھرانوں میں خدا کا ایک شہر آباد کیا جائے۔ تعلیم دینے کا کام عورت کے لئے بہت بلند مرتبہ پیشہ ہے۔ یہ طبابت کے عالی مرتبہ پیشے سے بھی بلند تر ہے۔ کیونکہ طبابت صرف جسم کی غور و پرداخت کا کام کرتی ہے۔ اور تعلیم کا تعلق روح اور دل سے ہے۔ پھر عورتیں استانیوں کا کام کرنے سے نفرت کیوں کرتی ہیں؟ ہمیں پوری کوشش کرنی چاہئے۔ کہ اس پیشے سے بدنامی کا داغ دور کر کے اس کے متعلق رائے عامہ کو تبدیل کر دیں۔

تعلیم نسواں کے راستے میں زبان کی مشکلات افلاس۔ جہالت۔ بے پروائی۔ مخالف رائے عامہ۔ معاشری رسم و رواج اور سیاسیات تک مزاحم ہیں۔ اس مسئلے پر جس قدر بھی غور کیا جائے۔ اتنی ہی دشواریاں زیادہ نظر آتی ہیں۔ لیکن عورتیں اپنے صبر اور اپنی مستقل مزاجی کے لئے تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ اور اگر ہم نے حوصلے سے کام لیا۔ اور ترقی حاصل کرنے پر تُلی رہیں۔ تو مجھے یقین ہے۔ کہ بہت جلد اپنی موجودہ مشکلات پر غالب آ کر ہم منزل مقصود تک جا پہنچیں گے۔ دوسرے ممالک نے اس مسئلے میں پیش قدمی کی۔ اور ان سے کئی معاملات میں

غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ اگر ہندوستان عقلمند
ہے۔ تو وہ ان کی غلطیوں سے سبق حاصل کرے گا
ان ممالک کو بہت دیر کے بعد اس بات کا احساس
ہوا۔ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم مختلف ہونی
چاہئے۔ یہ درست سہی۔ کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو
ایک ہی دنیا میں عمر بسر کرنا اور اسے آپس میں تقسیم
کر لینا ہے۔ لیکن بہت سے ممالک میں ان کے فرائض
اور ان کا دائرہ عمل جدا جدا ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تعلیم نسواں لڑکوں کی
تعلیم کی غلامانہ تقلید کر رہی ہے۔ یہ کسی طرح درست
نہیں۔ کہ ایک خاص امتحان میں کامیابی حاصل
کر لینے کا خیال مدنظر رکھ کر لڑکیوں کا نصاب تعلیم
مقرر کر لیا جائے۔ اس طرح وہ کئی ایسے مضامین
کے مطالعہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔ جن سے واقف
ہونا ان کے لئے بہت ضروری ہے۔ ہمیں پوری کوشش
کرنی چاہئے۔ کہ لڑکیوں کی قابلیت کا ایک جدا
معیار قرار دیں۔ اور عوام کے نیز لڑکیوں کے دل
میں یہ خواہش پیدا کریں۔ کہ وہ سب یا ان میں
سے ایک کثیر تعداد جداطرز کی تعلیم و تربیت حاصل
کرے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ کہ انہیں ایسے
مضامین کے متعلق قابل عمل معلومات بخشیں۔ جن
سے وہ خانہ داری میں امداد حاصل کر سکیں۔ انہیں
صحت و تندرستی کے قوانین سے واقف کریں۔ کہ
وہ بحیثیت بیویوں اور ماؤں کے اپنے فرائض بطریق
احسن سرانجام دے سکیں۔ اور اس کے علاوہ ان
مضامین سے واقف ہوں۔ جو ان کی دلچسپیوں
میں اضافہ کریں۔ اور ان کے خیالات کو وسیع کریں

اس لئے میں آج آپ سب خواتین سے باصرار
کہنا چاہتی ہوں۔ کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے
پوری کوشش اور ترغیب سے کام لیں۔ مجھے امید ہے
کہ یہ کانفرنس علمی کوششوں کی طرف سے غفلت اختیار
نہ کرے گی۔ اگر ان سالانہ کانفرنسوں میں ہر سال
بہت غور و خوض کے بعد تعلیم نسواں کے اشد ضروری
کام کے متعلق چند قابل عمل تجاویز طے ہو جایا کریں
تو یہ نہ صرف کانفرنس کے شایان شان ہوگا بلکہ
معترضوں کی نظروں میں بھی کانفرنس کی اہمیت و
ضرورت ثابت کر دے گا۔ میری رائے میں اس
وقت متوقع ہے۔ کہ یہ کانفرنس تعلیم نسواں کے
موضوع پر غیر سرکاری رائے کی حقیقی ترجمان بننے
کی کوشش کرے۔ نہایت مناسب ہوگا۔ اگر یہ آل انڈیا
کانفرنس گورنمنٹ اور ملک دونوں کی نظروں
میں ایک ایسی مرکزی اور مستند جماعت بن جائے
جس کی طرف وہ لڑکیوں اور عورتوں کے تعلیمی مسائل
کی ہر ضرورت کے وقت رجوع کیا کریں۔ اس
مقصد کے لئے جو امداد دینا میرے اختیار میں
ہوگا۔ میں اس سے ہرگز دریغ نہ کروں گی۔

لیڈی اردن کی تقریر کے بعد مسز نائیڈو نے
ان کا دلی شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ کہ آج کے دن

عورتوں کے باہمی تعلقات و اخوت نے مشرق و مغرب
کو ملا دیا ہے۔ ہندوستان اگرچہ لکشمی، سرسوتی اور پاروتی
کا گھر ہے۔ لیکن اس کے نصب العین صرف ہندوانی
نہیں۔ بلکہ ان تمام قوموں کے نصب العین بھی ہیں۔
جو اس سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس کے بعد ہر اکسیلنسی لیڈی ارون دوسری
خواتین کے ہمراہ میونسپل ہال میں تشریف لے گئیں۔ جو
لیڈیز کانفرنس کے اعزاز میں نہایت نفاست سے
سجایا گیا تھا۔ وہاں ان کا پُرجوش استقبال ہوا۔
چائے وغیرہ سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ اور مہمانوں
کو خوش آمدید کہا گیا۔ مہمانوں کی طرف سے مسز نائیڈو
نے جواب دیا۔ اور کہا مجھے امید ہے۔ کہ دہلی کا شہر
صرف قانونی مجالس ہی کا مرکز نہ رہے گا۔ بلکہ ہندوستان
کی حیات تازہ کا مرکز بھی بن جائے گا۔ مجھے امید
ہے۔ کہ آیندہ انتخابات میں شہر کے بزرگ مردوں
کے دوش بدوش شہر کی بزرگ خواتین بھی میونسپلٹی
میں نظر آئیں گی۔

اگلے دن صبح کو نو بجے علیا حضرت بیگم صاحبہ
بھوپال دام اقبالہا کی صدارت میں کانفرنس کا
اجلاس شروع ہوا۔ حاضرین نے نہایت جوش و
خروش سے بیگم صاحبہ کا استقبال کیا۔ جس کے
بعد بیگم صاحبہ نے اپنا خطبۂ صدارت پڑھا۔

خطبۂ صدارت

علیا حضرت بیگم صاحبہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا:
"مجھے افسوس ہے۔ کہ میں آپ کی کانفرنس کے
گزشتہ اجلاس میں جو پونا میں منعقد ہوا تھا۔ شریک
نہ ہو سکی تھی۔ کانفرنس کے انعقاد کے لئے پونا کے
شہر کا انتخاب نہایت ہی موزوں اور برمحل تھا کیونکہ
اس ملک میں بمبئی اور مہاراشٹر کی خواتین کو یہ فخر
حاصل ہے۔ کہ وہ تحریکات تعلیم نسواں کی اولین
علمبرداروں میں سے ہیں۔ نیز پونا کو یہ فخر بھی حاصل
ہے۔ کہ اس نے خواتین کے لئے ہندوستان میں
سب سے پہلی یونیورسٹی قایم کی تھی۔ اور یہ ایک
ایسی عزت ہے۔ جو ہندوستان کے کسی دوسرے
شہر کو حاصل نہیں۔ اس سال ہندوستان کا
دارالخلافہ دہلی اس کانفرنس کی میزبانی کا حق ادا
کر رہا ہے۔ ابتدائی زمانۂ تاریخ سے لے کر آج تک
دہلی مختلف قومی تحریکات کا مرکز بنی رہی ہے۔ اور
یہاں اکثر ایسے واقعات رونما ہوتے رہے ہیں
جنہوں نے گزشتہ چار برس میں ہندوستان کے
مقسوم کا فیصلہ کیا ہے۔ آخری مگر بہت اہم خصوصیت
اس شہر کی یہ ہے۔ کہ یہ ان خواتین کا وطن ہے جن
کے دل و دماغ کے اوصاف آج تک اپنی نظیر پیدا
نہیں کر سکے۔
میں باشندگان دہلی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور
امید کرتی ہوں۔ کہ کانفرنس کے مقاصد کی تکمیل میں

ان کی امداد بہت نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔ اور ان کے استقلال میں بھی فرق نہ آنے پائے گا۔

خواتین۔ آپ کی کانفرنس ابھی عالم طفولیت میں ہے۔ اسے وجود میں آئے دو سال بھی نہیں ہونے پائے۔ لہٰذا اس کی خدمات کا جائزہ لینا اور اس سے کسی نمایاں نتیجے کی توقع کرنا ابھی قبل از وقت ہے۔ لیکن محض ایسی تعلیم یافتہ اور روشن خیال خواتین کا جو مختلف مذاہب و خیالات کی نمایندہ ہیں۔ ایک مقام پر جمع ہی ہو جانا ایک ایسی بے نظیر بات ہے۔ جو مردوں کی مجالس میں بھی نظر نہیں آتی۔ ہندوستان کی آیندہ تعلیمی اور معاشرتی ترقی کا اس سے زیادہ امید افزا نشان اَور کیا ہوسکتا ہے۔ کہ ملک کے مختلف حصوں سے بلا امتیاز مذہب و ملت خواتین یہاں تشریف لائی ہیں۔ کہ تعلیمی مسائل پر بحث کر کے ترقی کے مناسب ذرائع کا فیصلہ کریں۔

یہ امر نہایت اطمینان بخش ہے۔ کہ ایک بلند مقصد نے ان تمام اختلافات کو مٹا ڈالا ہے۔ جو جہالت اور تنگ خیالی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور جو بدقسمتی سے ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں موجود نااتفاقی اور کشمکش کے بڑے اسباب بنے ہوئے ہیں۔ اگر یہ کانفرنس اپنے مقاصد کی تکمیل میں ناکام بھی رہے۔ تو صرف اس اخوت کا حصول ہی جو آج کے مجمع میں خصوصیت سے نمایاں ہے۔ ایک انمول چیز ثابت ہوگی۔ لیکن نہیں۔ میں مایوس ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتی۔ بلاشبہ اس کانفرنس سے نہایت مفید نتائج نکلیں گے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری ناتواں کوششوں سے ہماری صنف اور ہمارے ملک کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ دوسروں کی بہتری کے لئے جو کام بھی خلوص نیت سے کیا جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

ہماری اس کانفرنس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ تعلیم نسواں کے موجودہ طریقوں میں اصلاح کی جائے۔ اور نظام تعلیم میں جو خامیاں اور خرابیاں ہیں۔ ان کو دُور کیا جائے۔ موجودہ ناتسلی بخش حالت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ اب تک تعلیم نسواں کے متعلق جو کام ہوا۔ وہ مردوں نے کیا ہے۔ اور اگرچہ ان کی اس خدمت کے لئے ہمیں ان کا شکرگزار ہونا چاہئے۔ لیکن اس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کہ نہ وہ ہماری ضروریات کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہمارے نقطۂ نظر سے ان پر غور کر سکتے ہیں۔ ہمارے مسائل کو ہمارے منشاء کے مطابق سلجھانا ان کے بس سے باہر ہے۔ جو کام انہوں نے کیا۔ وہ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے۔ لیکن اب اقتضائے وقت یہ ہے۔ کہ جو خاص تعلیمی مشکلات خواتین ہند کو درپیش ہیں۔ ان کو وہ خود سلجھانے کی کوشش

کریں۔ ہم اس کام کو نہایت خاطر خواہ طریقے سے خود انجام دے سکتے ہیں۔ ہاں اگر کبھی کوئی ایسی صورت حالات پیدا ہو جائے۔ جہاں ہماری ضروریات مردوں کی امداد کی محتاج ہوں۔ تو ہمیں اپنی تجاویز ان کے سامنے پیش کرنے میں ذرا تامل نہ ہونا چاہئے +

مختلف مقامی حالات کے باعث ہمارے ہاں کے لڑکوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی اب تک اُلجھا ہوا ہے۔ اور نامور ماہرین تعلیم اسے سلجھانے کے لئے اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں + لڑکیوں کا تعلیم کا مسئلہ اس کی نسبت بہت زیادہ پیچیدہ ہے + ایک طرف تو ہندوستانیوں کا افلاس اور ان کی تنگ خیالی ہر خاطر خواہ فیصلے کے راستے میں مزاحم ہیں۔ اور دوسری طرف قدیم رواجات جو مذہب کا رنگ اختیار کر چکے ہیں۔ تعلیمی ترقی کی رفتار کو روک رہے ہیں + ان وجوہ کے باعث تعلیم نسواں کا سوال ہمارے ملکی مسائل میں سب سے زیادہ اہم اور دشوار ہو گیا ہے + اس کو صحیح طور پر صرف آپ حل کر سکتی ہیں + اس وقت ہمیں دو قسم کی مشکلات درپیش ہیں۔ ایک تو وہ جن کا تعلق خود تعلیم اور اس کے متعلقہ لوازم و اسباب سے ہے۔ اور دوسرے وہ جو بیرونی اثرات اور خارجی حالات کا نتیجہ ہیں + ہم اس وقت تک منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے + جب تک ہم ان دونوں مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش

نہ کریں۔ اور ہم یہاں اس غرض سے جمع ہوئی ہیں۔ کہ ان امور پر غور کرنے کے بعد باہمی مشورے اور تبادلۂ خیالات سے حصول مقصد کا کوئی راستہ نکالیں + ان مسائل پر مفصل بحث و گفتگو کے لئے تو آپ کو کانفرنس کی آیندہ کارروائی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ لیکن میں نہایت مختصر طور سے تعلیم نسواں کے مختلف پہلوؤں پر اجمالی نظر ڈالتی ہوں۔ تاکہ ان کے باہمی تعلق اور ان کی نسبتی اہمیت کے متعلق میرا ذاتی خیال آپ کو معلوم ہو جائے + میں پہلے ان مشکلات کا ذکر کروں گی۔ جن کا تعلق خارجی حالات سے ہے۔ اور یہی نسبتاً زیادہ اہمیت رکھتی ہیں +

تعلیم نسواں کے راستے میں جو مشکلات حائل ہیں۔ ان میں سے ایک ہمارے ملک کا افلاس ہے + افلاس کے مُضر اثرات سے ہمارے لڑکوں کی تعلیم بھی پاک نہیں ہے۔ اور تعلیم کے لئے جو سہولتیں دوسرے ممالک کو میسر ہیں۔ ان کا یہاں نشان بھی نہیں ہے + ظاہر ہے۔ کہ جس ملک میں فی کس ماہانہ آمدنی کا اوسط ڈھائی روپیہ ہو۔ وہاں کے عوام سے توسیع تعلیم کی بھلا کیا اُمید ہو سکتی ہے؟ یہ آمدنی تو اتنی قلیل ہے۔ کہ اس عالمگیر گرانی کے زمانے میں اس میں ایک آدمی دونوں وقت سیر ہو کر کھانا بھی نہیں کھا سکتا۔ چہ جائیکہ وہ تمدنی اور تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکے + بہر حال لڑکوں کی تعلیم کا تو پھر بھی کچھ نہ کچھ انتظام

ہوگیا ہے۔ لیکن لڑکیوں کی تعلیم کا تو یہ حال ہے
کہ ابھی ہمارے اہل وطن نے اسے پورے طور
پر محسوس بھی نہیں کیا۔ ان کے اس عدم احساس
اور بعض اوقات ان کی عملی مخالفت نے حکومت
کو بھی تعلیم نسواں کے مسئلہ میں مناسب دلچسپی
لینے سے باز رکھا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ لڑکوں
کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعلیم بہت کم ہے۔ اور
تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد تعلیم یافتہ مردوں سے
فی صدی پانچ کی نسبت بھی نہیں رکھتی۔

+ افلاس کا علاج زیادہ تر مردوں کے ہاتھ
میں ہے۔ لیکن اس سلسلے میں بعض ذمہ داریاں
عورتوں پر بھی عائد ہوتی ہیں۔ معاشرت میں تقسیم کار
اس طرح ہے۔ کہ مرد کماتا ہے۔ اور عورت اٹھاتی
ہے۔ قوم کو افلاس سے بچانے کے لئے جہاں ایک
طرف وسائل آمدنی بڑھانے کی ضرورت ہے۔
وہاں دوسری جانب بے جا مصارف کم کرنے کی
بھی حاجت ہے۔ اگر عورتیں گھر چلانا جانتی ہیں
تو وہ اپنی آمدنی اور خرچ کا تعلق ٹھیک رکھیں
گی۔ اور ضروری و غیر ضروری مصارف میں امتیاز
کرسکیں گی۔ اگر وہ کوئی ایسا ہنر جانتی ہوں۔
جس سے وہ اپنی آمدنی بڑھا سکیں۔ اگر وہ قومی
ضروریات کے احساس سے متاثر ہوکر اپنی تفریحوں
اور عشرتوں کو کسی قدر ترک کردیں۔ تو بلاشبہ ملک
کے عام افلاس میں بہت کچھ کمی ہوسکتی ہے۔ لیکن
یہ باتیں خود مناسب تعلیم و تربیت پر منحصر ہیں۔
دراصل ہمارے لئے کلی نظام تعلیم کی از سر نو بنیاد رکھنے
کی بے حد ضرورت ہے۔

ہماری لڑکیوں کی تعلیم میں ایک اور بڑی
روک کم سنی کی شادی ہے۔ یہ بری رسم ملک
کے تقریباً ہر حصے اور ہر فرقے میں کم و بیش موجود ہے
اس کی وجہ سے لڑکیوں کی جسمانی۔ روحانی اور
اخلاقی نشو و نما کا بہترین زمانہ برباد ہوجاتا ہے۔ اور
اس کے علاوہ وہ طرح طرح کی بیماریوں اور جسمانی
تکالیف میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ امراض و اموات
کی کثرت۔ اوسط عمر کا انحطاط۔ بچوں کی جسمانی کمزوری
اور ذہنی زوال جو آج کل اس قدر نمایاں ہے۔ یہ
سب چیزیں اس مذموم رسم کا نتیجہ ہیں۔ باوجود اس
کے میرا پختہ خیال ہے۔ کہ پرانی رسوم کے مقاصد
بلند اور ضروریات پر مبنی ہوتے تھے۔ چنانچہ ہمیں
ان کے اس پہلو پر بھی نظر رکھنی چاہئے۔ تاکہ ہم اپنے
آباؤ اجداد کے خلاف کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں۔
اور خوب غور کے بعد ان کی بھلائیوں اور برائیوں
کے متعلق صحیح رائے قائم کرسکیں۔ ہمارا ملک اپنی
آب و ہوا کی خصوصیات کے باعث یورپ اور
امریکہ کے ممالک سے بہت مختلف ہے۔ اور ہماری
طرز معاشرت بھی ان سے جدا ہے۔ سرد ملکوں
میں جوان اور بالغ ہونے کی عمر تقریباً وہ ہوتی
ہے۔ جسے ہمارے ملک میں ادھیڑ عمر کہا جاتا ہے۔

غالباً یہ اور اسی قسم کے اور اسباب یہاں اس
رسم کے موجب ہوئے ہوں گے۔ لیکن یہ بتدریج
بڑھتی بڑھتی اس حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ اس
نے ہماری لاکھوں بہنوں کو مصیبت میں مبتلا
کر رکھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ
اس میں جو افراط پیدا ہو گئی ہے۔ اسے کم کر کے
اعتدال پر لایا جائے۔ کیونکہ بہترین کام وہی
ہے۔ جو اعتدال کے ساتھ ہو۔ اب لوگ خود بھی
اس رسم کے مضر اثرات کو سمجھنے لگے ہیں۔ اور
میرا خیال ہے۔ کہ گورنمنٹ کے لئے مناسب ہوگا کہ
وہ اس کے سدباب کے لئے کوئی ایسا مناسب
طریقہ اختیار کرے۔ جس سے ہم سب مطمئن ہو سکیں۔
گزشتہ سال آپ نے اس مسئلے پر بحث کی تھی اور
اس کے متعلق رزولیوشن پاس کئے تھے۔ لیکن
ہمیں اتنے ہی پر خاموش نہ ہو رہنا چاہئے۔ جب
تک ہمارے مطالبات پورے نہ ہو جائیں ہمیں
ان پر مصر رہنا چاہئے۔ ملک کے ہر حصے کو اس کے
خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے مکمل اصلاح
کے لئے رائے عامہ کو اپنا ہم خیال بنانا چاہئے۔

دوسری غور طلب رسم پردے کی ہے۔ جس
طرح کم سنی کی شادی کا رواج زیادہ تر ہندوؤں
میں ہے۔ اسی طرح پردے کی رسم زیادہ تر مسلمانوں
میں پائی جاتی ہے۔ اس امر سے انکار نہیں کیا
جا سکتا۔ کہ جس قسم کا شدید پردہ آج کل مسلمانوں
میں رائج ہے۔ وہ مذہب کے احکام پر مبنی نہیں
یہ محض ملک کے مخصوص حالات کا نتیجہ ہے۔ اور
اس صورت میں کسی دوسرے اسلامی ملک میں
نہیں پایا جاتا۔

ہندوستان میں شاید پردہ کا یہ مقصد مدنظر
رکھا گیا ہے۔ کہ مردوں اور عورتوں کا نامناسب
میل جول روکا جائے۔ پردہ سے مراد یہ تھی۔ کہ
عورتیں اپنی زیب و زینت کا اظہار نہ کریں۔
چنانچہ اسی خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے پردہ
دوسرے ممالک میں رائج ہوا۔ بعض ممالک
میں اب تک پردہ رائج ہے۔ لیکن کہیں اس
کی یہ شدت نہیں۔ جو ہندوستان میں ہے۔
اگر ضروریات زمانہ کا لحاظ رکھ کر پردہ کے رواج
میں از سر نو مناسب ترمیم کی جائے۔ تو اس
سے تعلیم نسواں پر جو مضر اثر پڑ رہا ہے۔ وہ دور
ہو جائے۔ اور ساتھ ہی وہ صورت حالات بھی
نہ رہے۔ جس کے متعلق مغرب میں بہت تشویش
کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی
تامل نہیں۔ کہ جس طرح کا پردہ ہندوستان کے
مسلمانوں میں رائج ہے۔ یہ صحیح طور پر اسلامی
نہیں۔ اور ہماری لڑکیوں کی تعلیم کو بہت نقصان
پہنچا رہا ہے۔ نیز ان کی جسمانی اور ذہنی تربیت
میں بھی حارج ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے۔ کہ اٹھا

مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ کر لیں
کہ کیا وہ محض ایک رسم کے لئے اپنی قوم کے
نصف حصہ کو معطل اور مفلوج رکھنا گوارا کرتے
اور تنگ خیالی کی قربانگاہ پر اپنی آیندہ نسلوں
کے مستقبل کو بھینٹ چڑھانا جائز سمجھتے ہیں؟

میری رائے میں تعلیم نسواں کی اشاعت میں
سب سے بڑے خارجی موانع یہی ہیں۔ جن کا میں
نے مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ ہمارے
ملک میں معاشرتی اصلاحات تو اور بھی بہت سی
قابل توجہ ہیں۔ لیکن چونکہ وہ سب خرابیاں بالعموم
جہالت اور کمی تعلیم کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں۔ اور خود
براہ راست اشاعت تعلیم میں مانع نہیں۔ اس
لئے میں یہاں ان کی بحث چھیڑنا نہیں چاہتی۔
کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اگر ہم تعلیم کا صحیح انتظام کرنے
میں کامیاب ہو گئے۔ تو وہ خود بخود رفتہ رفتہ دور ہو جائینگی
اور جن ضروری اصلاحات کے لئے آج کوشش ہو رہی
ہے۔ اور جن حقوق کا بہت زیادہ مطالبہ کیا جا رہا ہے
وہ سب ہم کو از خود مل جائیں گے۔ اگر قابلیت و
استعداد ہو۔ تو دنیا کی کوئی طاقت کسی کو اُس کے
جائز حقوق اور واجبی مطالبات سے محروم نہیں
رکھ سکتی۔

اب میں اس بحث کے ایک حصے کو لیتی ہوں
جس کا تعلق براہ راست مسئلہ تعلیم سے ہے۔ میرے
خیال میں تعلیم نسواں کے متعلق سب سے پہلا اور
سب سے مقدم سوال نصاب کا ہے۔ یہ سوال ایک
عرصہ سے اکابر ملک کے سامنے ہے۔ لیکن افسوس
ہے۔ کہ اس کا کوئی قطعی تصفیہ نہیں ہوا۔ اور ہم ابھی
تک یہی طے نہیں کر چکے۔ کہ ہم کو کیا پڑھنا اور کیا
نہیں پڑھنا چاہئے۔ اس امر پر اختلاف خیال ہو
رہا ہے۔ کہ لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں کے اصول تعلیم
کے مطابق ہونا چاہئے۔ یا لڑکوں اور لڑکیوں کے
نظام تعلیم جدا جدا ہونے مناسب ہیں۔ بعض لوگ
دونوں کے لئے ایک سا نصاب پسند کرتے ہیں۔
اور بعض دونوں کے نصاب کو ایک دوسرے سے
قطعی مختلف رکھنا چاہتے ہیں۔ اول الذکر حضرات
چاہتے ہیں۔ کہ لڑکیوں اور لڑکوں کے مدارس بھی
مشترک ہوں۔ ذاتی طور پر میرا یہ خیال ہے۔ کہ
دونوں کی رائے حد اعتدال سے متجاوز ہے۔ لہذا
ان سے اجتناب مناسب ہے۔ میں تعلیم نسواں
کے متعلق ایک درمیانہ راستہ واضح کئے دیتی ہوں
میں واضعین نصاب کے فرائض میں دست
اندازی کرنا نہیں چاہتی۔ بلکہ صرف اس امر
پر زور دینا چاہتی ہوں۔ کہ انتخاب مضامین میں
عورتوں کی ضروریات و خواہشات اور ذہنی خصوصیات
کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔ اس کے ساتھ یہ خیال
بھی رکھا جائے۔ کہ عام طور پر ہمارے ملک کی
لڑکیاں اپنی تعلیم کے لئے غیر محدود وقت نہیں دے
سکتیں۔ اس لئے ان کا نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہئے

کہ ایک معینہ مدت میں تمام ضروری معلومات انہیں دی جا سکیں ۔ اگر ان میں سے کوئی ایسی ہوں۔ جنہیں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے وسائل حاصل ہوں۔ یا کسی خاص شعبہ کے مدارج اعلیٰ تک پہنچنا چاہتی ہوں۔ تو ان کی اس آرزو کی تکمیل میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ لیکن عام طور پر لڑکیوں کی تعلیم اس ڈھنگ سے ہونی چاہئے۔ جو میں نے اوپر بیان کیا ہے حصول معاش کی نیت سے علم نوکری کے واسطے بھی قابل تعریف نہیں ہو سکتا۔ اور بالخصوص لڑکیوں کی تعلیم کی غایت غرض یہ ہرگز بھی نہیں ہونی چاہئے۔ میرے نزدیک ان کا فریضۂ زندگی یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ وہ کشاکش ہستی کے میدان میں مردوں کی مدمقابل ہو کر ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ بلکہ میرے خیال میں ان کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے۔ جس کے ذریعے وہ کشمکش حیات میں مرد کو امداد دیں۔ اس کے مصائب میں اس کو تسلی بخشیں۔ اور ایک خوش حال گھرانے کی بنیاد رکھ سکیں ۔

افسوس ہے۔ کہ ہمارے ملک کے مردانہ نصاب میں فنون لطیفہ کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ لیکن لڑکیوں کے نصاب میں ان کو شامل نہ کرنا انہیں ایک ایسی تعلیمی ترقی سے محروم کرنا ہو گا۔ جو ذہنی تربیت سے بھی زیادہ اہم ہے ۔

اس کے ساتھ ان کی جسمانی تربیت کا بھی کافی انتظام ہونا چاہئے۔ کیونکہ یقیناً کوئی ایسا نظام تعلیم مکمل اور صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ جو دماغی نشو و نما کا تو مدعی ہو۔ لیکن روحانی ترقی و جسمانی تربیت کو نظر انداز کر دے ۔ انسانی دماغ بہت سی قوتوں کا ایک گورکھ دھندا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا مناسب خیال رکھنا بہت ضروری ہے ۔

ترتیب نصاب کے سوال کا بہت قریبی تعلق طریقۂ امتحان سے بھی ہے۔ مروجہ امتحانات سے طلباء کے دماغ پر بہت شدید اثر پڑتا ہے۔ اور بعض اوقات اپنے مضر اثرات ان کی صحت پر عمر بھر کے لئے چھوڑ جاتا ہے ۔ طریقۂ امتحان میں اصلاح کی ضرورت بالعموم تسلیم کی جا چکی ہے۔ اگر قابلیت کا اندازہ کرنے کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کر لیا جائے۔ اور شدید محنت کا بار لڑکیوں پر سے اٹھ جائے۔ تو ان کے لئے بہت بہتر ہو گا ۔

میری رائے میں جب تک ہمارے ملک میں زنانہ یونیورسٹیاں قائم نہ ہوں۔ تب تک ہماری قومی یونیورسٹیاں ان مسائل کو اپنے ہاتھ میں لیکر ہماری رہبری کریں۔ تو ہماری بہت سی مشکلات حل ہو سکتی ہیں ۔

ہماری دوسری شدید ضرورت لائق معلمات کی فراہمی ہے۔ جب مردوں ہی میں اچھے استاد کمیاب ہیں۔ تو عورتوں میں ان کی قلت کسی طرح حیرت انگیز نہیں کہی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ فن تعلیم

جس قدر اہم اور قابل قدر ہے۔ اسی قدر اس میں مالی منافع کم ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ملک کے بہترین دماغ اس شریف‌ترین پیشہ کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ اور بیشتر وہی لوگ اس طرف توجہ کرتے ہیں۔ جن کو حالات و واقعات اس پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور جن پر ترقی کے اور تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ ابتدائی درجوں کے معلمین خصوصیت سے بہت ناقابل ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے سپرد آنے والی نسلوں کے علم و اخلاق کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنا ہوتا ہے۔ اور جن کی غلطی کی تلافی بعد میں کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اچھی تعلیم کے لئے شروع سے اچھے استادوں کا ہونا لازمی ہے۔ اس لئے جو لوگ اپنے بچوں کی تعلیم کا معیار بلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ بھی فرض ہے۔ کہ وہ معلموں کی حالت کو درست کرنے کی کوشش کریں۔

توسیع تعلیم نسواں کے لئے بہت سی لائق استانیوں کی ضرورت ہے۔ اس لئے میں اپنی عالی خیال بہنوں سے استدعا کروں گی۔ کہ وہ اپنے ملک کی خستہ حالی کو محسوس کر کے اپنی بچیوں کی تعلیم کے انتظام میں حسب استطاعت اعانت کریں۔ وہ بڑی آسانی سے اپنے خالی وقت کا کچھ حصہ اپنے محلے کی بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے وقف کر سکتی ہیں۔ اس طرح استانیوں کے متعلق دقت رفع ہو سکتی ہے۔ یہ ضرورت عارضی اور چند روزہ ہے۔ جب ملک میں تعلیم عام ہو جائے گی۔ تو پھر استانیوں کی اتنی قلت نہیں رہے گی۔ اور بڑی آسانی سے حاصل ہو جایا کریں گی۔

ہمیں کبھی یہ خیال نہ کرنا چاہئے۔ کہ ہم میں کسی قسم کی کمی ہے۔ یا یہ کہ ہم کوئی کام انجام نہیں دے سکتے ہیں۔ بےبنیاد خیالات نے اپنی تمام لعنتیں آپ سب بہنوں پر عام کر رکھی ہیں۔ ان سے فائدہ نہ اٹھانا خود ہمارا قصور ہے۔ ہماری جنس کے کمزور ہاتھوں نے بھی دنیا میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ اور تاریخ کے صفحے ہندو اور مسلمان خواتین کے کارناموں سے پُر ہیں۔ آج بھی ہم میں ایسی خواتین موجود ہیں۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کی ہمسری کر سکتی ہیں۔ اگر ہماری بہت بڑی تعداد جہالت میں پڑی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انہیں مناسب تربیت نہیں ملی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نقص ہماری عقل اور قابلیت میں نہیں۔ اب بھی اگر موقعے دئے جائیں۔ تو ہماری لڑکیاں اسی طرح نامور ہو سکتی ہیں۔ جس طرح تاریخ کے صفحات پر گئے گزرے دنوں میں ان کی بزرگ درخشندہ نظر آتی ہیں۔

خواتین اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے میں صرف ایک بات پر اور آپ کو متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔ محض زبانی باتوں سے کبھی کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوئی۔ حصول مدعا کے لئے عملی سعی و کوشش شرط ہے۔ ہندوستان میں اکثر جلسوں اور انجمنوں کی

کارگزاری نفعًا طرح طرح کی اعلیٰ امیدوں پر منتج ہوتی ہے۔ ان میں بہت دلچسپ بحثیں ہوتی ہیں۔ بہت عمدہ رزولیوشن پاس کئے جاتے ہیں۔ اور بس ان کے ساتھ سب کچھ تمام ہو جاتا ہے۔ یہی ایک بڑی وجہ ہے۔ کہ گزشتہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود مسئلہ تعلیم نسواں ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔

میں یہ تسلیم کرتی ہوں۔ کہ عملی کام کرنے سے پہلے خیالات کا معین اور منضبط کرنا نہایت ضروری ہے اور جب تک باہمی بحث و گفتگو سے کسی معاملہ کی بابت صحیح رائے قایم نہ کی جائے۔ تب تک اس میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل کرنی مشکل ہوتی ہے۔ اس لئے اس قسم کی مجالس کی کارروائی بھی بجائے خود مفید اور ضروری ہوتی ہے۔ لیکن جب ایک مرتبہ کوئی فیصلہ ہو جائے۔ تو اس پر عمل ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ آؤ ہم اس بات کا عزم مصمم کر لیں۔ کہ آج ہم جو کچھ کہ رہے ہیں۔ اس پر عمل بھی کرنے کی کوشش کریں گے۔ میری رائے میں تمام کامیابیوں کا راز یہی ہے ؎

مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے۔ کہ ملک کے مختلف صوبوں میں جلسے ہوئے ہیں۔ اور جو رزولیوشن اس کانفرنس نے گزشتہ سال پاس کئے تھے۔ ہر جگہ بڑی سرگرمی سے ان کی تائید کی گئی ہے۔ اس سے مجھے امید ہوئی ہے۔ کہ ترویج تعلیم نسواں کی تحریک میں یہ کانفرنس نیا جوش پیدا کر دے گی۔ اور ملکی مفاد کے لئے اتفاق و اتحاد کا ایک نمونہ بنے گی۔ جس پر تمام کامیابی کا انحصار ہے ؎

آخر میں خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرتی ہوں۔ کہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے حصول میں اس کی رحمت ہماری مساعی کے ساتھ ہو ؎

رزولیوشن

خواتین ہند کی کانفرنس کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی میں ۸ و ۱۰ فروری ۱۹۲۸ء کو مندرجۂ ذیل اہم رزولیوشن پاس ہوئے :۔

۱۔ "اس کانفرنس کی رائے ہے۔ کہ تعلیم کے ہر مرحلہ پر طلباء کے دل میں بنی نوع انسان کی خدمت کے جذبات پیدا کرنے چاہئیں"؎

یہ رزولیوشن مسز مانک لال پریم چند نے پیش کیا۔ اور شریمتی اکھیبال اور مسز منیر الزمان کی تائید و تائید مزید کے بعد پاس ہوا؎

۲۔" لڑکوں اور لڑکیوں کے تمام اسکولوں میں جسمانی تربیت کا ایک مکمل نصاب لازمی قرار دیا جائے۔ اس میں ایسے تفریحی کھیل حتی الامکان زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل ہوں۔ جو گھروں سے باہر کھیلے جاتے ہیں۔ مزید براں جدید دلآویز جسمانی تربیت اور گرل گائڈ تحریک کو ہندوستانی حالات کے

مطابق بنا کر جاری کیا جائے"۔

مس لزارس نے یہ رزولیوشن پیش کرتے ہوئے ایک پُر زور تقریر کی۔ مس ابراہیم نے اس کی تائید اور مس آرن شالٹ نے تائید مزید کی۔

۳۔ "تمام اسکولوں اور کالجوں میں باقاعدہ طبّی معائنہ لازمی قرار دیا جائے۔ لڑکیوں کی درسگاہوں میں یہ کام لیڈی ڈاکٹروں کے سپرد کیا جائے جن اسکولوں میں ایسا انتظام ہو سکتا ہو۔ وہاں خوراک کی کمی یا اچھی خوراک نہ ملنے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے علاج کا بندوبست کیا جائے۔ اور ان کے متعلق تمام طبی امداد طالب علموں کے سامنے اور انہیں سمجھا سمجھا کر دی جائے"۔

یہ رزولیوشن ڈاکٹر پینیل نے پیش کیا۔ اور مسز ہیرام جی۔ مسز شکل۔ مسز ٹامس۔ مسز کیبے اور مسز ابرو نے بھی اس کی تائید میں تقریریں کیں۔

۴۔ "یہ کانفرنس ان اثرات پر بے حد متاسف ہے۔ جو صغر سنی کی شادی سے بچوں کی تعلیم پر پڑتے ہیں۔ اور اس رواج کی بڑے زور سے مذمت کرتی ہے۔ جس کے باعث نابالغ بچے والدین بن جاتے ہیں۔ یہ کانفرنس مرکزی حکومت اور صوبجاتی کونسلوں سے اس مثال کی پیروی کرنے کی درخواست کرتی ہے۔ جو ریاستہائے بڑودہ۔ میسور۔ راجکوٹ۔ کشمیر۔ اندور۔ منڈی اور بوندی نے قانون کی رو سے شادی کی عمر بڑھا کر قایم کی ہے۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے۔ کہ شادی کی عمر قانون کی رو سے لڑکوں کے لئے ۱۸ سال اور لڑکیوں کے لئے ۱۶ سال معین کی جائے۔ رائے بہادر ہربلاس ساردا صغر سنی کی شادی کی ممانعت کے متعلق قانون بنوانے کی جو کوشش کر رہے ہیں۔ اسے یہ کانفرنس پسندیدہ خیال کرتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے شادی کی عمر لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علی الترتیب ۱۵ اور ۱۲ سال تجویز کی ہے۔ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اور رائے صاحب موصوف اور منتخب کمیٹی سے درخواست کرتی ہے۔ کہ مذکورہ بل میں اس رزولیوشن کے مطابق ترمیم کی جائے"۔

۵۔ "یہ کانفرنس اپنے گزشتہ سال کے مطالبہ کا اعادہ کرتی ہے۔ کہ شادی کی عمر ۱۶ سال معین کی جائے۔ اور اس سلسلے میں سر ہری سنگھ گوڑ کے بل کو ابتدائی مرحلہ سمجھ کر اس کی تائید کرتی ہے"۔

یہ رزولیوشن پیش کرتے ہوئے رانی صاحبہ منڈی نے ایک فصیح تقریر کی۔ مسز راجوی بائی۔ مسز فیروز الدین۔ شریمتی جمنا دیوی شاستری۔ مسز بیدی۔ بیگم بجرنگ (بھوپال) شریمتی کملا دیوی

(۱۸ فروری) مسز بھاسکر انا (میسور) شریمتی سرسوتی
دیوی (لکھنؤ) اور مسز شکل نے ان کی تائید میں
تقریریں کیں۔ مقرروں نے بچپن کی شادی کے مضر
اثرات گِن گِن کر بتائے۔ اور خواتین سے درخواست
کی۔ کہ اس جدوجہد میں زمین و آسمان ایک کر دیں
اور اس وقت تک دم نہ لیں۔ جب تک مادرِ ہند
کے دامن سے یہ بدنما داغ دور نہ ہو جائے۔ پونا
کی شریمتی یمونا دیوی نے شاستروں سے حوالے
پیش کئے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ صغر سنی
کی شادی ہندو دھرم کے اصولوں کے خلاف
ہے۔ انہوں نے قدامت پسند پنڈتوں سے مطالبہ
کیا۔ کہ ان کے خیالات کی تردید میں دلائل اور
حوالے پیش کریں۔ یہ تقریر بہت سراہی گئی۔

۶- "اس کانفرنس کی رائے ہے۔ کہ زنانہ اسکولز
میں معلمات ایسی خواتین کیا کریں جنہیں عام اور صنعتی
قابلیت حاصل ہو۔"

اس رزولیوشن کی محرک مسز ہوم لڈے کاپریا تھیں
مس رفیع۔ مس ڈاسن اور چند دیگر خواتین نے
آپ کی تائید کی۔

اس کے بعد تالیوں کی گونج میں ۸ فروری کی
نشست ختم ہوئی۔ اور ڈیلیگیٹ خواتین موٹروں
کا جلوس بنا کر قطب صاحب چلی گئیں۔

۷- یہ کانفرنس ٹیچروں کے لئے مزید ٹریننگ
اسکولوں کی اشد ضرورت محسوس کرتی ہے۔
اور گورنمنٹ اور لوکل باڈیز سے درخواست کرتی
ہے۔ کہ جن مرکزی مقامات میں ایسے اسکول نہیں
ہیں۔ وہاں جلد از جلد قائم کرنے کے لئے انتظام
کیا جائے۔"

یہ رزولیوشن مسز انیگر نے پیش کیا۔ اور مسز
رانی گھوش اور مسز لطیف کی تائید کے بعد پاس
ہوا۔

۸- مندرجہ ذیل رزولیوشن کرسی صدارت
کی طرف سے پیش کیا گیا:۔

"یہ کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ تعلیم نسواں
کی ترقی کے لئے ایک آل انڈیا فنڈ قائم کیا جائے
اور ایک سب کمیٹی مقرر کی جائے۔ جو اس کے
لئے روپیہ جمع کرے۔ اور اس کے مصرف کے
متعلق اپنی تجاویز اسٹینڈنگ کمیٹی کے سامنے
پیش کرے۔"

۹- "یہ کانفرنس اسکولوں اور خصوصاً دیہاتی
اسکولوں میں تعلیمی اغراض کے لئے سنیما کی فلموں
کے استعمال کو بنظر پسندیدگی دیکھتی ہے۔ اور
سکرٹری کو اجازت دیتی ہے۔ کہ اس مطلب کا
ایک تار سنیما انکوائری کمیٹی کے صدر کی خدمت
میں روانہ کر دے۔"

۱۰- "یہ کانفرنس گورنمنٹ اور لوکل باڈیز سے
درخواست کرتی ہے۔ کہ ایسے مرکزوں اور جماعتوں
کا انتظام کیا جائے۔ جہاں خانہ داری کے فنون

لطیفہ۔ ادبی صنعتی اور عام تعلیم اور گرل گائڈنگ کی تعلیم دی جائے گی"۔

یہ رزرولیوشن لیڈی عبدالقادر کی تحریک اور مسز جانکی بائی بھٹ اور مس دروپدی اُما کی تائید اور مزید تائید کے بعد پاس ہوا۔

۱۱۔ اس کے بعد مندرجۂ ذیل اہم رزولیوشن پاس ہوا۔"

ہندوستان زراعتی ملک ہے۔ اس لئے یہ کانفرنس جہاں گورنمنٹ بنگال کے مردانہ زراعتی اسکولوں کے نصاب میں زمانہ حال کے زراعتی طریقے شامل کرنے کی اسکیم کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ وہاں ان طریقوں کے متعلق لڑکیوں کو تعلیم دینے کی ضرورت پر بھی خاص زور دیتی ہے کیونکہ سب جانتے ہیں۔ کہ عورتوں کو مناسب تربیت حاصل ہو۔ تو وہ اقتصادی مسائل کا مقابلہ مردوں کی نسبت بہتر طریق پر کر سکتی ہیں۔ اور اپنے خاندان اور تمام قوم کی آمدنی بڑھانے میں ان کی امداد بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ پس یہ کانفرنس

اوّل۔ صوبجاتی حکومتوں۔ لوکل بورڈز اور میونسپل کمیٹیوں سے سفارش کرتی ہے۔ کہ

(۱) فراخدلی سے وظائف دے کر زنانہ اسکولوں کی طالبات کے دل میں زراعت کے نئے طریقے۔ ریشم کے کیڑے پالنے۔ اور ڈیری فارم کا کام سیکھنے کا شوق پیدا کیا جائے۔

(ب) اور یہ باتیں ٹریننگ کے نصاب میں شامل ہوں۔

(ج) زنانہ تعلیمی انجمنوں اور دارالاياموں (ودھوا آشرموں) کو کھیتوں میں نئے نئے زراعتی طریقوں کے تجربے کرنے اور اس طرح ماہر خواتین کی تربیت کے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں"۔

(د) انڈین ایگریکلچرل سروس (محکمہ زراعت) میں خواتین کو بھی ایگریکلچرل آفیسر اور ڈپٹی ڈائرکٹر مقرر کیا جائے۔

دوم۔ یہ کانفرنس ہر طبقے اور ہر درجے کی خواتین سے جو زمین کی پیداوار سے تن معاش کی اور پرورش پاتی ہیں۔ اور خصوصاً خواتین مالکان اراضی سے درخواست کرتی ہے۔ کہ مندرجۂ ذیل باتوں کے متعلق عملی واقفیت حاصل کریں۔

بیج اور کھاد۔ مویشی اور ان کی خوراک۔ امراض بیج اور پودوں کو خاص طریقوں سے جراثیم سے پاک کرنے کا زمین کی پیداوار پر اثر تاکہ ان ذرائع سے انفرادی اور قومی آمدنی اور خوشحالی میں جو اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے متعلق بھی معلومات حاصل ہو جائیں۔

سوم۔ یہ کانفرنس سائنس کی طالبات سے درخواست کرتی ہے۔ کہ وہ مندرجۂ ذیل مضامین کے مطالعہ پر خاص توجہ دیں:۔

اقتصادیات۔ علم نباتات۔ ایگریکلچرل کیمسٹری

اور علم جراثیم وغیرہ ۔

چہارم ۔ یہ کانفرنس ان خواتین سے جو معاشرتی اصلاح اور بنی نوع انسان کی خدمت سے دلچسپی رکھتی ہیں ۔ درخواست کرتی ہے ۔ کہ زراعتی سوسائیٹیوں اور امداد باہمی کی انجمنوں اور اسی قسم کی دیگر تحریکات میں حصہ لیں ۔ نیز کاشتکاروں کے حالات سے جو قوم کے لئے خوراک اور کپڑا مہیا کرتے ہیں ۔ واقفیت حاصل کریں ۔ اور ان چیزوں کی مقدار اور خوبیوں میں اضافہ کرنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں ۔

۱۲۔ اگلے رزولیوشن میں مطالبہ کیا گیا ۔ کہ جو کمیٹیاں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام کرتی ہیں ۔ ان سب میں عورتوں کو کافی نمایندگی دی جائے ۔

مسز پی ۔ کے رائے (محرک) اور مسز بابا داس (موئید) نے اس رزولیوشن پر تقریر کرتے ہوئے کہا ۔ کہ اپنی صنف کی ضروریات کو عورتیں ہی بہتر سمجھ سکتی ہیں ۔ اس لئے یہ امر نہایت ضروری ہے ۔ کہ تمام تعلیمی کمیٹیوں اور انتظامی انجمنوں میں انہیں نمایندگی کا حق دیا جائے ۔

۱۳۔ مسز کے چٹوپادھیا نے مندرجہ ذیل رزولیوشن پیش کیا :-

" یہ کانفرنس گورنمنٹ اور لوکل باڈیز سے درخواست کرتی ہے ۔ کہ نیچی ذاتوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں داخل ہونے کے متعلق تمام رکاوٹیں دور کردی جائیں ۔ نیز اس امر کا خیال رکھا جائے ۔ کہ وہاں ان کے ساتھ دوسرے بچوں سے مختلف برتاؤ نہ کیا جائے " ۔

مس لکشمی بائی سے رزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے ایک دردانگیز تقریر کی ۔ اور کہا ۔ وہ وقت آن پہنچا ہے ۔ کہ اچھوت پن کی لعنت کا خاتمہ کردیا جائے ۔ اگر گورنمنٹ ہماری سفارشات پر عمل کرے ۔ تو نام نہاد اچھوتوں اور نیچی ذاتوں کے لوگوں کے بہت سے مصائب کا خاتمہ ہو جائے ۔

۱۴۔ مسز کوسنز نے جو کانفرنس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کی صدر اور کانفرنس کی بانیوں میں سے ہیں ۔ مندرجہ ذیل رزولیوشن ایک پر مغز تقریر میں پیش کیا :-

" بچپن کی شادی ۔ دیوداسی بچوں کے متعلق قوانین اور عورتوں کے متعلق دیگر مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کانفرنس گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے ۔ کہ مرکزی مجالس وضع قوانین کے لئے فوراً کم سے کم دو خواتین ارکان نامزد کی جائیں " ۔

مسز رستم جی نے اس رزولیوشن کی تائید کرتے ہوئے مرکزی مجلس وضع قوانین میں عورتوں کی مناسب نمایندگی کی ضرورت پر زور دیا ۔

۱۵۔ ایک رزولیوشن اس مطلب کا پاس ہوا

کہ سواحل بحرالکاہل کے ممالک کی زنانہ اتحاد کانفرنس میں جو ماہ جولائی ۱۹۲۸ء میں ہانلولو میں منعقد ہونے والی ہے۔ ہندوستان سے بھی ڈیلیگیٹ بھیجے جائیں۔ (مسز سروجنی نائیڈو ڈیلیگیٹ منتخب کی گئیں۔)

۱۶۔ ایک اور رزولیوشن کی رُو سے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ جسے اپنے ارکان میں اضافہ کرنے کی بھی اجازت دی گئی۔ یہ کمیٹی مندرجۂ ذیل مسائل پر توجہ کرے گی:۔

(ا) لڑکیوں کے لئے ایک خاص نصاب تعلیم

(ب) لڑکیوں کے لئے درسی کتابیں۔

(ج) ہندوستان بھر میں زنانہ معلموں کی تربیت کے حالات کی تحقیقات۔

علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کی اختتامی تقریر

خواتین۔ کانفرنس کے مباحث نے جو عام دلچسپی اور جوش وخروش پیدا کیا ہے۔ وہ مستقبل کا بہت اچھا شگون نظر آتا ہے۔ اور ہمارے دلوں میں اُمید کی روح پھونکتا ہے۔ کہ اس کی سرگرمیوں کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوگی۔ ہر اکسلنسی لیڈی ارون نے اس تحریک سے جو دلی ہمدردی ظاہر کی ہے۔ وہ ہمارے دل میں اس اعتماد کو اور پختہ کرتی ہے۔ کہ جس طرح لیڈی ڈفرن کی طبی امداد کی تحریک کامیاب ہوئی تھی۔ اسی طرح مسئلہ تعلیم میں ہماری مساعی بھی ایک روز بارآور ہوں گی۔

میرے لئے یہ امر بہت اطمینان کا موجب ہے۔ کہ اس کانفرنس کی رہنمائی ایسی سرگرم اور مخلص کارکنوں کے ہاتھ میں ہے۔ جن کی تعلیم اعلیٰ ہے۔ اور جو اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کی بے انتہا خواہش مند ہیں۔ مجھے یقین ہے۔ کہ سال بسال یہ کانفرنس اپنی سرگرمیوں کا دائرہ زیادہ وسیع کرتی جائے گی۔ اور بہت جلد تعلیم نسواں کو ہندوستان میں عام کر کے اپنی ہستی کی اہمیت ثابت کردے گی۔ گزشتہ چار دنوں میں جو رزولیوشن پاس ہوئے وہ اپنے نصب العین کے لئے بے انتہا مفید اور کارآمد ہیں۔ کچھ شبہ نہیں۔ کہ ان میں سے بعض پر اس لحاظ سے نکتہ چینی کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ قبل از وقت ہیں۔ لیکن اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ ایک عام بیداری اور تعلیمی اور معاشری اصلاح کی ترقی کے مظہر ہیں۔

ہمارے کئی تعلیمی مسائل ایسے ہیں۔ کہ ان کا حل تمامتر ہماری ذاتی کوششوں پر منحصر۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ ان کی تکمیل جیسی توجہ کی محتاج ہے۔ ہم اس سے دریغ نہ کریں گے۔

عام تعلیم کا جو خاکہ کانفرنس نے تیار کیا ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اس میں علم واقتصادیات۔ خانہ داری۔ تیمارداری۔ اور حفظان صحت کے مضامین پر خصوصیت سے توجہ کی جائے گی۔ ان مضامین کا

علم ہے۔ جو اچھی مائیں اور اچھی بیویاں پیدا کر سکتا ہے۔ ان مخصوص مضامین کے لئے ہمیں ایسے مدارس کے قیام کی فکر کرنی چاہیئے۔ جو نمونہ کا کام دے سکیں ÷

بچپن کی شادی کا سوال جس پر کانفرنس نے غور کیا۔ ہندوستان کی ترقی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور شادی کے لئے بڑی عمر قرار دلوانے میں کانفرنس کی کامیابی ایک ایسی بات ہو گی۔ جو ہماری قومی ترقی میں ایک یادگار رہے گی۔ یہ رسم مسلمانوں میں زیادہ عام نہیں۔ بچپن کی شادی کے جو معدودے چند واقعات ان میں نظر آتے ہیں۔ ان کا باعث زیادہ تر ناداری اور افلاس ہے۔ جن عورتوں کی شادی بچپن میں ہو گئی ہو۔ انہیں اسلامی قانون نے حق دے رکھا ہے۔ کہ بالغ ہو کر شوہر سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ لیکن شرم و حیا اور ایثار ہندوستانی عورتوں کی نمایاں خصوصیات میں سے ہیں۔ چنانچہ جن مسلمان لڑکیوں کی شادی کم سنی میں ہو جاتی ہے۔ وہ اس حق سے شاذ ہی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ وہ تقدیر کے فیصلے پر سر جھکا دیتی ہیں۔ اور اپنی مصائب و مشکلات کو صبر و شکر سے جھیلتی رہتی ہیں۔ اس لئے ہمارا یہ فرض ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ اس مذموم رسم کو بند کرنے کی کوشش کریں ÷

مجھے امید ہے۔ کہ اس سلسلے میں آپ مجھے اجازت دیں گی۔ کہ ایک اور بات کی طرف آپ کی توجہ دلاؤں۔ جو ان مباحث کے دوران میں مجھے کھٹکی ہے۔ اس کانفرنس میں بعض ایسے سوالات پر بھی غور ہوا ہے۔ جو رواج بن چکے ہیں۔ اور جنہیں مذہبی اعتقادات کا جزو سمجھ کر لوگ ان پر عامل ہیں۔ میرے خیال میں یہ قرین مصلحت نہیں کہ ایسے سوالات پر بحث کی جائے جنہیں کسی طرح کسی جماعت کے مذہب پر نکتہ چینی کرنے سے تعبیر کیا جا سکے۔ اور یوں ایسے ناخوشگوار مباحث چھیڑ دئے جائیں۔ جن سے ہمارے مقصد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ ہماری کانفرنس کو پیدا ہوئے ابھی صرف دوسرا سال ہے۔ اور ڈر ہے۔ کہ اگر ہم نے بہت تیز دوڑنے کی کوشش کی۔ تو شاید ٹھوکر کھائیں اور گر پڑیں ÷

کانفرنس نے ضروری تعلیم کا جو خاکہ تیار کیا ہے۔ اس میں علم خانہ داری۔ زراعت۔ علم نباتات وغیرہ مضامین کو ابتدائی اور اعلیٰ دونوں مدارج میں مفید قرار دیا ہے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ ہماری نامور اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین کے دل میں اپنی مادری زبان اور ادب کی تحصیل کی ضرورت کا کچھ زیادہ احساس نہیں ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ جو میں نے گزشتہ چار دنوں میں کانفرنس کے اجلاس کی کارروائی دیکھ کر قائم کی ہے۔ ممکن ہے۔ میں غلطی پر ہوں۔ اور کارروائی انگریزی میں اس وجہ سے ہوتی ہو۔ کہ کارکن اپنی زبان کو اظہار خیال کے لئے موزوں نہ قرار دیتی ہوں۔ لیکن اس

حالت میں میں اس بات کا ظاہر کر دینا ضروری سمجھتی ہوں۔ کہ یہ خیال صحیح قومی ترقی کے منافی ہے ؛

ہماری کانفرنس کی کارروائی انگریزی زبان میں ہوئی ہے۔ جسے کئی شریک جلسہ خواتین سمجھنے سے قاصر ہیں۔ خصوصیت سے میری ہم مذہب بہنیں جو انگریزی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ ہم اپنے مباحث کسی ایسی زبان میں کیا کریں۔ جسے ہر ایک سمجھ سکے۔ تاکہ ان کا حلقۂ اثر وسیع ہو۔ اگر ہماری مساعی ان جماعتوں میں دلچسپی پیدا کرنے سے قاصر رہی جن کی ترقی ہمارا مدعا ہے۔ تو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ آپ نے مرض کی تشخیص کر لی ہے۔ اور اس کے لئے نسخہ بھی تجویز کر دیا ہے۔ لیکن ڈاکٹر کی ہدایات ہی مریض کی سمجھ سے باہر ہوں۔ تو وہ ان پر عمل پیرا کیونکر ہو گا۔ اور مرض سے نجات کیسے حاصل کرے گا؟ اگر آپ نے کوئی ایسی زبان استعمال کرنی شروع نہ کی۔ جسے ملک کے ہر حصے سے آنے والی خواتین سمجھ سکیں۔ تو مجھے اندیشہ ہے۔ کہ آپ کی ترقی کی رفتار بہت سست ہو گی۔ نیز یہ امر بھی ہماری خودداری کے منافی ہے۔ کہ ہم دنیا پر یہ ظاہر کریں۔ کہ ہماری ملکی زبان اس قسم کے بحث مباحثہ کی متحمل نہیں ہے۔ اور یہ بات ہمارے اس مطالبہ کو صدمہ پہنچاتی ہے۔ کہ اپنی مادری زبان کے ذریعے ہمیں تعلیم دی جائے ؛

اس کے ساتھ ہی میں آپ کو ان جماعتوں کی حالت پر بھی متوجہ کرنا چاہتی ہوں۔ جو تعلیم میں پیچھے ہیں۔ اگرچہ آپ کو عمومی تعلیم کے سوال سے دلچسپی ہے۔ لیکن قومی ترقی کا اقتضا یہ ہے۔ کہ تمام صنف لطیف تعلیم و تربیت میں بلند درجہ حاصل کرے۔ اس طرح سے مسلمان اور دوسری ایسی عورتیں جو تعلیم میں کافی ترقی حاصل نہیں کر سکیں۔ خاص توجہ کی مستحق ہیں۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ اگر زیادہ تعلیم یافتہ خواتین ان کے حالات پر خصوصیت سے توجہ مبذول کریں گی تو اس کے لئے ہماری مسلمان بہنیں ان کی بیحد شکر گزار ہوں گی۔ ان کی نظیر اور ہدایات پر عمل پیرا ہو کر سرعت سے ترقی کریں گی۔ اور خوشی ان سے تعاون کر کے ان کی حوصلہ افزائی اور تقویت کا باعث بنیں گی ؛

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں۔ کہ گزشتہ چار روز میں اس کانفرنس کی کارروائی جیسی قابلیت سے عمل میں آئی ہے۔ اس کے باعث کانفرنس کے ان مطالبات کو جو وہ توسیع حقوق نسواں کے متعلق گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کرنے والی ہے۔ بے انتہا تقویت پہنچی ہے۔ اور

مجھے امید ہے۔ کہ یہ کانفرنس جلد ایک ایسی مختار جماعت کی حیثیت اختیار کر لے گی۔ جس کی معرفت خواتین ہند اپنے مطالبات پورے کروانے کے لئے گورنمنٹ تک رسائی حاصل کر سکیں گی ٭

آخر میں میں استقبالیہ کمیٹی کی ارکان اور ممبران کانیز اسٹینڈنگ کمیٹی کی نائب صدر کا دلی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ کہ انہوں نے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے بے انتہا جانفشانی سے کام لیا۔ اور مہمانوں کی دلچسپی کے لئے تفریح کا انتظام بھی نہایت قابل قدر کیا۔ اس سلسلے میں ان کا کام بے انتہا مبارکباد کا مستحق ہے۔ اور میری دعا ہے۔ کہ جن سرگرم کارکنوں نے اس بلند مقصد کی ترقی کے لئے اس قدر وقت اور محنت صرف کی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو برکت بخشے۔ اور اس بلند مقصد کے حصول سے شاد کام فرمائے۔ جو ہم سب کے دلوں میں موجود ہے ٭

خواتین ہند کے وفود

خواتین ہند کی کانفرنس نے ایک وفد مرتب کیا ہے۔ جو کانفرنس کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے بااثر رہنماؤں سے ملاقاتیں کر رہا ہے٭

۱۱ فروری کو ڈاکٹر انصاری کے مکان پر اس وفد نے سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کی۔ اور ان سے باصرار درخواست کی۔ کہ لیجسلیٹو اسمبلی میں کم سنی کی شادی کے خلاف اور شادی کی عمر کے تعین کی غرض سے جو رزولیوشن پیش ہیں۔ ان میں خواتین ہند کی کانفرنس کے مطالبات کو اپنی تائید سے امداد پہنچائیں۔ ۱۶ سال سے کم عمر میں شادی کرنا قانوناً بند کر دیا جائے۔ اور شادی کی منظوری کی عمر بڑھا کر سولہ سال کر دی جائے٭ خیال ہے۔ کہ رہنما عام طور پر اس وفد کی تجاویز سے اتفاق رکھتے تھے ٭

---

۱۳ فروری کو خواتین ہند کی کانفرنس کے ایک وفد نے ہز ایکسلنسی وائسرائے سے ملاقات کی٭ یہ وفد رانی صاحبہ ریاست منڈی کی سرکردگی میں گیا تھا٭ رانی صاحبہ نے جو یادداشت ہز ایکسلنسی کے سامنے پیش کی۔ وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

ہم حضور عالی کے شکرگزار ہیں۔ کہ آپ نے معاشری اصلاح کے متعلق خواتین ہند کی دوسری کانفرنس کے وفد کو شرف باریابی بخشا ہے٭ ہم جس کانفرنس کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہیں۔ وہ تمام ہندوستان کے تقریباً ۳۰ مختلف حلقوں کی نمائندہ ہے۔ اور اس میں تقریباً ۲۰۰۰ نمائندہ خواتین ٹراونکور۔ کوچین وغیرہ مقامات سے آکر شامل ہوئی تھیں ٭

منسلکہ رزولیوشن کانفرنس مذکور نے ۸ فروری ۱۹۲۸ء کو باتفاق رائے پاس کیا ہے۔ چنانچہ آپ

یہ ہندوستان کے ہر حصے اور ہر قوم و ملت کی خواتین کے متحدہ جذبات کا مظہر ہے ۔

نمایندوں نے جس سرگرمی اور جوش و خروش کا اظہار کیا ہے ۔ اس کے باعث کانفرنس نے فیصلہ کر لیا ہے ۔ کہ کم سنی کی شادی کے خلاف ایک باقاعدہ قومی تحریک کا آغاز کرے ۔ کم سنی کی شادی کی روک تھام کے لئے جب تک کوئی خاص کوشش نہ کی جائے گی ۔ کانفرنس کی متفقہ رائے ہے ۔ کہ تعلیمی اصلاح کے متعلق اس کی مساعی کو اتنی دشواریوں کا سامنا ہوتا رہے گا ۔ کہ بے نتیجہ ہو کر رہ جائیں گی ۔ چنانچہ کانفرنس کا خیال ہے ۔ کہ قانون کی رُو سے اس قسم کی شادیوں کو روکنے کا انتظام کیا جائے ۔

موجودہ حالات میں کوئی اَور کارروائی کرنے سے پیشتر کانفرنس کو خیال ہوا ۔ کہ اگر اس کی نمایندگی کے لئے ایک وفد جناب کی خدمت میں حاضر ہو ۔ نیز اسمبلی کی مختلف سیاسی خیال کی جماعتوں سے ملے ۔ اور خود اپنے خیالات آپ کے اور مذکورہ بالا حضرات کے سامنے پیش کرے ۔ نیز عملی صورتوں پر غور کر کے بحث کرے ۔ کہ اس معاملہ میں فوراً کیا قانونی کارروائی کی جا سکتی ہے ۔ تو بہت مناسب ہوگا ۔

کانفرنس کو اس بات کا پورا احساس ہے ۔ کہ جناب کو اور لیجسلیٹو اسمبلی کو وقت بہت کم ملتا ہے ۔ اور بہت سے اَور اہم معاملات زیر غور رہتے ہیں ۔ لیکن یہ وفد آپ سے التجا کرتا ہے ۔ کہ آپ اس سوال کی پوری اہمیت پر اور شاہراہ ترقی میں سے اس رکاوٹ کو ہٹانے کے متعلق خواتین ہند کی دلی تمناؤں پر غور فرمائیں ۔ حضور عالی نے خود کئی مرتبہ دوران سفر میں کم سنی کی شادی کے افسوسناک نتائج ہندوستان میں ملاحظہ فرمائے ہوں گے ۔ کہ یہ کس طرح گھن بن کر قوم کی جسمانی ترقی کو کھائے چلی جا رہی ہے ۔ اور تعلیم نسواں پر اس کے کیسے مضر اثرات پڑ رہے ہیں ۔ جب تک قانون کے ذریعے کم سنی کی شادی نہ روکی جائے ۔ ہندوستان مہذب اقوام میں شمار ہونے کے قابل نہیں بن سکتا ۔

اس لئے کانفرنس اس وفد کے ذریعے حضور عالی سے درخواست کرتی ہے ۔ کہ اس اشد ضرورت میں آپ از راہ عنایت اپنی ہمدردی سے خواتین ہند کی امداد فرمائیں ۔ اس کی حضور عالی سے اور گورنمنٹ ہند سے درخواست ہے ۔ کہ تمام ملک میں سے کم سنی کی شادی کی رسم مٹانے میں دل سے اس کی معاونت کی جائے ۔ اگر اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے کوئی کمیٹی مقرر کی جائے ۔ تو کانفرنس یہ درخواست بھی کرتی ہے ۔ کہ حضور عالی اپنے اثر سے کام لے کر اس کمیٹی میں نمایندہ خواتین کا تقرر بھی فرمائیں ۔

اگر حضور عالی اس سوال میں سرگرمی سے دلچسپی
لینی مناسب نہ سمجھتے ہوں۔ تو ہم آپ کی گورنمنٹ
سے کم از کم یہ التجا کریں گے۔ کہ جب یہ سوال قانون
بننے کے لئے پیش ہو۔ تو آپ کی گورنمنٹ غیر جانبدار
رہے۔ تاکہ ہم اسمبلی کے غیر سرکاری ممبروں پر مناسب
اثر ڈال سکیں ٭

اس کے بعد کم سنی کی شادی کے متعلق کانفرنس
کا منظور شدہ رزلیوشن پڑھ کر سنایا گیا ٭

وائسرائے کا جواب

ہز اکسلنسی نے اپنے جواب میں فرمایا۔ کہ انہیں
کانفرنس کے نمائندوں سے مل کر اور ان کی درخواست
سُن کر خوشی ہوئی ہے۔ انہوں نے یقین دلایا۔ کہ
ان کی گورنمنٹ کو تعلیم نسواں کے مسئلے سے دلی
ہمدردی ہے۔ اور وعدہ کیا۔ کہ وفد نے جو کچھ کہا
ہے۔ وہ اسے یاد رکھیں گے ٭ انہوں نے فرمایا مجھے یقین
ہے۔ کہ جن رسوم کو آپ نے بیان کیا۔ یہ تعلیم
نسواں اور ہر ایسی تحریک پر جو تعلیم نسواں پر منحصر
ہے۔ بہت زیادہ اثر ڈال رہی ہیں ٭ اس کے ساتھ
ہی انہوں نے ہوم ممبر کے اس بیان پر توجہ دلائی
جو سرہری سنگھ گوڑ کے مسودہ قانون کی بحث کے
بعد ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر ہونے کے متعلق دیا گیا
تھا۔ اور وعدہ کیا۔ کہ وہ کمیٹی کی اس درخواست
کو بھی یاد رکھیں گے۔ کہ کمیٹی میں ایک یا زیادہ عورتوں
کا تقرر کیا جائے ٭

آخر میں انہوں نے کہا۔ کہ میری دلی آرزو ہے
کہ وفد عوام کی رائے کو اپنے سے متفق کرنے میں
کامیاب ہو۔ کیونکہ گورنمنٹ کوئی کارروائی اسی
صورت میں کر سکتی ہے۔ کہ وفد عوام کو مناسب
طریق سے متاثر کر کے اپنا ہم خیال بنا چکا ہو ٭

ڈاکٹر اینی بیسنٹ نے کانفرنس میں جو تقریر کی
اس کا خلاصہ درج ذیل ہے :۔

"یہ بات مادر ہند کے لئے بے حد امید افزا
ہے۔ کہ اس کی بچیاں پبلک کاموں میں سرگرمی
سے حصہ لے رہی ہیں ٭ اب ہندوستان کی مختلف
مجالس وضع قوانین میں عورتوں کو رائے دہندگی کے
مساوی حقوق حاصل ہو گئے ہیں۔ اور ہندوستان
ان ملکوں میں سے ہے۔ جن میں عورت کی رائے
قابل توجہ سمجھی جاتی ہے۔ اور عورتوں کا احترام
کیا جاتا ہے ٭ میرا ایمان ہے۔ کہ دنیا بھر کی بہتری
کے لئے ہندوستانی عورتوں کی آواز بے حد اہم
ہے" ٭ آگے چل کر آپ نے فرمایا "اب عورتوں نے
اس بات کا عملی ثبوت پیش کرنا سیکھ لیا ہے۔ کہ ان
کی نظر مردوں سے زیادہ وسیع ہوتی ہے۔ اور
میدان عمل میں وہ مردوں کو پیچھے چھوڑ جایا کرتی
ہیں" ٭

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت شیخ عبدالرحمٰن صاحب بی اے جج بہادر مطالبہ خفیفہ پرگنہ امرتسر

دلا پا رام ولد فتح چند قوم اروڑہ ساکن ہرنولی بنام نواب الدین ولد عمرا قوم موچی ساکن چھتہ
ضلع میانوالی حال میو کا تحصیل امرتسر مدعی کلاں تحصیل امرتسر۔ مدعا علیہ

دعوےٰ ۱۰۰ روپے

مقدمہ مندرجہ بالا میں مسمی نواب الدین مدعا علیہ تعمیل سمن سے دیدہ و دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ لہٰذا اشتہار ہٰذا بنام مدعا علیہ مذکور جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ بتاریخ ۲۹ فروری ۱۹۲۸ء بمقام امرتسر حاضر عدالت نہ ہوا۔ تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آئے گی۔

آج بتاریخ ۳ فروری ۱۹۲۸ء بثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم مہر عدالت

باجلاس مسٹر ایم ظہیر بی اے۔ ایل ایل بی۔ پی سی ایس صاحب سب جج بہادر

درجہ چہارم فیروزپور

فتح سنگھ ولد سندر سنگھ جٹ سکنہ منگل تحصیل موگہ۔ مدعی بنام
گجن سنگھ ولد مان سنگھ جٹ سکنہ منگل تحصیل موگہ مدعا علیہ

دعوی دلاپانے مبلغ ۱۱۲ روپے

ہرگاہ فتح سنگھ مدعا علیہ کے نام کئی دفعہ سمنات جاری کئے گئے۔ مگر اس کی اطلاع نہیں ہوئی اور معمولی طریقے سے اس کی اطلاع ہونی مشکل ہے۔ لہٰذا زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۲۸ء کو حاضر عدالت ہٰذا ہوکر پیروی و جوابدہی مقدمہ کرے۔ ورنہ اس کے خلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جائے گی۔

بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت سے آج بتاریخ ۲۰ جنوری ۱۹۲۸ء جاری کیا گیا۔

دستخط حاکم مہر عدالت

نارتھ ویسٹرن ریلوے

نوٹس

نمائشی ٹرین کو جو ہر دلعزیزی حاصل ہوئی۔ اس کے باعث نیز جن مقامات کو پچھلے پروگرام میں شامل نہ کیا گیا تھا۔ وہاں سے جو درخواستیں آئیں۔ ان کا خیال کر کے پنجاب گورنمنٹ اور نارتھ ویسٹرن ریلوے نے اب اس ٹرین کے پروگرام میں توسیع کر دی ہے یعنی سفر بڑھایا گیا ہے۔ اس کے ایک حصے میں ٹرینوں کے چلنے اور پہنچنے کی تاریخ اور اوقات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ پروگرام صرف انبالہ شہر تک کا ہے۔ باقی حصوں کے ٹائم ٹیبل کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔

تاریخ	اسٹیشن	آمد	روانگی
۱۳۔ فروری ۲۸ء	میاں چنوں	٦ -	قیام
۱۴۔ فروری ۲۸ء	میاں چنوں		۱۰ - ۲۳
۱۵۔ فروری ۲۸ء	گوجرہ	٦ - ۴۵	قیام
۱۷۔ فروری ۲۸ء	گوجرہ		۳ - ۲۰
	چک جھمرہ	٦ - -	
۱۹۔ فروری ۲۸ء	چک جھمرہ		۴ - - ۳۰
۱۸۔ فروری ۲۸ء	چنیوٹ	۵ - ۴۵	
۲۰ فروری ۲۸ء	چنیوٹ		- - ۳۵
۲۰۔ فروری ۲۸ء	قلعہ شیخوپورہ	٦ - -	
۲۲۔ فروری ۲۸ء	قلعہ شیخوپورہ		- - ۵
۲۲۔ فروری ۲۸ء	نارووال	۵ - ۳۰	
۲۳۔ فروری ۲۸ء	نارووال		۴ - ۴۰
	چک ابرو	٦ - ۵۰	
۲۴۔ فروری ۲۸ء	چک ابرو		۲۲ - -
۲۵۔ فروری ۲۸ء	لدھیانہ	۸ - ۱۰	
۲۷۔ فروری ۲۸ء	لدھیانہ		۱ - ۵۰
	انبالہ شہر	۷ - ۳	
۲۹ فروری ۲۸ء	انبالہ شہر		- - ۴۵

دفتر ریلوے ہیڈ کوارٹر
لاہور مورخہ ۱۳ فروری ۲۸ء

سی۔ ایس۔ ایم۔ ای ولٹن
لفٹنٹ کرنل آر۔ ای
چیف آپریٹنگ سپرنٹنڈنٹ

نارتھ ویسٹرن ریلوے

اطلاع

یکم مارچ ۱۹۲۸ء سے نارتھ ویسٹرن ریلوے پر ۱۳۰ میل سے زیادہ لمبے سفر کے لئے اول و دوم درجہ کے واپسی ٹکٹ ۱ ¾ کرایہ پر جاری کئے جائیں گے۔ جو آٹھ ماہ تک کارآمد ہوں گے۔

نارتھ ویسٹرن ریلوے
ہیڈ کوارٹرس آفس۔
لاہور مورخہ ۲۵ جنوری ۲۸ء

جے۔ ایچ۔ چیمبرز
منجانب ایجنٹ

ضرورت

ایم۔ بی گرلز سکول لائل پور کے لئے دو ایس۔ وی ٹرینڈ استانیوں کی ضرورت ہے۔ ملازمت مستقل ہے اور پراویڈنٹ فنڈ کے فوائد بھی حاصل ہونگے۔ تنخواہ حسب لیاقت دی جائے گی۔ تمام درخواستیں سرٹیفکیٹ وغیرہ سمیت ۱۵ فروری ۱۹۲۸ء سے پہلے سکرٹری میونسپل کمیٹی لائل پور کے پاس پہنچ جانی چاہئیں۔ صرف تجربہ کار استانیاں درخواست کریں۔

سکرٹری میونسپل کمیٹی لائل پور

بعدالت خان ذکاء الدین خان صاحب ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج بہادر لاہور

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

غلام حیدر جمعدار پلٹن ۱/۱۱ سکھ رجمنٹ بنام

مسمات اقبال بیگم بنت صدر الدین سکنہ لاہور دختر خان ولد چوہدری عظیم خان قوم راجپوت گھوکھر بھاٹی دروازہ سکنہ

رضائی اپیلانٹ۔

اپیل بناراضی حکم لالہ پرمیشری داس صاحب سب جج بہادر درجہ سوئم لاہور مورخہ ۸/۱ بنام مسمات

اقبال بیگم بنت صدر الدین سکنہ لاہور بھاٹی دروازہ ریسپانڈنٹ۔

اپیل مندرجہ عنوان بالا میں مسمات اقبال بیگم مذکور تعمیل نوٹس سے دیدہ دانستہ گریز کرتی ہے۔ اور

روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام ریسپانڈنٹ مذکور جاری کیا جاتا ہے کہ اگر مسمات اقبال بیگم ۲۰

فروری ۱۹۲۸ء کو بمقام لاہور حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگی۔ تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آویگی۔

آج بتاریخ ۶ فروری ۱۹۲۸ء کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔ (دستخط و مہر عدالت)

ضرورت عقد ثانی

ایک ۴۲ سالہ اعلیٰ خاندان شیعہ سادات

کے قابل و اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب کو ایک خوبصورت

تعلیم یافتہ تندرست و سلیقہ شعار غریب خاندان کی نو

کتخدا لڑکی یا کم عمر صورت مند بیوہ (جو شوہر کے ساتھ نہ

رہی ہو) کی عقد کے لئے ضرورت ہے۔ باہنر تعلیم دیانتہ و سلیقہ

لڑکی یا بیوہ مذہب شیعہ کو ترجیح دی جاویگی۔ صاحب موصوف

ایک اچھے عہدہ پر تقریباً دو صد روپیہ ماہوار کے ملازم ہیں۔

اور اس کے علاوہ ان کی ذاتی آمدنی بھی کافی ہے۔ جملہ

خط و کتابت مخفی راز میں رکھی جائیگی۔ جملہ درخواستیں

بنام الیس۔ اے۔ ایچ حسینی معرفت رسالہ تہذیب نسواں لاہور

جلد آنی چاہئیں۔ فقط

باجلاس مسٹر ایم ظہیر بی اے - ایل ایل بی - پی سی ایس صاحب سب جج بہادر درجۂ چہارم فیروزپور

چھجورام پسر متاب مل کھتری سکنہ کوٹ عیسیٰ خاں تحصیل زیرہ مدعی - بنام
سالگ رام پسر گنگارام برہمن سکنہ کوٹ عیسیٰ خاں تحصیل زیرہ مدعا علیہ

دعویٰ دلا پانے مبلغ ۴۶۲ روپے

ہرگاہ سالگ رام مدعا علیہ کے نام کئی دفعہ سمنات جاری کئے گئے - مگر اس کی تعمیل نہیں ہوئی - اور معمولی طریقے سے اس کی تعمیل ہونی مشکل ہے - لہذا زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی مشتہر کیا جاتا ہے - کہ مورخہ ۸ مارچ ۱۹۲۸ء کو حاضر عدالت ہوکر پیروی وجوابدہی مقدمہ کرے - ورنہ اس کے خلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جائے گی ۔

آج بثبت میرے دستخط اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا + ۲۵ جنوری ۱۹۲۸ء

دستخط حاکم مہر عدالت

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

بعدالت شیخ عبدالرحمٰن صاحب بی اے سب جج بہادر درجہ سوم امرتسر

فیروز الدین ولد امام الدین قوم راجپوت ساکن امرتسر کٹڑہ گینا - کوچہ قصاباں مدعی
بنام مسمات مریم بی بی دختر سلطان بخش زوجہ اللہ دتا قصاب ساکن امرتسر کٹڑہ گینیاں کوچہ قصاباں بلیاں مدعا علیہ

دعوے ۹۳۵ روپے

مقدمہ مندرجہ بالا میں مسمات مریم بی بی مدعا علیہا تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتی ہے - اور روپوش ہے - لہذا یہ اشتہار بنام مدعا علیہا جاری کیا جاتا ہے - کہ اگر مدعا علیہا مذکور بتاریخ ۲۲ فروری ۱۹۲۸ء مقام امرتسر حاضر عدالت نہ ہوگی - تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آئے گی ۔

آج بتاریخ ۹ فروری ۱۹۲۸ء بثبت دستخط ہمارے - اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا ۔

دستخط حاکم مہر عدالت

[illegible] بیگم مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا - اور سید ممتاز علی مالک و منیجر نے دفتر تہذیب سے شائع کیا ۔

جلد ۳۱ | لاہور۔ ہفتہ۔ ۲۶ مئی ۱۹۲۸ء | نمبر ۲۱

تہذیب نسواں

لاہور ہفتہ۔ ۶ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

فہرست مضامین

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ ضابطہ دیوانی

باجلاس لالہ سرداری لال صاحب بی اے۔ ایل ایل بی سب جج درجہ چہارم اٹک بمقام کیمبل پور

سنت سنگھ ولد نہال سنگھ قوم کھتری سکنہ ادیوال تحصیل فتح جنگ حال پشاور مدعی

بنام مسماۃ بخت بری بیوہ زمان خان قوم ایبال سکنہ ادیوال ملازم پیر سید عالم شاہ موضع بیرا شریف تحصیل فتح جنگ ضلع اٹک مدعا علیہ

دعویٰ دلاپانے للعہ ر

مقدمہ مندرجہ صدر میں مدعا علیہا مسماۃ بخت بری عمداً تعمیل سمن سے گریز کررہی ہے۔ لہٰذا بذریعہ اشتہار مشتہر کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہا مذکور ۲۹ جون ۱۹۲۸ء کو حاضر عدالت ہذا ہوکر پیروی مقدمہ نہ کرے گی۔ تو اس کے برخلاف کارروائی یک طرفہ عمل میں آئے گی؛

آج بتاریخ ۲۸ مئی ۱۹۲۸ء بدستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری ہوا؛

دستخط حاکم　　　　　مہر عدالت

آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس

دہلی میں خواتین ہند کی کانفرنس برائے اصلاح تعلیم کے جو اجلاس امسال حضور سرکار عالیہ سابق فرمانروائے بھوپال کی صدارت میں ہوئے اور ان اجلاسوں میں جو تجاویز پاس ہوئیں۔ ان کے حالات اخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں اور ناظرین تہذیب بھی ان سے واقف ہوں گی۔

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ تعلیمی کانفرنس جن مقاصد کے ساتھ قایم کی گئی ہے۔ وہ تمام ملک کی نسوانی آبادی کے لئے فائدہ مند ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس کا دائرۂ عمل کسی خاص جماعت یا قوم کے لئے محدود نہیں۔ مسلمان خواتین کو بھی بہ حصہ رسدی اس کی کوششوں سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ گو اس کی کارکن جماعت میں مسلمان خواتین کا عنصر برائے نام ہے لیکن یہ محض اس لئے کم ہے۔ کہ مسلمان خواتین میں ایسی قابل اور بیدار مغز افراد کا فقدان ہے۔ جو پبلک زندگی میں آکر تبلیغی کاموں میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لے سکیں۔ اور پبلک کی صحیح نمایندگی کا حق پورا کر سکیں۔

کانفرنس میں ہندو بہنوں کے عنصر کو زیادہ دیکھ کر یہ خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ یہ کانفرنس ایک فرقہ وارانہ جماعت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو اپنی قومیت کی اصلاح اس تحریک سے کرنا چاہتی ہے۔ ایسا خیال کرنا ان ہندو بہنوں کی پُرخلوص مساعی کا خون کرنا ہے۔ جو وہ اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے کر رہی ہیں۔ امسال علیا حضرت سرکار عالیہ کا انتخاب صدارت خود اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ کانفرنس کسی قوم و ملت کے لئے محدود نہیں۔ بلکہ اس کا دروازۂ فیض ہر قوم و ملت کے لئے یکساں کھلا ہوا ہے۔

کانفرنس نے جن اصولوں پر اپنی کوششوں کی ابتدا کی ہے۔ اور جو نظام عمل آیندہ کے لئے قایم کیا ہے۔ اور نیز اس سال کے اجلاس میں جو مفید تجاویز کانفرنس نے پاس کی ہیں۔ اور جس پُرخلوص اور پُرجوش طریقہ پر اس کے کارکن اپنی تحریک کو ملک میں فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ نہایت امید افزا ہیں۔

ہمیں توقع ہے۔ کہ علیا حضرت کی رہنمائی میں یہ کانفرنس ملک کے لئے ایک رحمت ثابت ہوگی۔ لیکن خواتین ہند کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس کے مقاصد کے ساتھ پوری ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے مجھے عنوان بالا کے تحت میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

خواتین ہند کی کانفرنس عام حیثیت سے ملک کے لئے کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو۔ لیکن مسلمان خواتین اپنی موجودہ ضروریات اور حالات قومی کو دیکھتے ہوئے یقیناً اس پر اکتفا نہیں کر سکتیں۔ بلکہ اس کانفرنس کے ساتھ اشتراک عمل کرتے ہوئے مسلمان خواتین کی

ایک جداگانہ کانفرنس منظم ہونا بھی لازمی ہے۔ جس کے مقاصد میں مسلمان عورتوں کے حقوق کی حفاظت۔ اصلاح معاشرت۔ اشاعت و توسیع تعلیم اور ان ضروری مسائل کا حل ہو۔ جو آج کل مخصوص طور پر مسلمان عورتوں کے مفاد سے متعلق ہیں + خواتین ہند کی کانفرنس کا دائرہ عمل صرف تعلیم ہے۔ یہ کانفرنس معاشرت کے صرف ان مسائل پر توجہ کرے گی۔ جن کا تعلق براہ راست تعلیم سے ہے۔ اس لحاظ سے کم سنی کی شادی اور پردہ کی رسم کا انسداد صرف ان دو امور کی طرف کانفرنس نے اپنی توجہ منعطف کرنی ضروری سمجھی۔ لیکن مسلمان خواتین کی ضروریات اس وقت سب سے زیادہ اصلاح معاشرت سے متعلق ہیں +

قدامت پرستی اور تنگ نظری کے طفیل میں جو غیر فطری بندشیں اور پابندیاں مسلمان خواتین پر عائد ہیں۔ اور جن کے نتائج افلاس۔ جسمانی صحت کی خرابیاں۔ مہلک امراض کی کثرت خصوصاً سل اور دق کی مسلمان عورتوں میں مخصوص طور پر زیادتی نسلی انحطاط ہم روز روشن میں دیکھ رہے ہیں + ان کے علاوہ بعض نہایت اہم مسائل اس وقت درپیش ہیں۔ جن پر دوسرے اسلامی ممالک میں حکومتیں غور و خوض کر رہی ہیں۔ اور اپنے موجودہ حالات و ضروریات کو مدنظر رکھ کر نہایت کشادہ دلی کے ساتھ ان مسائل کا مناسب حل تلاش کر رہی ہیں + ہندوستان میں بھی مسلمان عورتوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے ان مسائل کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے +

تعدد ازدواج۔ بین الاقوامی شادیاں۔ وراثت مسائل طلاق و نکاح و خلع اور خصوصاً نکاح نابالغہ کے سلسلے میں جو ورثاء کی طرف سے زیادتیاں ہوتی ہیں۔ غرض اس قسم کے بہت سے امور کی طرف مسلمان خواتین کو نہ صرف توجہ کرنا ہے۔ بلکہ احتجاجی کوشش کر کے اپنے حقوق کا تحفظ اور اطمینان کرنا بھی ضروری ہے +

دنیا میں کمزور پر قوی کے مظالم ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور تاوقتیکہ کمزور کے حقوق کا تحفظ کافی طور پر نہ کیا جائے۔ قوی عنصر کمزور عنصر کو پامال کرنے سے باز نہیں رہا۔ مسلمان خواتین کو بھی اپنی حق تلفیوں کو محسوس کر کے ان کے خلاف ایک منظم تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے +

اس وقت ایک کام کرنے والی سرگرم اور پُر جوش منظم جماعت مسلمان خواتین کی پبلک میں آنی چاہئے۔ جو اس مفید تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے۔ اور اس کو تمام ملک میں پھیلانے کی کوشش کرے + مسلمان عورتوں کی سوشل اصلاح ان کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ تعلیمی ترقی کی منزل بھی سوشل اصلاح کے بعد شروع ہو گی۔ مسلمان عورتیں اس وقت جن خوفناک معاشرتی قیود

میں مبتلا ہیں۔ ان کے ساتھ وہ دنیا کا کوئی مفید کام نہیں کرسکتیں۔ نہ ان میں تعلیم کی اشاعت ہوسکتی ہے۔ نہ اپنے حقوق کی حفاظت کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے۔ نہ اپنی معاشی حالت کو بہتر بنانے کا حوصلہ پیدا ہوسکتا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں سب سے پہلے ان میں سوشل یا معاشرتی اصلاح کی تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور قبل اس کے کہ ہم مسلمان عورتوں کے لئے کوئی ایجوکیشنل کانفرنس یا پولیٹیکل کانفرنس یا کسی اور کانفرنس کی تنظیم کریں ہم کو مسلمان خواتین کی ایک سوشل کانفرنس قایم کرنا چاہیئے۔

میرے کان اس سلسلے میں "آل انڈیا لیڈیز کانفرنس" کے نام سے ضرور آشنا ہیں۔ مگر میں اس کے متعلق اس کے نام سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم۔ کہ اس کی انتظامی مجلس میں کون خواتین شامل ہیں۔ اور آج کل اس کے ارکان کی سرگرمیاں کیا ہیں۔ اور کونسی دنیا میں ہیں۔

میں باادب بلا کسی ذاتی پرخاش کے ان بہنوں سے اور عزیزان حضرات سے عرض کروں گا۔ جو آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس کی "خیالی ہستی" کے ذمہ دار ہیں۔ کہ خدا کے لئے بیدار ہو جائیے۔ اور کمر ہمت باندھ کر میدان عمل میں آجائیے۔ اس کانفرنس کی ہستی کا لوگوں کو یقین دلائیے۔ قومی مقاصد کی جو امانت آپ کے سپرد ہے۔ اس کی حفاظت کیجئے۔ بتائیے۔ کہ آپ کیا کر رہی ہیں۔ اور کیا کرنا چاہتی ہیں۔ اگر آپ اس وقت جبکہ "کام کرو اور زندہ رہو" کا اصول دنیا میں چل رہا ہے۔ اس نیم خفتہ حالت میں رہنا چاہتی ہیں۔ تو کانفرنس کو دوسرے کام کرنے والوں کے ہاتھ میں دیجئے۔ اور اپنی قوم کی تباہیوں کی داستان کو اس نیم خوابی کی حالت میں نہ سنتی رہیئے۔

یہ تو میں مسلم لیڈیز کانفرنس کے ارباب بزم سے کہوں گا۔ لیکن اگر ان لوگوں تک میری آواز نہ پہنچے۔ تو میں اس مضمون کے پڑھنے والے اور تحریک نسواں سے دلچسپی لینے والے تمام بہنوں اور بھائیوں سے کہوں گا۔ کہ جلد از جلد اپنی متحدہ کوشش مسلمان خواتین کی ایک سوشیل کانفرنس کے قیام کے لئے صرف کریں۔ محترمہ نذر سجاد صاحبہ محترمہ ظفر جہاں بیگم صاحبہ۔ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ صاحبہ۔ محترمہ رضویہ خاتون۔ محترمہ آر کے معززہ فاطمہ بیگم صاحبہ بنگلور اور دوسری لکھنے والی بہنیں اس تحریک پر اظہار رائے کریں۔ اور بتائیں۔ کہ وہ اس سلسلے میں کیا کرسکتی ہیں۔ اور اس قسم کی کانفرنس کی تنظیم کو کہاں تک ضروری سمجھتی ہیں۔ ملک کے روشن خیال۔ نیک دل اور درد مند بھائیوں کو بھی اس تحریک کی طرف توجہ کرنا اور اس میں دلچسپی لینا ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر مردوں کے

تو اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ پھر کسی انگریز عورت کے لئے تو یہ بات تقریباً ناممکن ہے۔ کہ خواہ مخواہ کسی رشتہ دار کے گلے کا ہار ہو جائے۔ اور اس کی مہربانی یا شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھائے۔

مجھے عمر بھر میں کبھی کوئی ایسا تنہا جوڑا سفر کرتے نہیں ملا جس میں بیوی نے اپنے میاں یا کسی ملنے جلنے والی سے اس خیال کا اظہار نہ کیا ہو۔ کہ "مجھے گھر پہنچ کر بے حد خوشی ہوگی۔ آہ! میں گھر پہنچنے کے لئے کتنی بے قرار ہوں!"

لیکن یاد رہے۔ کہ میں یہاں صرف انگریز عورتوں کا ذکر کر رہی ہوں۔ امریکن عورتوں کے خیالات اور اطوار کو سمجھنے سے چونکہ میں قاصر رہی ہوں۔ اس لئے ان کے متعلق کوئی کلیہ قائم نہیں کر سکتی۔ البتہ انگریز اور امریکن عورتوں میں ایک فرق ضرور نظر آتا ہے۔ یعنی انگریز عورت کسی خاص مقام پر پہنچنے کے لئے سفر کرتی ہے۔ اس کی ایک منزل مقصود ہوتی ہے۔ اور بخلاف اس کے امریکن عورت صرف اس لئے سفر اختیار کرتی ہے۔ کہ واپس لوٹ کر گھر والوں اور دوستوں کو اپنے سفر کی داستان سُنا سکے لیکن سفر کرنے والی امریکن عورتیں سب کی سب اسی زمرے میں شامل نہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر نہایت اہم مقاصد کی تکمیل کے سفر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر "جغرافیہ داں خواتین کی انجمن" کو لیجیے۔ جس نے بڑی مہربانی سے مجھے اپنی ممبر بنا کر میری عزت افزائی کی ہے۔ اس کی ارکان کی فہرست میری میز پر پڑی ہے ہر رکن کے نام کے مقابل اس کے کارنامے درج ہیں اور اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ کارنامے شاندار ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ ایسی امریکن عورتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ جو یہ جانتے ہوئے بھی۔ کہ ہم جس وقت چاہیں واپس آ سکتی ہیں محض سفر کی غرض سے کچھ عرصہ کے لئے گھر کے آرام و آسائش اور دوستوں سے جدائی گوارا کر سکیں۔ ادھر بہت سی انگریز عورتیں صرف اسی لئے سفر کرتی ہیں۔ کہ وہ اپنی بقیہ زندگی کو جو بے کسی کے باعث بظاہر بے مصرف سی رہ گئی ہے۔ خواہ مخواہ بارِ خاطر نہیں بنانا چاہتیں۔ بلکہ صورت حالات کا بہترین طریق پر مقابلہ کرنے کی خواہش مند ہیں۔ وہ اپنے سفر کو اس لئے طول دئے جاتی ہیں۔ کہ انہیں واپس لوٹنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بخلاف اس کے دوسرے ملکوں میں ایسے گھرانوں کی تعداد انگلستان کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ جن میں ضرورت سے زیادہ رشتہ دار عورتیں اپنے کسی رشتہ دار کے گلے کا ہار ہو رہی ہیں۔

ایسٹ افریقہ سے ملایا۔ سیام۔ کمبودیا اور کوچین چائنا ہوتے ہوئے انگلستان پہنچنے والے کے متعلق کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس نے سیدھا اور نزدیک ترین راستہ اختیار کیا؟ لیکن میں اس راستے سے وطن پہنچی ہوں۔ کیونکہ مجھے جلد واپس آنے کے لئے کوئی خاص وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ جوں جوں میں وطن کے قریب پہنچتی جاتی تھی۔ وہ چیزیں جو پیچھے چھوڑ رہی

تھی۔ جو میرے نزدیک دل چسپ اور قابل وقعت ہیں۔ اور پھر یہ بھی سن لیجئے۔ کہ میرے گھر پہنچنے پر کیا ہوا۔ میں ایک خادمہ کو اپنے بالکل خالی گھر کی رکھوالی کے لئے چھوڑ گئی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ مجھے واپس آنا تھا۔ اور میں چاہتی تھی۔ کہ واپس آنے پر گھر میں اور کچھ نہیں۔ تو ایک انسان کی صورت تو نظر آئے۔ اب یہ مجھے چھوڑ کر جا رہی ہے۔ وجہ یہ۔ کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ اور اب وہ خود ایک گھر کی مالکہ بن جائے گی۔

مجھے اکثر خیال آتا ہے۔ کہ جن عورتوں نے اپنا اصلی ٹھکانا "اپنے گھر" کو سمجھ رکھا ہے۔ ان میں سے کتنی ایسی ہیں۔ جن کو کم از کم میرے برابر لطف و مسرت حاصل ہے۔ آپ جانئے۔ میرے سامنے آخر ایک مقصد تو ہے۔ میں کام کرتی ہوں۔ اور حقیقت میں یہ کام ہی میری زندگی ہے۔ میں جہاں جاؤں۔ اسے اپنے ساتھ لے جاتی ہوں۔ اور یہ ایک ایسا رفیق ہے۔ جس کی موجودگی ہمیشہ میرے لئے مسرت کا باعث ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ جن لوگوں کے عادات و اطوار مجھے پسند نہیں۔ ان سے بالکل الگ تھلگ رہتی ہوں۔ اور سب سے زیادہ نفرت مجھے ان لوگوں سے ہے۔ جو میرے لئے کسی طرح بھی دلچسپی کا باعث نہ ہو سکیں۔

اختر

بیمار مائیں اور ان کے بچے

عام طور پر بچوں کی بری عادتیں یا قابل اعتراض باتیں ان کے والدین کو نظر نہیں آتی ہیں۔ بعض گھروں میں تو لاڈ پیار کے باعث ماں باپ ان کا خیال نہیں کرتے۔ اور بعض جگہ میں نے یہ کیفیت دیکھی ہے۔ کہ جو بری بات بچوں میں ہے۔ وہ والدین میں بھی موجود ہے۔ جو کچھ بچوں نے اپنے والدین اور بزرگوں کو کرتے دیکھا۔ وہی خود بھی کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان کے نقائص والدین کو نظر نہیں آ سکتے۔ البتہ دوسرے لوگ جب ایسے بچوں کو دیکھتے ہیں۔ تو انہیں فوراً ان کی یہ باتیں کھٹکتی ہیں۔

اس سلسلے میں جس چیز نے مجھے یہ مضمون سپرد قلم کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ وہ چند ایسی مائیں ہیں۔ جنہیں بیمار پڑے رہنے کی عادت ہے۔ اور جن کی اس عادت کا بہت برا اثر میں نے ان کی اولاد پر پڑتے دیکھا ہے۔ ان خواتین کی عادت ہے۔ کہ ذرا سی کوئی شکایت پیدا ہوئی۔ اور وہ منہ سر لپیٹ کر بستر پر پڑ گئیں۔ نہ خانہ داری سے مطلب نہ بچوں کے رکھ رکھاؤ سے سروکار۔ بس اس طرح پڑی ہائے ہائے کر رہی ہیں۔ جیسے خدانخواستہ کوئی نہایت مہلک مرض ہو گیا ہے۔ حکیم ڈاکٹر آ رہے ہیں۔ دوائیں کوٹی پیسی جا رہی ہیں۔ میزوں پر دواؤں کی شیشیوں

کا انبار لگا ہے۔ غرض گھر اچھا خاصا ہسپتال بنا ہوا ہے۔

ایسی ماؤں کے بچے بھی یہی عادت سیکھ لیتے ہیں۔ ان میں بچپن کی تر و تازگی پیدا ہونے نہیں پاتی۔ چھوٹی چھوٹی تکلیفیں جن کا بچے عام طور پر خیال بھی نہیں کرتے۔ ان کے لئے مرض بن جاتی ہیں۔ اور وہ بھی اماں جان کی طرح بستر پر پڑا رہنا اور ہائے وائے کرنا سیکھ جاتے ہیں۔

میں نے ایک اسی قسم کے گھرانے میں دیکھا۔ کہ بچے کھیل بھی بیمار اور ڈاکٹر کا کھیل رہے ہیں۔ ایک بچہ اپنی اماں جان کی طرح بیمار پڑا کراہ رہا تھا۔ دوسرا حکیم بنا نبض دیکھ رہا تھا۔ تیسرا تیماردار بنا ہوا تھا۔

اب بتائیے۔ کہ ایسے بچے بڑے ہو کر بھلا کیا نہیں گے؟ لڑکیوں پر ایسی ماؤں کا اور بھی برا اثر ہوتا ہے۔ صحت پہلے ہی کمزور رہتی ہے۔ پھر ایسے نمونے نظر آتے رہتے ہیں۔ وہ بھی آئے دن بیمار بنا رہنا سیکھ لیتی ہیں۔ یہ لڑکیاں بیاہ کر جب سسرال جائیں گی۔ تو وہاں ان کی کیا کیفیت ہوگی؟ خوبی قسمت سے سسرال والوں نے برداشت کر لیا۔ تو پھر تو کرا ہتے کراہتے زندگی گزر جائے گی۔ لیکن اگر اس کے برعکس ہوا۔ تو پھر تو زندگی عذاب اور گھر دوزخ کا نمونہ بننے میں کوئی کسر نہ رہے گی۔ یہ سب کس کا قصور ہے؟ بری تربیت کا۔

ہندوستانی مائیں اپنی اولاد کے سکھ کے لئے جان قربان کرنے کو تو ہر وقت حاضر رہتی ہیں لیکن ان سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنی اولاد کا مستقبل سدھارنے کو اپنے اوپر کسی قدر صبر کر کے ایسا نمونہ پیش کریں۔ جس سے اولاد فائدہ اٹھا سکے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ بعض عورتوں کو رفتہ رفتہ کچھ ایسی عادت پڑ جاتی ہے۔ کہ دکھ بیماری کی سہار ہی نہیں رہتی۔ لیکن اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا؟ جب بچہ بیمار پڑتا ہے۔ تو راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹ دی جاتیں؟ آخر میٹھی نیند سونے کی عادت بھی بہت پرانی ہوتی ہے۔ بچوں کی بھلائی کے خیال سے جس طرح ایسے موقعوں پر اپنے اوپر جبر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض قابل اعتراض مثالیں پیش کرنے سے بھی احتراز ضروری ہے۔

بڑی دقت یہ ہے۔ کہ تربیت میں اس قسم کے امور کو کچھ اہم نہیں سمجھا جاتا۔ اگر ایک مرتبہ ان کی اہمیت سمجھ کر ہر ماں دل میں یہ ٹھان لے۔ کہ وہ اپنی اولاد کے لئے ایک نمونہ بن کر دکھائے گی۔ تو ہندوستانی لڑکوں اور لڑکیوں کے متعلق وہ تمام شکایات رفع ہو جائیں۔ جو عام طور پر سننے میں آتی رہتی ہیں۔

عزیزہ خاتون بنت محمد سرور صاحب

پان

پان کھانے کا شوق عورتوں کو زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن میرے خیال میں پان کھانے والی بہنیں اس غرض سے پان استعمال نہیں کرتیں۔ کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ اس سے عموماً لبوں کی خوبصورتی بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔ چنانچہ بہنوں کی معلومات کے لئے پان کھانے کے نقصان اور فائدے مختصر طور پر بیان کرنا غالباً نامناسب نہ ہوگا*

ڈاکٹروں نے پان کے اجزا پر تجربے کرکے دریافت کیا ہے۔ کہ اس میں ایک ایسا جُز بھی شامل ہے۔ جو متلی اور درد سر کے لئے فائدہ بخش ہے۔ علاوہ بریں غذا ہضم کرنے میں یہ معدہ کو بہت مدد دیتا ہے* جب پان چبایا جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ سے مُنہ میں تھوک زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ تھوک غذا ہضم کرنے میں بہت فائدہ مند ہے* پھر پان جب معدہ میں پہنچتا ہے۔ تو معدہ کے بعض غدودوں کو بھی برانگیختہ کرکے اپنے اپنے کام میں تیز کر دیتا ہے۔ چنانچہ جو خوراک اس وقت معدہ میں موجود ہوتی ہے۔ وہ بہت جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ لہذا میرے خیال میں کھانا کھانے کے بعد ایک گلوری پان کھا لینا قوت ہاضمہ کے لئے بہت مفید ہے لیکن اس سے زیادہ کی عادت اچھی نہیں۔ کیونکہ ہر چیز میں اعتدال ضروری ہے*

زیادہ پان کھانے سے قوت ہاضمہ زائل ہو جاتی ہے۔ بھوک کم معلوم ہوتی ہے۔ اور زبان میں خراش پڑ جاتی ہیں* اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ جو بہنیں کثرت سے پان استعمال کرتی ہیں۔ ان کے دانتوں کی رنگتیں کالی پڑ جاتی ہیں۔ چونا وغیرہ ان کے دانتوں کے شگافوں میں جم جاتا ہے* یہ چونا دانتوں کو از حد نقصان پہنچاتا ہے۔ دانتوں کی جڑ کمزور اور ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ اور بڑھاپا وقت سے پہلے اپنا اثر دکھاتا ہے* ماسوا اس کے سب سے بڑا نقصان یہ ہے۔ کہ زبان میں خدا نے حس کا جو مادہ دیا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ زائل ہو جاتا ہے۔ اور زبان میں کسی مزے کی تمیز کی قوت باقی نہیں رہتی*

میں اپنی بہنوں کو مشورہ دوں گی۔ کہ دونوں کھانوں کے بعد ایک ایک گلوری پان ضرور کھا لیا کریں۔ کیونکہ اس سے بہت سے ایسے امراض کا سدباب ہو جاتا ہے۔ جو ہاضمہ کے فعل کی خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ کی عادت نہ رکھیں۔ کیونکہ اس کی لت ایسی بری ہے۔ کہ جب پڑ جاتی ہے۔ تو پھر کبھی نہیں چھوٹتی* بعض بہنیں ایسی بھی ہیں۔ کہ پان زیادہ کھانا ضرور معیوب سمجھتی ہیں۔ لیکن جب کہیں دعوت میں جاتی ہیں تو اخلاقاً یا تہذیباً زیادہ پان کھانے سے پرہیز نہیں کرتیں* میں اس قسم کے اخلاق و تہذیب کو بہت برا تصور کرتی ہوں* مجھے قوی امید ہے۔ کہ بہنیں میرے اس ناچیز مشورہ پر عمل پیرا ہونے کی کوشش فرمائیں گی* راقمہ مسز محمد یحییٰ منصف بکسر

شہیدوں کی عید

فرض پورا کر چکے فرصت ملی ہر کام سے۔
مقبروں میں سو رہے ہیں آج کس آرام سے*
صبح کی صورت اُٹھے تھے رات کے آغوش سے
حال کے انوار چمکے تھے نقابِ دوش سے*
ان کا اُٹھنا تھا۔ کہ تقدیرِ اخوت جاگ اُٹھی
خوابِ غفلت میں پڑی تھی آدمیت جاگ اُٹھی*
ان سروں پر سایہ افگن تھا علم اسلام کا۔
ان لبوں پر درد تھا اللہ کے پیغام کا*
آیۂ رحمت تھے یہ سارے زمانے کے لئے۔
آئے تھے اُجڑی ہوئی دنیا بسانے کے لئے*
ہوگئیں آباد ان کے نام سے آبادیاں۔
رشکِ جنت بن گئیں ان کے لہو سے وادیاں*
بام و در۔ کہسار و میداں خشک و تر پست و بلند
ہوگئے اللہ والوں کی مدد سے بہرہ مند*
زندگی میں بس گئے آباد کاروں کی طرح۔
صبر کی مدت گزاری روزہ داروں کی طرح*
پیکرِ ہستی میں یہ روح محبت بھر چکے۔
آئے تھے جس کام کو وہ کام پورا کر چکے*
آخر ان کی عمر کا دن ڈھل گیا شام آگئی۔
یعنی صبح عید کا شب لے کے پیغام آگئی*
آخری روزہ کیا افطار حق کے نام پر۔
بہرِ اظہارِ اطاعت جھک گئے سجدوں میں سر*
قبلہ رُو ہو کر مصلوں پر نمازی سو گئے۔
فتح کر کے جنگ کو مردانِ غازی سو گئے*
رات ان کی ہے۔ کہ روزِ عیش کی تمہید ہے
ان شہیدوں کے لئے صبحِ قیامت عید ہے*

(از مخزن) ابوالاثر حفیظ جالندھری

قسم کھانا

بعض بہنوں کو قسم کھانے کی عادت کچھ ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ بغیر قسم کے ایک بات نہیں کر سکتی ہیں* یہ بھی تو نہیں۔ کہ کسی بات کا دوسرے کو یقین نہ آتا ہے۔ اور وہ قسم کھا کر یقین دلانا چاہتی ہوں۔ قسم ان کا تکیہ کلام ہی بن جاتی ہے*

ہمارے پڑوس میں ایک ایسی ہی بہن صاحبہ ہیں۔ جو ہر بات میں خدا کی قسم۔ رسول پاک کی قسم۔ کلام مجید کی قسم کا استعمال کرتی رہتی ہیں۔ اور پھر ستم یہ کہ اکثر جھوٹی قسمیں کھاتی ہیں* ایک مرتبہ ان کی صاحبزادی سے کوئی قصور سرزد ہوا۔ تو فوراً جل کر بولیں۔ رسول پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ کہ آج اس کم بخت کو جان سے مار ڈالوں گی۔ کلام پاک کی قسم۔ اگر آج اسے کوئی پھانسی دے دے تو میں اس کا خون معاف کر دوں گی*

اگلے روز میری ان بہن صاحبہ سے ملاقات ہوئی۔ تو میں نے انہیں شرمندہ کرنے کو کہا۔ بہن

کل آپ نے اپنی بیٹی کا خون تو ضرور کر دیا ہوگا۔ آپ
قسمیں کھا کھا کر اپنا ارادہ ظاہر فرما رہی تھیں ؛

میری اس بات پر آپ فرماتی کیا ہیں۔ "خدا
کی قسم میں نے ہرگز یہ نہ کہا تھا۔ کہ میں اسے مار ڈالوں
گی۔ اور اگر میری زبان سے ایسی بات نکل
بھی گئی۔ تو آپ نے خوب زبان پکڑی" ؛

ایک مرتبہ میری چچی صاحبہ نے اپنی بہن صاحبہ
سے باتوں باتوں میں اپنی اختلاج قلب کی بیماری
کی شکایت کی۔ اس پر بہن صاحبہ کے منہ سے فوراً
نکلا" میرے پاس ایک ایسی دوا ہے۔ کہ ایک
مرتبہ کھاؤ گی۔ تو خدا کی قسم اختلاج قلب کی شکایت
بالکل دور ہو جائے گی۔ رسول پاک کی قسم بس
ایسی دوا ہے۔ کہ انشاء اللہ کل ہی اس کا فائدہ
معلوم ہو جائے گا" ؛

ایک مرتبہ بہن خط لکھ رہی تھیں۔ میں نے
پوچھا" کیا کر رہی ہو؟" بولیں" کچھ نہیں۔ انگریزی
لکھنے کی مشق کر رہی تھی" میں نے کہا" انگریزی
تو آپ نہیں لکھ رہی تھیں۔ سچ کہہ دینے میں کیا
مضائقہ تھا؟" بولیں" اللہ کی قسم جو جھوٹ بولتی
ہوں" ؛

میں نہیں سمجھ سکتی۔ کہ قسمیں کھانا آخر کیا معنی
رکھتا ہے۔ یہ تو خود اپنے آپ کو جھوٹا قرار دینا ہے"
قسم کھانے کی ضرورت اس کو محسوس ہو سکتی ہے
جو سمجھتا ہے۔ کہ میری بات پر کسی کو اعتبار نہیں
ہے۔ ورنہ آخر دوسری بہنیں بھی تو ہیں۔ جو بغیر
کوئی قسم کھائے بات کرتی ہیں۔ اور لوگ ان کی
باتوں کو صحیح سمجھتے ہیں ؛

قسم کھانا نہایت گری ہوئی عادت اور بری
تربیت کا ثبوت ہے۔ جو لوگ قسم کھاتے ہیں۔
ان کی قدر ہر ایک کے دل سے کم ہو جاتی ہے۔
اور ان کی گفتگو کا ہمیشہ دل پر یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ
یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قسم کھانا
گناہ بھی ہے۔ جس کا کفارہ یہ ہے۔ کہ دس مسکینوں
کو کھانا کھلایا جائے۔ یا تین دن تک متواتر روزے
رکھے جائیں۔ جن بہنوں کو اس کی عادت ہے۔
اگر وہ اپنی زبان پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ اور
رفتہ رفتہ اس کو چھوڑ کر اندازہ لگائیں۔ تو دیکھیں
گی۔ کہ ان کی گفتگو میں خود بخود صداقت اور خلوص
کا رنگ آ جائے گا ؛

م۔ ف نہٹوری بنت سید علی اکبر صاحب

وقت کی قدر

جس طرح زندگی کے لئے غذا کی ضرورت ہے
اسی طرح قومی ترقی کے لئے وقت کی پابندی
لازمی ہے۔ لیکن ہماری یہ کیفیت ہے۔ کہ وقت
کی قدر کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی محض اپنی بے پروائی
کے باعث اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ نہ ہمیں

اپنے وقت کا خیال ہوتا ہے۔ نہ دوسروں کا۔ اپنے وقت کا نظام عمل ہمارے بس سے کچھ ایسا باہر ہوگیا ہے۔ کہ ہم کسی امتحان میں بھی پورے نہیں اُترتے۔ کسی سے ملاقات کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ مگر ہماری مصروفیتیں مقررہ وقت سے آدھ گھنٹے بعد ختم ہوتی ہیں۔ کہیں کھانے پر جانا ہے لیکن ہم اس وقت پہنچتے ہیں۔ جب مہمان کھانا شروع کر چکے ہوتے ہیں۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے۔ کہ ایسے تجربوں کے بعد بھی ہم اس قدر نادم نہیں ہوتے جتنا ہمیں ہونا چاہیئے تھا۔ ہم اس معاملے میں بے حیا بن چکے ہیں۔ اور حقیقت میں یہی بے حیائی ہے۔ جو ہماری معاشرت اور قومی ترقی کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔

اب تو ہندوستانیوں میں عموماً اور مسلمانوں میں خصوصاً وقت کی ناقدری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ضرب المثل بنتی جاتی ہے۔ گزشتہ دنوں کا ہی ذکر ہے۔ کہ میری خالہ جان نے مجھ سے کہا۔ کہ جا کر لیڈی ڈاکٹر مس دمن بائی کا ما کو بلا لاؤ۔ تعمیل ارشاد میں میں لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے ہاں پہنچا۔ اور انہیں یہ پیغام پہنچایا۔ وہ اس وقت مصروف تھیں۔ تو آ میرے ساتھ چل نہ سکتی تھیں۔ بولیں تم چلو۔ میں آدھے گھنٹے کے بعد پہنچ جاؤں گی۔ مجھے وقت کی پابندی کے متعلق مسلمان بھائیوں اور بہنوں کا تجربہ تھا۔ چنانچہ میں نے یہ کہنا مناسب سمجھا۔ کہ "دیکھئے کہیں بھول نہ جایئے گا"۔

میرے مُنہ سے یہ فقرہ سن کر لیڈی ڈاکٹر صاحبہ نے بے انتہا بُرا مانا۔ اور غصہ سے جواب دیا۔ "میں کیا مسلمان ہوں۔ جو وقت دے کر بھول جاؤں گی"۔

بیان نہیں کرسکتا۔ کہ ان کا یہ فقرہ سُن کر مجھے کس قدر صدمہ ہوا۔ میں نے اپنے جی میں کہا اللہ اللہ اب یہ کیفیت ہوگئی ہے۔ کہ غیر مسلموں کو اشارتاً بھی وقت کی پابندی کی تاکید کی جائے۔ تو وہ اسے اپنی اور اپنی تربیت کی توہین سمجھتی ہیں۔ اور مسلمانوں کی ذلت اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ وقت کی پابندی نہ کرنا ان کی قومی ضروریات میں شمار ہوتا ہے۔

جس طرح فضول خرچ امیر اپنی دولت اللّوں تللّوں میں اُڑا کر تھوڑے ہی عرصہ میں قلاش اور دنیا کی نظروں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ یہی ہماری کیفیت ہے۔ بے بہا وقت کا جو ذخیرہ فائدہ اُٹھانے کے لئے ہمیں دیا جاتا ہے۔ وہ نہایت بے پروائی سے ہمارے ہاتھوں خرچ ہوتا رہتا ہے۔ اور بہت جلد اس کا ایک نہایت قابل قدر حصہ بے کار رکھ کر ہم متمدن لوگوں کی نظروں میں رُسوا ہو جاتے ہیں۔

متمدن لوگ وقت کی کیسی کچھ قدر کرتے ہیں۔ اس واقعہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

کہ ایک جہاز میں کوئی مولوی صاحب سوار ہوئے۔ جو لوگوں کو تاکید کیا کرتے تھے۔ کہ اللہ کے بندو! جلدی مر جاؤ۔ تاکہ اس گناہ کی زندگی سے جلدی نجات مل جائے +

کرنا خدا کا کیا ہوا۔ کہ کچھ سفر کے بعد طوفان بادوباراں نے جہاز کو گھیر لیا۔ اور جہاز کے تلے میں چھید ہو گیا۔ اسی راستے پانی جہاز میں بھرنے لگا۔ اور اندیشہ ہوا۔ کہ جہاز ڈوب جائے گا۔ تمام جہاز میں ایک اضطراب پھیل گیا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جان کی پڑی۔ مستری اور کاری گر تو جہاز کا چھید بند کرنے کی فکر میں تھے۔ اور مسافر بیچینی سے گھبرائے گھبرائے پھر رہے تھے + مولوی صاحب کی گھبراہٹ کا بھی کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ لوگوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ جلدی مر جاؤ۔ تاکہ گناہوں کی زندگی سے نجات مل جائے۔ لیکن اس وقت تو موت اپنے سر پر آن پہنچی۔ تو حواس غائب ہو گئے۔ ہر ایک سے التجائیں کر رہے تھے۔ کہ للہ کوئی ایسی تدبیر بتاؤ۔ جس سے جان بچ جائے + لیکن اس وقت کسے اتنا ہوش تھا۔ کہ ان سے بات کرتا + یہ اسی طرح سٹپٹائے ہوئے پھر رہے تھے۔ کہ جہاز کے ایک حصے میں ایک انگریز کو دیکھا۔ کہ آرام کرسی پر بیٹھا ایک کتاب کے مطالعہ میں محو ہے + ایسے وقت اس کا یہ سکون دیکھ کر مولوی صاحب بڑے حیران ہوئے۔ اور جلدی سے آگے بڑھ اور اس کا شانہ ہلا کر بولے۔ "اجی حضرت آپ مطالعہ میں غرق ہیں۔ کچھ خبر بھی ہے۔ کہ جہاز ڈوبنے کو ہے"+

انگریز نے مولوی صاحب کی طرف دیکھا۔ اور متانت سے بولا۔ "ہاں میں نے سنا تو ہے مگر جہاز کو بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے"+

مولوی صاحب بولے۔ "کوشش تو کی جا رہی ہے۔ لیکن یہ جناب کس شغل میں اس وقت مصروف ہیں۔ یہ وقت پڑھنے کا ہے"؟

انگریز نے مولوی کو دیکھ کر کہا۔ "میں کیا کروں؟"

مولوی صاحب بولے "ارے بھئی جان بچانے کی کوشش کرو"+

انگریز نے جواب دیا۔ "اس وقت جان بچانے کی بھلا کیا کوشش کی جا سکتی ہے۔ پھر وقت ضائع کرنے سے حاصل؟ میں کچھ پڑھوں کیوں نہ؟"

مولوی صاحب کی حیرت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا۔ بولے "تو یہ کتاب آپ کو ڈوبنے سے بچالے گی؟"

انگریز نے کہا۔ "نہ اس کتاب کا مطالعہ ڈوبنے سے بچا سکتا ہے۔ اور نہ آپ کی طرح ادھر ادھر پریشان پھرنا۔ جو کچھ اللہ چاہے گا۔ ہو رہے گا مجھے اس کی ذات پر پورا بھروسہ ہے۔ اور جب تک میرے جسم میں جان ہے۔ میں ناامید نہیں ہو سکتا۔ لیکن تضیع اوقات مجھے ناپسند ہے۔ جب تک جہاز سلامت ہے۔ میں اپنا وقت پریشان ہو کر کیوں

ضائع کروں۔ اس سے کچھ فائدہ کیوں نہ اُٹھایا جائے؟"

یہ کہہ کر انگریز پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔ اور مولوی صاحب اَور زیادہ پریشان ہونے اور دوسرے مسافروں کو پریشان کرنے کے لئے دوسری طرف بھاگ گئے ؛

خدا معلوم یہ واقعہ صحیح ہے۔ یا بنایا گیا ہے لیکن اگر بنایا بھی گیا ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اس سے دو قوموں کی خصوصیات واضح کرنا مقصود تھا۔ اور مُصنف اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہے۔ دیکھئے ہم لوگ اس سے مستفید ہونے کا تہیہ کب کرتے ہیں ؛

نور محمد میمن۔ از بمبئی

معمّے کا انعام

مئی کے ماہوار اڈیشن میں جو معما شائع ہوا تھا اس کا صحیح حل یہ ہے :۔

(۱) زہرہ بیگم۔ (۲) سنجوگ۔ (۳) سوکن کا جلاپا۔ (۴) اختر النساء بیگم۔ (۵) گلزار نسیم۔ (۶) سگھڑ بیٹی۔ (۷) بانگ درا۔ (۸) خانہ داری۔ (۹) عصائے پیری ؛

بذریعہ قرعہ اندازی انعام کی مستحق محترمہ صدیق النساء بیگم صاحبہ دختر خورد خاں بہادر شیخ مہدی حسین نیجر ریاست سمن پور۔ مہدی منزل نیض آباد قرار پائی ہیں۔ چنانچہ ان کی خدمت میں انعام کے پانچ روپے روانہ کئے جاتے ہیں ؛

ہمشیر احمد مبین صاحبہ کا معما چونکہ نئی قسم کا تھا اس لئے بہنوں نے اس کا حل روانہ کرنے میں غیر معمولی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔ افسوس ہے۔ گنجائش کم ہونے کے باعث ہم اس مرتبہ تمام تہذیبی بہنوں کے اسمائے گرامی درج اخبار نہیں کر سکتے۔ جنہوں نے معمے کا صحیح حل روانہ فرمایا تھا۔ اُمید ہے۔ وہ ہمیں معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گی + اس مقابلے کو کامیاب بنانے کے لئے جن بہنوں نے ذوق وشوق سے حصہ لیا۔ ان کی اس عنایت کے ہم احسان مند ہیں ؛

نیجر

چار مفید چیزیں

ہمیں کارخانہ امرت دھارا سے چار چیزیں ریویو کے لئے موصول ہوئی ہیں + (۱) امرت دھارا (۲) امرت دھارا صابن۔ (۳) امرت دھارا مرہم (۴) امرت دھارا کی میٹھی ٹکیہ + ان میں سے امرت دھارا کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ اسے دیکھ کر اس کے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ قیمت فی شیشی ۸/ اور نصف

شیشی عہ ہے + امرت دھارا صابن کے متعلق موجد کا دعویٰ ہے۔ کہ یہ جلدی امراض کے لئے بہت مفید ہے + اگرچہ بعض لوگوں کو اس کی بُو کسی قدر ناگوار ہو گی۔ لیکن تجربے سے اس کے جو فوائد ظاہر ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہوئے ہمیں اس کے استعمال کی سفارش کرنے میں کوئی امر مانع نظر نہیں آتا + اس کے تین ٹکیہ کے بکس کی قیمت ۱۴ر اور ایک ٹکیہ کی ۵ رہے + امرت دھارا مرہم داد چنبل وغیرہ کے علاوہ زخم اور آبلہ کے لئے بھی مفید ہے۔ اور مچھر۔ بھڑ وغیرہ کے کاٹے اور تیزاب وغیرہ سے جلے ہوئے مقام پر بھی لگایا جاتا ہے۔ قیمت فی بکس عہ + امرت دھارا کی میٹھی ٹکیہ بچوں اور ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو کسی وجہ سے امرت دھارا استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ ٹکیہ بچے بڑی خوشی سے چوستے رہتے ہیں۔ اور اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ جو امرت دھارا میں پائی جاتی ہیں۔ ایک ڈبیا کی قیمت جس میں ایک سو ٹکیہ ہوتی ہے۔ ۱۴ر ہے +

منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ۔ امرت دھارا روڈ لاہور سے طلب کریں +

محفل تہذیب

میں نہایت رنج و غم سے اطلاع دیتی ہوں۔ کہ میری رشتہ کی بہن حسن بانو نے بوقت ۱۰ بجے صبح عید کو بعارضہ طاعون انتقال کیا۔ پھر مرحومہ کے تیجے کے دن ۲۲ عید بوقت ۲ بجے دن کے ان کی چھوٹی بہن بلقیس بانو بھی انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون + دونوں بہنیں بہت عقل مند اور سلیقہ شعار تھیں۔ افسوس کہ کنواری ہی اُٹھ گئیں + دعا فرمائیے۔ کہ خداوند کریم دونوں کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے + آمین۔ اگر کوئی بہن یا بھائی قطعہ تاریخ وفات لکھ دیں۔ تو بہت ممنون ہوں گی + شفیق فاطمہ اہلیہ شوکت حسین زبیری مراد آباد

بہت رنج و قلق کے ساتھ لکھتی ہوں۔ کہ میری چچی والدہ اسلام انور مراد آباد نے ایک ہفتہ چیچک کی سخت تکلیف اُٹھا کر ۱۵ مئی بوقت شام پانچ بجے بیرٹھ میں انتقال کیا۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور غمزدوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے + ہمشیرہ اسلام محمود

نہایت رنج و قلق سے مطلع کرتا ہوں۔ کہ گزشتہ اتوار بتاریخ ۱۳ مئی ۱۹۲۸ء ۱۲ بجے دن کے میرا بڑا لڑکا خورشید حیدر بعمر پانچ سال بعارضہ نمونیا اور خسرہ بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے

داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون تہذیبی بہنیں دعا فرمائیں۔ کہ خداوند تبارک تعالیٰ اس معصوم کو ہماری مغفرت کا موجب بنائے۔ اور ہم سب کو صبر و استقلال بخشے۔ راقم مردہ دل محمد حیدر قریشی۔ لاہور

دور حاضرہ کی محترم اور علم دوست نامور خواتین اسلام کا تذکرہ زیر ترتیب ہے۔ لہذا معزز اور لائق خواتین سے التماس ہے۔ کہ وہ اپنے مختصر حالات عمر۔ مضامین نثر یا نظم مگر مختصر جن کو اپنا شاہکار سمجھتی ہوں۔ چاہے وہ مطبوعہ ہی کیوں نہ ہوں۔ مراد یہ کہ طرز انشا کا نمونہ ہوں۔ جلد سے جلد مندرجہ ذیل پتے پر بھجوا کر اس زمانے میں جبکہ خواتین و حضرات میں ذوق ادب کا نقدان ہے۔ اپنے ذوق علم کا ثبوت دیں۔ اور ہمیں مسرور کریں۔

جو خواتین پردہ نہیں کرتیں۔ ان سے التجا ہے۔ کہ اپنا فوٹو بھی بھجوائیں۔ جو نہایت اہتمام و احترام کے ساتھ درج کیا جائے گا۔ فوٹو بہت سی معزز خواتین نے بھجوا ئے ہیں۔

پتہ:۔ جناب محمد عبدالرزاق بسمل۔ بیرون دلبیر پورہ حیدر آباد دکن

راقمہ عاجزہ مس حجاب اسمٰعیل۔ مدراس

میں نے اپنے ایم اے او گرلز اسکول کی پہلی سالگرہ کی تقریب پر تاریخ ۵ مئی ۱۹۲۸ء بنظر برکت بعد مغرب میلاد شریف کیا۔ جس میں اکثر معزز حضرات تشریف لائے۔ اور داخل حسنات ہوئے۔ میں ان کی تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اور ان حضرات کو جو اسکول کے معاون ہیں۔ اس کامیابی کی مبارک باد دیتی ہوں۔ باقی برادران و خواہران اسلام سے خواستگار امداد ہوں۔ امید ہے۔ کہ وہ بھی ازراہ ہمدردی قوم کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گی۔

خاکسار حسن آرا بیگم۔ مسز ایچ اے حکم۔ کلکتہ

تہذیب کے گزشتہ پرچے میں حکیم عمر خیام کی ایک نظم شائع کی گئی تھی۔ اب محترمہ نکہت نسرین نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ ایک شعر گفتمش چیست گو تماشا لی نفس الخ۔ عمر خیام کے کلام میں کہیں ان کی نظر سے نہیں گزرا۔ اور اس میں شعرائے فارس کے کلام کا کوئی انداز بھی نہیں پایا جاتا۔ نیجر

یہ مضامین درج نہ ہوں گے:۔

سچی دوستی۔ بیوی کی محبت۔ نرگس۔ تعلیم ورزش کشیدہ کاری کی کونڈی۔ افلاس اور علمائے سلف۔ پردہ (از بمبئی) عورت۔ مجھے حق نے پانی ہی پانی میں رکھا۔ پیا کے دوارے۔

ولائتی معلومات

خاص تہذیب کے لئے

موجودہ روسی معاشرت

پُرانے مذہبی قانون کی رُو سے روس میں طلاق کی اجازت نہ تھی۔ اگر لڑکا اور لڑکی عیسائیت کے دو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے ہوں۔ تو ان کی باہم شادی ہو جانا قریب قریب ناممکن تھا۔ اور "سول میرج" کے تو نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا۔ انقلاب کے بعد ہر فرد بشر کے سر پر آزادی کا بھوت سوار ہو گیا۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں نے قدیم معاشرتی قوانین کو حقارت سے ٹھکرانا شروع کر دیا۔ اور اشتراکیت پسند تو اس سلسلے میں سب سے بازی لے گئے۔ لیکن اب اس ہڑ بونگ کا قریباً خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور اگر کہیں اس کا تھوڑا بہت اثر باقی ہے۔ تو صرف اعلیٰ حکام اور امراء کے گھرانوں میں پیشہ ور لوگوں کے نزدیک محبت۔ شادی اور خانہ داری کے مسئلے ان "کم بخت لاینحل مسائل" میں شامل ہیں۔ جو ازل سے انسانی دماغ کے لئے پریشانی کا باعث ہو رہے ہیں۔ اور ابھی تک سلجھنے میں نہیں آئے۔ البتہ ایک بات نہایت وثوق سے کہی جا سکتی ہے۔ یعنی شادی کا پرانا طریقہ جس میں والدین مختار کل ہوتے تھے۔ روس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مفقود ہو چکا ہے۔ شہروں میں عام طور پر سول میرج کا دور دورہ ہے۔ اس طرح شادی ہو جانے کے بعد گرجا میں جا کر رسوم شادی کی ادائیگی ضروری نہیں سمجھی جاتی۔ البتہ اگر دولھن کے والدین زیادہ اصرار کریں۔ تو گرجا میں جا کر معمولی رسوم ادا کر دی جاتی ہیں۔ لیکن ایسا اتفاق بہت کم ہوتا ہے۔ اور یہ رسوم اگر کوئی ادا کرتا بھی ہے۔ تو اس وقت جب میاں بیوی ایک دو بچوں کے والدین بن جائیں۔ بچے پیدا ہو جانے پر میاں بیوی محض اس وجہ سے ایک دوسرے سے وابستہ نظر نہیں آتے۔ کہ ان کی باہم شادی ہو چکی ہے۔ بلکہ اس وقت سے دونوں ایک دوسرے کو اپنی زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اب وہاں کی عورتوں میں خود اعتمادی کا جذبہ بہت ترقی کر چکا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو گھر کے تمام معاملات کے متعلق رائے قایم کر کے مشورہ دینے کی ہر طرح مستحق سمجھی جاتی ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی عادت سے واقف ہو کر باہمی رواداری کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ قانون یا معاشرت کی زنجیریں نہیں ہوتیں۔ بلکہ دونوں

اسے آرام و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے لئے نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ اب روس میں خاوندوں کو پہلے کی طرح اپنی بیویوں پر حسب دل خواہ ظلم و ستم ڈھانے کی آزادی نہیں۔ کیونکہ بیویوں کے حقوق ان کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ مزید برآں اگر کوئی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔ تو بیوی کو بچوں کی پرورش کے لئے اس سے مناسب رقم حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔

لیکن ان تمام سہولتوں کے باوجود روس میں عورتوں کی حالت قابل رشک نہیں۔ انقلاب سے پہلے بھی اور خصوصاً جنگ عظیم کے دوران میں بے شمار عورتیں کارخانوں میں کام کر رہی تھیں۔ انقلاب نے اس تحریک کو اور بھی ترقی دی۔ اور رفتہ رفتہ عورتیں فرائض خانہ داری ادا کرنے کے موقعوں سے محروم ہو گئیں۔ آبادی کا بہت بڑا حصہ مفلس ہے۔ اور ضروریات زندگی بہت گراں ہیں۔ چنانچہ عورتیں گھر کی چار دیواری سے نکل کر کارخانوں وغیرہ میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر انہیں وہ سہولتیں بھی بہت ہی کم حاصل ہیں۔ جو دوسرے ملکوں میں کارخانوں میں کام کرنے والی ماؤں اور خانہ دار بیویوں کو میسر ہیں۔ بچوں کے گھروں اور سرکاری پرورش خانوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب چونکہ اکثر عورتیں ایسی حالت میں ہیں۔ کہ انہیں بچوں کی نگہداشت کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔ اور بے چاریاں کچھ نہیں سمجھ سکتیں۔ کہ آخر بچوں کے لئے کیا انتظام کریں۔ اس لئے بہت سے بچے پھینک دیئے جاتے ہیں۔ یعنی مائیں انہیں ریل گاڑیوں میں۔ اسٹیشنوں پر پولیس کے تھانوں کے سامنے اور ہسپتالوں کے ملاقاتی کمروں میں چھوڑ آتی ہیں۔ اب یہ حالت قابل افسوس حد تک پہنچ چکی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ روس میں بے گھر بے در بچوں کی پلٹنوں میں نصف سے زیادہ تعداد ان بچوں کی ہوتی ہے۔ جن کی مائیں کارخانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ یا ملازمہ کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں۔

ان واقعات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اگرچہ روس میں عورتیں بظاہر بہت ترقی کر چکی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا ہو جانے کے علاوہ مرد بھی انہیں ہر طرح اپنے برابر سمجھنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہاں ابھی عورتوں کے مصائب میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کی حالت بہتر بنانے کے لئے بہت سی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

ماہر پرواز خاتون

صوبجات متحدہ امریکہ میں ہوابازوں کی تربیت کے لئے کچھ زیادہ اسکول موجود نہیں۔ اور یہ دیکھ کر

حیرت ہوتی ہے۔ کہ ملک بھر میں جو اسکول نظم و نسق اور تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بہترین ہونے کے علاوہ سب سے کامیاب شمار ہوتا ہے۔ اس کی ہستی تمام تر ایک عورت کی قابلیت اور ہمت کی مرہون منت ہے۔

ایک امریکن اخبار میں اس اسکول کے کچھ حالات شائع ہوئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ لونگ آئلینڈ میں واقع ہے۔ اور یہاں کے تربیت یافتہ ہوا بازوں کو عموماً دوسروں پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کی بانی مس اولو ڈیکس ہیں۔ مس موصوفہ ان معدودے چند ماہر پرواز خواتین میں سے ہیں۔ جو اپنے وطن کے علاوہ غیر ممالک میں بھی کافی شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کچھ عرصہ کنگلی کے گورنر کی سکرٹری بھی رہ چکی ہیں۔

مس موصوفہ نے عام ہوا بازوں کے مانند معمولی واقفیت حاصل کر لینے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہوائی جہاز اور اس کے انجن کے متعلق معمولی سے معمولی جزئیات سے بھی انہیں مکمل واقفیت حاصل ہے۔ آپ فرمایا کرتی ہیں۔ کہ ہوا باز کو مشین کے ایک ایک پرزے کے متعلق مکمل معلومات حاصل ہونی چاہئیں اور جب تک وہ خود تجربہ کر کے ان معلومات کی پوری طرح تصدیق نہ کر لے۔ اس وقت تک اسے باقاعدہ کام شروع نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ ان کے اسکول میں اسی اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور جب تک کوئی طالب علم ذرا ذرا سی تفصیلات سے بھی بخوبی واقف نہ ہو جائے۔ اسے فارغ التحصیل نہیں سمجھا جاتا۔

اس اسکول میں ایک سو پچاس مرد تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اور حال ہی میں صرف نیویارک سے آ کر داخل ہونے والی خواتین کی تعداد تیس تک پہنچ گئی ہے۔ ان سب کو پہلے بالکل ابتدائی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور انجن کے ایک ایک کل پرزے سے پورے طور پر واقف ہو جانے سے پہلے کسی کو ہوائی جہاز میں پرواز کی اجازت نہیں دی جاتی۔ مس ڈیکس کے اسکول کے تربیت یافتہ ہوا بازوں سے صرف اس بات کی توقع نہیں کی جاتی۔ کہ وہ ہوائی جہاز چلا سکیں۔ بلکہ وہ انجن کا ایک ایک پرزہ الگ کر کے پھر کسی کے مشورے کے بغیر انجن کا ہر ایک حصہ خود ہی تیار کر سکتے ہیں۔

علاوہ بریں اس اسکول میں نقشوں اور سمندر کے سفر کے متعلق بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس کے لئے اسکول نے جہاز رانی کے ماہروں کی خدمات حاصل کر کے اس شعبے میں بھی کافی مہارت پیدا کرنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔

مس ڈیکس آج سے چھ سال قبل پرواز کی ماہر مشہور ہو چکی تھیں۔ انہوں نے پہلے پہل [illegible] میں ایک اسکول کی بنیاد رکھی تھی۔ لیکن اندیونہ کے طوفان سے اسکول کی عمارت اور تمام سامان

برباد ہو گیا۔ اس پر مس موصوفہ نے ارادہ کیا۔ کہ
بقیہ سرمایہ سے ایک اور اسکول کسی بہتر مقام پر کھولا
جائے۔ چنانچہ گذشتہ سال اس اسکول کی بنیاد
رکھی گئی۔ اور اسے ایک ہی سال میں اس قدر شہرت
اور مقبولیت حاصل ہو گئی +

خاتون سفیر

آج کل ولائتی اخبارات میں مس سوحی چنگ
کے متعلق بہت کچھ لکھا جا رہا ہے + آپ کو نانکن
(چین) کی قوم پرست حکومت نے چند نہایت ہی
اہم معاملات کے متعلق گفت و شنید کرنے کے لئے
فرانس بھیجا ہے +

ولائتی اخبارات قابل ذکر عورتوں کی عادات
اور قابلیت کے علاوہ ان کے لباس اور معمولی پروگرام
کو بھی بہت اہمیت دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مس موصوفہ
کے معمولی لباس اور سرکاری وردی کی پوری تفصیلات
شائع کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے یورپ میں جتنی
مرتبہ لباس بدلا۔ اور جو جو کپڑے استعمال کئے۔
ان میں سے ہر ایک کا مفصل طور پر ذکر کیا گیا ہے +

لیکن ہمارے نزدیک قابل ذکر بات یہ ہے کہ
ایک مشرقی خاتون یورپ کے گرگ باراں دیدہ مدبروں
سے گفت و شنید کرنے کے لئے منتخب کی گئی ہے
اور اس میں شک نہیں۔ کہ قابلیت کے لحاظ
سے مس موصوفہ ہر طرح اس اہم خدمت کے
موزوں ہیں۔ کیونکہ آپ مختلف انتظامی اور علاقتی
عہدوں پر فائز ہو کر اپنی غیر معمولی قابلیت کا سکہ
بٹھا چکی ہیں +

قیام یورپ کے متعلق آپ نے ایک اخبار کے
نمائندے سے دوران ملاقات میں فرمایا۔ "میں
پیرس میں صرف چھ ماہ قیام کروں گی۔ پھر لندن جانے
کا ارادہ ہے۔ لیکن لندن کے سفر کو میری سرکاری
حیثیت سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ وہاں یہ خدمات
ایک اور صاحب انجام دیں گے۔ میری سرکاری
خدمات کا دائرہ فرانس ہی تک محدود ہے انگلستان
محض سیر و سیاحت کی غرض سے جاؤں گی" +

قابلیت کا اعتراف

حال ہی میں شہر چیسٹر کی میونسپلٹی نے مس
باربرا تھرپ بی اے کو کمیٹی کے مقبوضہ مکانات
کی منیجر مقرر کیا ہے + آپ کو ابتداء میں اڑھائی سو
پونڈ سالانہ تنخواہ ملے گی + کہا جاتا ہے۔ کہ آپ
سے پہلے کسی خاتون کو میونسپلٹی کے اس قدر ذمہ دار
عہدے پر فائز ہونے کا موقع نہیں ملا +

آپ کے تقرر کی تائید کرتے ہوئے ارکان نے
اپنی تقریروں میں اس امر پر زور دیا۔ کہ میونسپلٹی
کے کرایہ داروں سے مرد کی نسبت عورت بہتر طریق
پر نبٹ سکتی ہے۔ اور خصوصاً عورتوں سے عہدہ برآ
ہونا تو عورت ہی کا کام ہے +

خبریں اور نوٹ

ترکی حکومت اس سال کے اندر انگورا میں دو عظیم الشان عمارتیں تیار کرنے والی ہے۔ ان میں سے ایک عمارت وزارت جنگ کے لئے بنائی جائے گی۔ اور دوسری اعلیٰ افسران فوج کے لئے تعمیر ہوگی۔

ترکی۔ اطالیہ اور یونان کے درمیان جو معاہدہ دوستی ہونے والا ہے۔ اس سلسلے میں اطالوی سفیر انگورا پہنچ گیا ہے۔ قبل ازیں میلان کے مقام پر توفیق رشدی پاشا اور مسولینی ایک ایسے معاہدے کے متعلق بات چیت کر چکے ہیں۔ جس سے تینوں طاقتوں میں جنگ کا امکان نہ رہے گا۔ اب اطالیہ اور یونان کے نمایندے انگورا میں جمع ہو کر اس معاہدہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اس موقع پر برطانی سفیر بھی انگورا میں موجود رہے گا۔

انگورا ۲۳ مئی۔ ترکی قومی مجلس میں پرانے عربی ہندسوں کی بجائے جدید یورپین طرز کے عربی ہندسے جاری کرنے کا مسودہ قانون بحث مباحثہ کے بعد منظور ہوگیا۔

کریمیا ۱۷ مئی کو شاہ امان اللہ خاں جنگی جہاز سمرنا میں سوار ہو کر ترکی روانہ ہوگئے۔ چلتے وقت حکام نے پُر تپاک الوداع کہی۔ اور ہوائی جہازوں کا مظاہرہ کیا گیا۔ حکومت سوویٹ کے چند جہاز شاہ افغانستان کے جہاز کے ساتھ گئے۔

شاہ افغانستان قسطنطنیہ پہنچے۔ تو اعلیٰ افسران اور بحری و فوجی حکام نے شاندار خیر مقدم کیا۔ تھوڑی دیر تک آرام کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت اور ملکہ معظمہ اسپشل ٹرین سے انگورا روانہ ہوگئے۔ ۲۰ مئی کو شاہ افغانستان اور ملکہ معظمہ انگورا میں تشریف فرما ہوئے۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ ترکی اور دوسرے وزرائے سلطنت نے اسٹیشن پر آپ کا شاندار استقبال کیا۔

انگورا میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور شاہ افغانستان کے درمیان ایک گھنٹے تک ملاقات رہی۔

غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے شاہ اور ملکہ افغانستان کے اعزاز میں بہت شاندار ضیافت دی۔ اس موقع پر شاہ افغانستان امان اللہ خاں اور غازی مصطفیٰ کمال پاشا صدر جمہوریہ ترکی نے دوستانہ اور مخلصانہ تقریریں کیں۔ مصطفیٰ کمال نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ ترکی و افغانستان کے تعلقات تاریخی حلف ناموں پر مبنی ہیں۔ آپ نے افغانستان کی جغرافیائی حیثیت کی اہمیت کا بھی تذکرہ کیا۔ شاہ امان اللہ خاں نے غازی مصطفیٰ کمال پاشا کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے لئے تحسین و آفرین کا اظہار کیا۔

غازی مصطفیٰ کمال پاشا اور شاہ افغانستان کی

ملاقات کو سیاسی اہمیت دی جاتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ اس ملاقات کے دوران میں مشرق ادنیٰ میں ترکی و افغانستان کی حکمت عملی کے متعلق گفتگو ہوئی۔ اور مشرق ادنیٰ کے باشندوں کی معاشرتی و تمدنی اصلاح کی طرف رہنمائی کرنے کی تدابیر سوچی گئیں۔

مجلس ملیہ میں جس روز یورپین طرز کے عربی ہندسے رائج کرنے پر بحث مباحثہ ہوا۔ اس وقت شاہ و ملکہ افغانستان اور غازی مصطفیٰ کمال بھی اجلاس میں موجود تھے۔

ترکی اخبارات نے شاہ اور ملکہ افغانستان کی تشریف آوری پر بہت مخلصانہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ افغان قوم سب سے پہلی قوم ہے۔ جس نے ۱۹۲۱ء میں ترکی کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا تھا۔ اخبارات نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ مصطفیٰ کمال پاشا شاہ امان اللہ خاں کی خاطر مدارات ایک دوست اور بھائی کی حیثیت سے کریں گے۔

حکومت حجاز نے سلطان ابن سعود کے نام کے نئے سکے بنوائے ہیں۔ یہ سکے چاندی کے ہیں۔ اور ان پر عربی زبان میں لکھا ہوا ہے۔ نئے سکے عنقریب ملک میں رائج کر دیے جائیں گے۔

جدہ میں اب تک ۹۰ ہزار حجاج پہنچ چکے ہیں۔ [illegible] کا راستہ بالکل غیر مامون ہے۔

سلطان ابن سعود ان دنوں جدہ میں ہیں۔ سر گلبرٹ کلیٹن سے ملاقات کرنے کے بعد مکہ شریف تشریف لے جائیں گے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ سلطان ابن سعود سر گلبرٹ کلیٹن سے یہ بات منوانے پر زور دیں گے۔ کہ عراق کے سرحدی قلعے منہدم کر دیے جائیں۔ اور معاہدہ عراق و حجاز کی شرائط کا احترام کیا جائے۔ اس گفت و شنید میں عقبہ اور معان کے معاملے پر بھی احتیاط سے غور کیا جائے گا۔ سر گلبرٹ کلیٹن کے ساتھ ایک عراقی نمائندہ بھی موجود رہے گا۔

عراق کے محکمہ ڈاک و تار نے اعلان کیا ہے۔ کہ ٹیلیفون کے محکمے میں ایسی عورتوں کو ملازمت دی جا سکتی ہے۔ جو ٹیلیفون کے متعلقہ کام سرانجام دے سکیں۔ ملازمت کی امیدوار عورتوں کے لیے عربی اور انگریزی دونوں زبانوں سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ قیاس کیا جاتا ہے۔ کہ صرف اسرائیلی اور ارمنی خواتین محکمہ مذکور میں ملازمتیں حاصل کر سکیں گی۔ کیونکہ یہ عورتیں دونوں زبانیں جاننے کی شرط کی پابندی کر سکتی ہیں۔

سلطنت مصر کی طرف سے سوڈان کو سات لاکھ پچاس ہزار پونڈ دیے جانے کا مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا۔ کچھ دیر بحث مباحثہ کے بعد منظور ہو گیا۔ وطن پرست پارٹی کے ممبروں نے نحاس پاشا پر اعتراض کیا۔ کہ انہوں نے ایوان مندوبین کی

منظوری حاصل کئے بغیر اس رقم کا خزانہ مصر سے دیا جانا منظور کیا۔ نحاس پاشا کی پارٹی (جماعت وفد) اور وطن پرست پارٹی (حزب وطن) کے ممبروں میں تیز باتیں ہوئی ہیں +

ایران میں غیر ملکی مراعات کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اس لئے ۱۰ مئی سے تمام غیر ملکی رعایا ایرانی قانون اور ایرانی عدالتوں کے ماتحت سمجھی جائے گی + نیز محصول چنگی وغیرہ پر غیر ملکیوں کو جو رعائتیں حاصل تھیں۔ وہ بھی منسوخ ہو گئیں۔ آیندہ غیر ملکی مال پر وہی محصول لگایا جائے گا۔ جو ایران میں مقرر ہے۔ اسی طرح دوسرے ممالک مثلاً فرانس و انگلستان ایرانی مال پر وہی محصول لگائیں گے۔ جو ان کے ہاں مقررہ ہے + ۱۰ مئی کو انگلستان اور ایران نے ایک معاہدہ پر دستخط کر دئے۔ جس کی رُو سے تمام سابقہ عہد نامے کالعدم ہو گئے۔ اور نئے معاہدے کی طرح ڈال دی گئی۔ یہ معاہدہ ۸ سال تک نافذ رہے گا۔ فرانس سے بھی ایک سال کے لئے عارضی معاہدہ ہو گیا ہے۔ سال کے اندر اندر مستقل معاہدہ طے پا جائے گا +

پچھلے ڈیڑھ دو ہفتوں سے چین سے ہولناک خبریں آ رہی ہیں + اس سے کچھ عرصے پہلے تک وہاں خانہ جنگی اور آپس میں جنگ و جدل کی خبریں پڑھی جاتی تھیں۔ یعنی چین کی شمالی افواج جو پُرانا طریق حکومت قایم رکھنے کی وجہ سے شاہ پرست کہلاتی ہیں۔ اور کسی حد تک دول مغرب کے زیر اثر ہیں۔ ان کا مقابلہ جنوبی فوج سے تھا۔ جو قوم پرست کہلاتی ہے۔ اور اجنبی اثر سے اپنے ملک کو پاک کرنے کی خواہشمند ہے + ابھی یہ اونٹ کسی کل سیدھا نہیں بیٹھا تھا۔ کہ جاپان نے چین پر فوج کشی کر دی۔ اور سخت جنگ کے بعد جنوبی چین کے شہر تسننفو پر قبضہ کر لیا۔ تازہ تاروں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جاپانیوں نے شہر پر بہت بے دردی سے گولہ باری کی جس سے ایک ہزار سے زیادہ آدمی مر گئے۔ اور ۲۰ ہزار چینی سپاہ نے ہتھیار ڈال دئے + جاپانیوں نے مقامی کمشنر کی ناک کاٹ لی۔ اور اس کے تین نائبوں کو گولیوں سے ہلاک کر دیا + علاوہ بریں ایک امریکن مشنری لیڈی مسز ہوبرٹ بھی جاپانیوں کے مظالم کا شکار ہوئی +

قوم پرست حکومت نے جاپان کے خلاف لیگ افوام کو ایک یادداشت بھیجی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ جاپان نے الٹی میٹم کا جواب حاصل کئے بغیر چڑھائی کر دی۔ اور سخت مظالم برپا کئے + لیگ اقوام اس معاملے میں مداخلت کر کے جاپانی فوجوں سے شہر کو خالی کرائے۔ اور جاپانی مظالم کی بین الاقوامی تحقیقات کی جائے +

کلکتہ میں اگلے کرسمس کے دنوں میں حضور وائسرائے ایک ہندوستانی صنعتی اور تجارتی کانگرس کا افتتاح کریں گے + یہ پہلا موقع ہے۔ کہ وائسرائے کسی کانگرس

کے اجلاس میں شریک ہو رہا ہے۔ حضور وائسرائے کے علاوہ حکومت ہند کے چیدہ ارکان شریک اجلاس ہوں گے۔

کابل کی سینما کی عمارت جو شاہ افغانستان کی ملکیت ہے۔ آگ لگ جانے سے خاکستر ہوگئی۔ آگ بجلی کے تاروں سے لگی۔ شاہ افغانستان کی سیاحت ہند اور مصر کی دو فلمیں گم ہوگئی ہیں۔

بمبئی میونسپلٹی نے بحث مباحثہ کے بعد یہ تجویز منظور کر لی ہے۔ کہ تقریباً ایک لاکھ روپے کے صرف سے ہندوؤں کے لئے ایک شمشان بھومی تیار کی جائے۔

ایلور (مدراس) کے نواح میں تباہ کن آتشزدگی کی وجہ سے پانچ سو مکانات جل کر خاک ہوگئے۔ اور چار ہزار آدمی بے گھر بے در ہو گئے۔ ان میں زیادہ تر مزدور ہیں۔

بمبئی میں روئی کے گودام میں آگ لگی۔ جس سے ۲۸۰۰ بنڈل جل گئے۔ ان کی قیمت تقریباً ۲ لاکھ روپیہ ہوگی۔ ۲ رات کو آگ لگی۔ اور ۱۵ مئی کی صبح تک شعلے بلند ہوتے رہے۔

بارکھاٹ (بنگال) میں قحط روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اناج کے علاوہ پانی کی بھی قلت ہو رہی ہے۔ کیونکہ گرمی اور دھوپ کی شدت سے تالابوں کا پانی خشک ہو رہا ہے۔ اس درجہ نازک حالت ہوگئی ہے۔ کہ ماں باپ نے خوراک کے عوض اپنے بچے فروخت کرنے شروع کر دئے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنا بچہ چار روپے میں بیچ ڈالا۔ کھانے پینے کی تکلیف سے تنگ آکر بعض لوگ خودکشی کر رہے ہیں۔

کابل اور تاشقند لائن پر ایک ہوائی جہاز میں آگ لگ گئی۔ جہاز جل گیا۔ اور ایک مسافر ہلاک ہوا۔

مدراس میونسپلٹی نے اپنے کاغذات میں لفظ "محمڈن" کی بجائے لفظ "مسلم" لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مولانا محمد علی مرض ذیابیطس کا علاج کرانے کے لئے انگلستان جانے والے ہیں۔ اور انہوں نے اخبار ہمدرد کا انتظام ایک بورڈ کے حوالے کر دیا ہے۔

نواب معین الدولہ بہادر (حیدرآباد) نے انجمن ترقی اردو کو دس ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔

۸ مئی کو باشندگان اپشاور کا چوتھا جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں چوتھا ریزو پاس ہوئیں۔ ان میں سرحد میں اصلاحات نافذ کرنے اور میونسپلٹیوں میں انتخابات کا طریقہ رائج کرنے کی استدعا کی گئی۔

۲۰ مئی کو مسز اینی بیسنٹ مدراس سے بمبئی اور وہاں ولایت جائیں گی۔

دہلی میں بقرعید کی وجہ سے اور ہندو مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ ہونے کی بنا پر دو ماہ کے لئے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ تاکہ کوئی شخص لاٹھی یا ہتھیار لے کر نہ نکلے۔

جلد ۳۱ | لاہور - ہفتہ - ۹ جون سنہ ۱۹۲۸ء | نمبر ۲۳

تہذیب نسواں

لاہور - ہفتہ ۲۰ ذالحجہ سنہ ۱۳۴۶ ہجری

فہرست مضامین

نارتھ ویسٹرن ریلوے

اطلاع

آئندہ تعطیلات محرم کے لئے نارتھ ویسٹرن ریلوے پر سو میل سے زیادہ فاصلے کے لئے مورخہ ۲۳ جون سے یکم جولائی ۱۹۲۸ء واپسی ٹکٹ جاری کئے جائیں گے۔ جو ۹ جولائی ۱۹۲۸ء تک کارآمد ہوں گے نرخ حسب ذیل ہے :۔

درجہ اول و دوم	۱½ کرایہ
درجہ درمیانہ	۱⅓ کرایہ
درجہ سوم	۱¼ کرایہ

نارتھ ویسٹرن ریلوے ہیڈ کوارٹر آفس

لاہور مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء

ڈی۔ بی۔ ٹریلور

چیف کمرشل منیجر

مشن کا زنانہ شفاخانہ

عرصہ دو ماہ کا ہوا۔ کہ میری بھاوج علیل ہو کر بغرض علاج یہاں بریلی آئی تھیں۔ سرکاری زنانہ شفاخانوں کا تجربہ اچھا ثابت نہ ہوا تھا۔ سرکاری شفاخانوں میں چونکہ سب کی سب سرکار کی ملازمہ عورتیں ہوتی ہیں۔ اور سب کو وقت مقررہ پر تنخواہ ملتی ہے۔ غالباً اس وجہ سے ان کو شفاخانہ کی شہرت کی پروا نہیں ہوتی۔ مریض خواہ کم ہوں یا زیادہ۔ تنخواہیں مقرر ہیں۔ وہ ہر حال میں ملیں گی۔ اس خیال نے قدرتی طور پر بے پروائی پیدا کر دی ہے۔ اس بے پروائی کے علاوہ مریضوں کو معمول سے کچھ زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جس کے غریب لوگ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اور پھر اخلاق اور برتاؤ کی شکایت بھی اکثر کانوں میں پڑتی رہتی ہے۔

مگر مشن کے زنانہ شفاخانہ کی حالت جداگانہ ہے۔ وہ ایک پرائیوٹ شفاخانہ ہے۔ اور حتی المقدور اس کو اپنا خرچ خود برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے جب تک اس کی کافی شہرت نہ ہو۔ آمدنی کی کوئی صورت نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مریضوں کی خور و پرداخت زیادہ ہوتی ہے بہت اخلاق کا برتاؤ ہوتا ہے۔ تمام نرسیں وقت کی پابند اور خوش مزاج اور خلق سے بات کرنے والی ہیں۔ خرچ جس قدر مقرر ہے۔ اس کے سوا مطلق کوئی اور رقم نذر نیاز کی طرح خرچ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ چنانچہ اسی شفاخانے میں میں نے اپنی بھاوج کو داخل کرا دیا۔

میری ملنے والی ایک بیگم صاحبہ ہیں۔ جو پہلے سے اس شفاخانے سے واقف ہیں۔ اور ان کے کئی بچے اسی شفاخانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ خود ہمارے ہمراہ گئیں۔ شفاخانہ میں نئے مریضوں کی ملاقات کا ایک خوب صورت ہوادار کمرہ علیحدہ ہے۔ جس میں اچھا فرنیچر موجود ہے۔ ہم اس میں لیڈی ڈاکٹر کا انتظار کرنے لگے۔ دس بجے لیڈی ڈاکٹر آئیں۔ شفاخانے کے سب مریضوں کو دیکھتی ہوئی ملاقات کے کمرہ میں پہنچیں۔ اچھی پوری عمر کی امریکن خاتون ہیں۔ بڑی خلیق اور ملنسار۔ غریبوں سے معائنہ کی فیس نہیں لیتیں۔ مگر اہل مقدرت سے پہلے معائنہ کی فیس پانچ روپے مقرر ہے۔ آٹھ آنے سے لے کر دو روپے یومیہ تک کے کمرے ہیں۔ جس میں مریض عورتیں قیام کرتی ہیں۔ داخلہ کے وقت لیڈی ڈاکٹر اپنی فیس معائنہ پانچ روپے اور پانچ روپے آٹھ یوم کے نرسوں کا حق الخدمت اور پانچ روپے آٹھ یوم کی دواؤں کی قیمت اور کمرہ کا کرایہ آٹھ یوم کا پیشگی وصول کر لیتی ہیں۔ اگر آٹھ یوم سے زیادہ کی ضرورت ہو۔ تو پھر دوبارہ معائنہ کی فیس نہیں لی جاتی۔ باقی اور مصارف اوپر کی شرح

سے وصول کر لئے جاتے ہیں ؛

دن میں ایک بار لیڈی ڈاکٹر مریض کا معائنہ کرتی ہیں - ایک بار اس کی اسسٹنٹ معائنہ کرتی ہے ۔ باقی نرسیں مقررہ وقت پر خود آ کر دوا پلاتی اور لگاتی ہیں - اور ٹمپریچر لکھتی ہیں ۔ رات کو بھی نرسیں دن کی طرح باری باری سے خدمت کرتی ہیں ۔ یہ سب کمرے ایک احاطہ کی صورت میں ہیں - جن کا صرف ایک پھاٹک ہے ۔ مردوں کو مریض عورتوں سے ملنے کی دن میں صرف دو گھنٹے کی اجازت ہے - یعنی تین بجے سہ پہر سے پانچ بجے شام تک - اس کے بعد پھاٹک میں قفل پڑ جاتا ہے - اور پھر کوئی مرد احاطہ کے اندر نہیں جا سکتا - نہ رات کو شفاخانے میں قیام کر سکتا ہے ۔ شروع میں تو مریض کو تنہائی کی تکلیف محسوس ہوتی ہے - مگر رفتہ رفتہ دوسری مریض خواتین سے ملاقات کا سلسلہ بڑھ جاتا ہے - اور وقت بہت سہولت سے گزر جاتا ہے ؛

میں اپنی بھاوج کے دوران قیام میں کئی دفعہ شفاخانہ گئی - اور دیر تک وہاں رہی مختلف شہروں کی خواتین سے ملنے کا اتفاق ہوا گفتگو سے میں نے یہ نتیجہ نکالا - کہ مسلمان خواتین شفاخانے کے علاج کی عادی نہیں ہیں - مرض کو اول تو چھپاتی اور دباتی ہیں - اور پھر جاہل دائیوں کے ہاتھوں مرض کو خوب بڑھا لیتی ہیں ۔ جب مرض حکیم ڈاکٹر اور دائی کے بس کا نہیں رہتا - تب مجبور ہو کر شفاخانے پہنچتی ہیں - اور پھر اس کا خیال نہیں ہوتا - کہ مرض کس قدر طول پکڑ گیا ہے - انتظار کی برداشت نہیں ہوتی - نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ ہفتہ عشرہ قیام کر کے جی اکتا جاتا ہے - اور شفاخانہ سے رخصت ہو جاتی ہیں ۔ چند روز کے بعد مرض پھر زور پکڑتا - دوبارہ لاچار ہو کر اسی شفاخانہ میں واپس آتی ہیں - اور پچھلی غفلت پر پچھتاتی ہیں ؛

بعض مریض خواتین تو اپنی زندگی سے مایوس نظر آتی تھیں - اور روتی تھیں - میرا مشورہ بہنوں کو یہ ہے - کہ مرض کی ابتدا ہی میں شفاخانے سے رجوع کیا جائے - اگر مرض کی ابتدا ہو - تو مرض تھوڑے سے علاج سے جاتا رہتا ہے - اور ایک ہفتہ کا قیام شفاخانے میں کافی ہوتا ہے ۔ چھوٹے موٹے نسوانی امراض کی حالت میں بڑے شہروں میں پرائیویٹ پریکٹس کرنے والی کئی کئی سند یافتہ لیڈی ڈاکٹر ہوتی ہیں - ان کو مکان پر بلا کر علاج کرانا چاہئے - اگر بے جا کفایت شعاری نہ برتی جائے اور علاج کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے - تو عموماً ایک ہفتہ کا علاج کافی ثابت ہوتا ہے ؛

عیسائی خواتین اور بہت سی ہندو خواتین زچگی سے پیشتر زنانہ شفاخانہ میں کمرہ کرایہ پر لے کر رہنے لگتی ہیں - اور بچہ شفاخانے میں پیدا ہوتا ہے ۔ ایسی جس قدر عورتوں سے ملنا ہوا - سب لیڈی ڈاکٹر اور ان کے انتظام کی

تعریف کرنی تھیں۔ تھوڑا خرچ اور طریقہ بالکل محفوظ خطرہ کسی قسم کا نہیں۔ ضرورت مند بہنوں کو ان موقعوں سے فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ ایسے ایسے نازک آلات اور بیش بہا ادویات ایجاد ہوئی ہیں۔ جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہے۔ کہ انسان کی تکالیف کم کرنے کی جس قدر تدبیریں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ اس سے پیشتر غالباً کبھی نہیں ہوئیں۔ مجھے تو اسی کا افسوس ہے۔ کہ اب سے بارہ سال پیشتر آسپرین کا نفع معلوم نہ تھا۔ قسم قسم کی تکلیف۔ درد اور دکھن اس کے کھانے سے دور ہو جاتی ہے۔ جب تک اس دوا کا حال معلوم نہ تھا۔ بہت بہت تکلیفیں پائیں۔ جو اپنے جہل کا نتیجہ تھا۔

خاکسار خدیجۃ الکبریٰ۔ از بریلی

اپنی بہن کے نام خط

مندرجہ ذیل خط میں بلا کسی تمہید و تنقید کے اپنی تہذیبی بہنوں کی خدمت میں پیش کرتی ہوں

ہمشیرہ محمد عاقل

عزیز بہن! والد مرحوم کی دائمی جدائی کے بعد ہمشیرہ محترمہ کا ہم کو داغ مفارقت دے جانا۔ اور بے مروتی کے ساتھ ہم کو بلکتا ہوا چھوڑ کر خود ان کی آغوش میں جا سونا بڑا روح فرسا سانحہ ہے۔ اگر ہم اس موقع پر شیوہ صبر و تحمل کو ترک کر دیں۔ تو یہ کوئی قابل گرفت امر نہیں۔ یوں تو ہمشیرہ محترمہ کی شادی کے بعد کی زندگی بجائے خود ایک سلسلہ امراض تھی۔ لیکن والد مرحوم کے انتقال کا صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا۔ اور وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ حیف صد حیف!

میرے اور بھائی صاحب کے لئے اپنی گوناگوں مصروفیات میں یہ آسان ہے۔ کہ ان صدمہ ہائے جانکاہ کو بھلا دیں۔ لیکن تمہارا ننھا اور معصوم دل جس نے ابھی تک زندگی کی کوئی بہار نہیں دیکھی اور فہم و شعور کی ابتدا سے رنج و الم سے مانوس رہا۔ اس صدمے کو کیونکر سہے گا! صرف آٹھ یا نو سال کی تھیں۔ کہ والدہ مرحومہ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ان کی شفقت و انسیت اور ان کی روحانی تربیت سے محروم رہیں۔ اور ہر تہوار و تقریب کے موقع پر ان کی یاد میں دو آنسو بہائے گئے۔ ابھی یہ زخم ہرا ہی تھا۔ کہ دوسرا زخم کاری والد صاحب کے انتقال سے دل پر لگا۔ اور ہمشیرہ مرحومہ نے تو اتنی فرصت بھی نہ دی۔ ان تمام حالات کی موجودگی میں تمہارے لئے یہ بہت دشوار ہے۔ کہ اپنے دل کو ڈھارس دو۔ اور طبیعت کو سنبھال سکو۔ لیکن بہن یاد رکھو۔ ؎

آزمائش ہے نشانِ بندگانِ محترم۔
جانچ ہوتی ہے انہیں کی جن پہ ہوتا ہے کرم۔

دنیا میں مسرت و شادمانی ہے۔ دنیا ہی میں آلام و مصائب ہیں۔ فتح و کامرانی سعی و کوشش کا انجام ہیں۔ کمال زوال کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن شکست و ناکامی دعوت ہیں سعی مزید کی پیکار مستقل کی کشمکش پیہم کی۔ اگر دنیا میں سوز و درد۔ رقت و گداز کی کوئی قدر ہے۔ تو جس قیمت پر بھی ہم اس جنس نایاب کو خریدیں کم ہے۔

تمہاری ایسی بہت سی بہنیں ہوں گی۔ اور انہیں شاید اپنی خوش قسمتی پر ناز بھی ہوگا۔ کہ ان کی زندگی عہد طفلی سے کمل شباب تک رنگ و بو اور شعر و نغمے سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ حیات کے مست قہقہے اور قوت نامیہ کی فراوانی انہیں ہر طرف سے مرحبا اور خوش آمدید سناتی رہیں۔

تمہاری ایسی بھی بہنیں ہوں گی۔ اور انہیں شاید اپنی بدنصیبی کا گلا ہوگا۔ جنہیں ابتدا سے نہ صرف امراض و مصائب سے سابقہ رہا۔ بلکہ عسرت و تنگدستی بھی ان کے عزائم کو فسخ کرتی رہیں۔ جن کے حوصلے پورے نہ ہو سکے۔ جن کی تمناؤں اور آرزوؤں کے مدفن ان کے سینوں ہی میں تعمیر ہو گئے۔ موت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ لیکن علاج سے دل کی حسرت نکل جاتی ہے۔

ان دونوں کی حالت کا تم نے موازنہ کیا ہوگا۔ ایک طرف تم نے اگر پندار و غرور دیکھا۔ تو دوسری طرف بے اطمینانی و شکایت۔ لیکن زندگی گزارنے کا ایک تیسرا طریقہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان آرام و آسائش کے زمانے میں رنج و مصیبت کو نہ بھولے۔ اور آلام و آفات کے موقع پر رشتہ صبر و استقامت کو ہاتھ سے نہ دے۔ اور امید و تفاؤل نیک پر قایم رہے۔

عزیز بہن! قانون قدرت کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ کس لئے ان صدیوں سے تمہیں دوچار ہونا پڑا۔ لیکن اگر اس سے تمہارے دل میں گداز پیدا ہو۔ اور دکھ درد میں جو مبتلا ہیں شکوہ و شکایت میں جو اپنا سکون و اطمینان کھو چکے ہیں۔ ان کی دلداری۔ رکھ رکھاؤ اور تیمار داری میں اگر تمہیں لطف آنے لگے۔ اور دنیا کی تکالیف کو سکون سے برداشت کرنے کی اہلیت اگر تم پیدا کر سکو۔ تو میں سمجھوں گا۔ کہ ہمارے اس ذاتی رنج نے ایک عام بہبود کی صورت اختیار کر لی۔ رنج ہر شخص کر سکتا ہے۔ لوگ عمر بھر رو دھو سکتے ہیں۔ لیکن صحیح رنج وہی ہے۔ جو دل میں درد پیدا کر سکے۔ اور ہم میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرا سکے۔

ایک انگریز ادیب کا قول ہے۔ ہم نیند میں دیکھتے رہے۔ کہ حیات حسن شعر ہے۔ لیکن جب ہم چونکے تو ہمیں معلوم ہوا۔ کہ زندگی خدمت کا دوسرا نام ہے۔ یہ جانکاہ حادثات نیند کے متوالوں کو خبردار کرتے ہیں۔ کہ فرائض کی ادائیگی سے غافل نہ رہو۔

راقم تمہارا غمزدہ بھائی

چوڑیاں

کانچ کی نازک چوڑیاں ہاتھ کے ناپ کی دو دو یا تین تین پہننی سونے کی چوڑیوں کے مقابلے میں کئی درجہ مفید ہیں ۔ اول تو کانچ کی چوڑیاں غریب سے امیر تک ہر ایک کو یکساں میسر آ جاتی ہیں ۔ اور دوسرے یہ کہ سونے کی چوڑیوں سے کئی گنا خوب صورت بھی ہوتی ہیں ۔ کانچ کی چوڑیاں دو دو یا تین ہاتھ کے ناپ کی پہننے میں نہ روپے کا بے جا خرچ ہوگا ۔ اور نہ ہاتھوں کو کسی طرح کی تکلیف پہنچے گی ۔

اکثر شوقین اور مسرف بہنوں کو شوق ہوتا ہے ۔ کہ ہر مہینے خواہ مخواہ پرانی چوڑیاں توڑ کر نہایت تنگ اور چست نئی چوڑیاں پہنا کرتی ہیں ۔ جس سے تکلیف بھی ہوتی ہے ۔ اور روپیہ بھی بے جا خرچ ہوتا ہے ۔ ایسا کبھی نہ کرنا چاہئے ۔

ایک دفعہ میری ممانی جان نے اپنی خواہش سے ہاتھوں کی پرانی چوڑیاں تڑوا کر نئی چوڑیاں تین چار روپے کی پہن لیں ۔ تنگ چوڑیاں پہننے کے شوق میں ہاتھ دو ایک جگہ زخمی ہوا ۔ لیکن تنگ چوڑیاں پہننے کی خوشی میں انہیں ہاتھوں کے زخموں کی کچھ تکلیف معلوم نہیں ہوئی ۔

خیر رات آئی ۔ اس رات ہم سب مسافر بنگلے میں مقیم تھے ۔ وہاں جگہ کم ہونے کی وجہ سے نانی جان اور ممانی جان صاحبہ دونوں ایک ہی پلنگ پر سوئیں ۔ اتفاقاً کو نیند میں نانی صاحبہ نے کروٹ لی ۔ تو ممانی جان کی ساری چوڑیاں چور چور ہو گئیں ۔ اتفاقاً اس وقت میں اور میری والدہ صاحبہ جاگ رہی تھیں ۔ ہمیں بے اختیار ہنسی آ گئی ۔ جس سے وہ بیدار ہو کر چوڑیوں کا نوحہ پڑھنے لگیں ۔ اگر وہ تنگ چوڑیاں زیادہ تعداد میں نہ پہنتیں ۔ تو ایسا کیوں ہوتا ؟

تنگ چوڑیاں ہاتھوں میں گاڑی کے پہیوں کی مانند فٹ رہتی ہیں ۔ مگر ڈھیلی چوڑیاں دو دو پہننے میں یہ بات نہیں ہوتی ۔ ہم بہنیں اور ہماری والدہ صاحبہ اکثر ڈھیلی چوڑیاں دو دو یا تین تین پہنتی ہیں ۔ پھر جہاں تک میرا تجربہ ہے ۔ چوڑیاں ہر مہینے پہنتے رہنے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ ہم بہنیں سال میں ایک یا دو دفعہ چوڑیاں پہنتی ہیں ۔ اور والدہ صاحبہ تو سال دو سال میں ایک دفعہ ۔ ہم خانہ داری کے ہر طرح کے کام خود انجام دے لیتی ہیں ۔ مگر ہماری چوڑیاں کبھی ضائع نہیں ہوتیں ۔ ہاں ورزشی کھیلوں یا چھوٹے بہن بھائیوں کے لڑائی جھگڑے رفع کرنے میں اکثر میری چوڑیاں ضائع ہو جاتی ہیں ۔ کیونکہ کبھی کبھی وہ ظالم چوڑیوں سمیت کلائی دبا لیتے ہیں جس سے چوڑیوں کا خون ہو جاتا ہے ۔ ہم بہنوں کا اور والدہ صاحبہ کا چوڑیوں پر زیادہ سے زیادہ روپیہ یا دو روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہوگا ۔ چنانچہ ان کے ٹوٹنے کا کچھ صدمہ بھی نہیں ہوتا ۔

ان کے مقابلے میں سونے کی چوڑیوں کو لیجئے ۔

ایک ایک ہاتھ کی دو دو چوڑیاں بنانے کے لئے سب سے پہلے کم سے کم ڈھائی تین سو روپوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ان کے ساتھ قسم قسم کے خوف اور خرچ لگے رہتے ہیں۔ بچوں کے ہاتھوں میں ڈالی جائیں۔ تو سب سے پہلے ان کے چوری جانے اور بعض اوقات تو بچوں کی جان ہی خطرے میں پڑ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ چوری یا جان کا خطرہ نہ ہو۔ تو ٹوٹنے یا کھو جانے کا خوف تو ضرور لگا رہتا ہے۔ پہننے کے زیوروں کو ہمیشہ مرمت کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ اور خود مجھے تجربہ ہے۔ کہ سونے کی چوڑیاں ہمیشہ ضائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان کی مرمت کے لئے پانچ دس روپے سے کم کبھی خرچ نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر زائد ہی ہوا کرتا ہے۔ اس پر مرمت کراتے وقت اس میں کوئی دوسری دھات ملا دیے جانے کا خدشہ بھی لگا رہتا ہے۔

سونے کی چوڑیاں کپڑوں کو بھی ضائع کرتی رہتی ہیں۔ ان کی کیلیں ہمیشہ مرمت طلب رہتی ہیں۔ ہاتھوں میں ہلتے رہنے کی وجہ سے کیلیں گھس گھس کر ضائع ہو جاتی ہیں جس سے چوڑی ہاتھ سے نکل کر کھو جانے کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ چولھے کے پاس کچھ پکانے بیٹھیں۔ تو چمچہ چلاتے وقت یا کوئی چیز تلتے وقت گرم ہو کر ہاتھوں کو خوب داغتی ہیں۔ مجھے اس قسم کے بلائے بے درماں زیورات سے قلبی نفرت ہے۔ میں اور میری چھوٹی بہنیں انہی وجوہ سے کبھی سونے کی چوڑیاں نہیں پہنتیں۔ لیکن وہ یونہی ڈبوں میں پڑی رہ کر بھی اکثر علاج کا تقاضا کرتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں والدہ نے جالی دار چوڑیاں بنوائی ہیں۔ یہ تو بالکل آفت ہیں۔ سر کے بال۔ کپڑوں کا ریشم وغیرہ سب نوچ لیتی ہیں۔

میری تہذیبی بہنیں ذرا غور کریں۔ کہ اگر انہوں نے ڈھائی تین سو روپیہ خرچ کر کے سونے کی چوڑیاں بنوائیں۔ اور انہیں پہننے لگیں۔ تو ہر سال ان کی مرمت پر ایک تو پانچ دس روپے خرچ کرنے ہوں گے۔ پھر ان کی زکوٰۃ جدا اپنے پاس کے روپوں سے ادا کرنی ہوگی۔ اس تمام جنجال اور درد سر کے عوض اگر آپ انہی ڈھائی تین سو روپوں کو کسی بنک میں جمع کر دیجئے۔ تو وہ محفوظ رہنے کے علاوہ ہر سال بڑھتے بھی رہیں گے۔ نہ ان کی مرمت کرانی ہوگی۔ اور نہ چوروں کا ڈر ہوگا۔ اس کے علاوہ ان روپوں کی زکوٰۃ ادا کرنی بھی کچھ مشکل نہ ہوگی۔

لہٰذا معزز و بزرگ بہنوں کی خدمت میں میرا مؤدبانہ مشورہ ہے۔ کہ آپ ان چوڑیوں کو فروخت کر کے ان کا روپیہ بنک میں اپنے نام سے جمع کرا دیجئے۔ اور دونوں ہاتھوں میں دو دو پیسے کی سرخ یا نیلی چوڑیاں پہن لیجئے۔ اس سے آپ کی زینت میں بھی فرق نہ آئیگا اور روپیہ بھی برابر بڑھتا رہے گا۔

جن بہنوں کو خدا نے دولت دی ہے۔ ان کی بات الگ ہے۔ مگر غریبوں کے لئے سونے کی چوڑیاں

پہننے سے بنک میں روپیہ رکھنا ہی افضل ہے ۔ ایسے
ہی ہر ایک زیور بھی ۔ ہر کام اپنی حسب حیثیت کرنا
چاہیئے ۔ جس سے نقصان کا احتمال نہ ہو ۔
خاکسار مس فاطمہ کے محمد حسین صاحب بنگلور

استدعا

دور حاضر کی لائق مسلم خواتین کا تذکرہ بھائی
عبدالرزاق صاحب بسمل حیدرآبادی مرتب فرما رہے
ہیں ۔ اگرچہ بسمل صاحب نے اکثر خواتین سے استدعا
کی ہے ۔ کہ وہ اپنی سوانح حیات اور خاندانی حالات
نیز طرز انشاء کے نمونے کے لئے ایک مضمون لکھ کر
انہیں عنایت فرمائیں ۔ مگر افسوس ۔ کہ بہت کم بہنوں
نے اس طرف توجہ فرمائی ۔ خود میں نے کئی بہنوں
کو توجہ دلائی ۔ مگر مجھے بھی مایوس ہی ہونا پڑا ۔
بعض بہنیں تو یہ کہتی ہیں ۔ کہ ہم لکھیں بھی تو کیا
لکھیں ؟ ایک تعلیم یافتہ روشن خیال مضمون نگار
بہن نے اپنی اعلیٰ تعلیم یافتہ حامی نسواں بھائی سے
مشورہ کیا ۔ تو جواب ملا ۔ تم نے ایسی کونسی مہم سر
کی ہے ۔ جو ابھی سے اپنے سوانح حیات لکھنے بیٹھ گئیں
عموماً مردوں کی سوانح حیات جو پڑھنے میں
آتے ہیں ۔ ہماری بہنوں کی ٹھوکر کا باعث ہیں ۔
اور وہ یہ سمجھتی ہیں ۔ کہ ہمیں بھی وہی کچھ کرنا چاہئے ۔
جو مردوں کے کارہائے نمایاں ہیں ۔ حالانکہ عورتوں
کی زندگی جیسی کچھ بسر ہو رہی ہے ۔ یا ہونی چاہئے ۔
مردوں سے بالکل مختلف ہے ۔ لہذا ان کے حالات
اور کارنامے بھی مردوں سے جدا ہونا لازمی ہیں ۔
یہ ضروری نہیں ۔ کہ ایک عورت کی زندگی بھی
سفر اور قومی و ملکی خدمات وغیرہ کے اسی قسم کے
واقعات پیش آئیں ۔ جو مردوں کو عموماً پیش آتے
ہیں ۔ عورتیں روزمرہ اپنے گھروں میں جو کچھ کرتی
اور نسوانی امور کے متعلق جو کچھ سوچتی ہیں ۔ وہی ان
کی زندگی کا سب سے بڑا حصہ ہے ۔ اور اسی کا
بیان ان کے تذکرہ کو مردوں کے تذکرہ سے بالکل
مختلف بنا سکتا ہے ۔ ہر بہن کی روزمرہ زندگی
میں بے شمار ایسے واقعات پیش آتے ہوں گے ۔
جو دوسروں کے لئے سبق آموز ہو سکتے ہیں ۔
زیادہ نہیں صرف ایک مختصر سا مضمون کسی
ایسے موضوع پر جو وہ مفید خیال فرمائیں ۔ تذکرہ
کے لئے لکھ دیں ۔ تذکرہ خواتین میری رائے میں
ہماری موجودہ حالت کا صحیح صحیح فوٹو ہوگا ۔ بلکہ میں
امید کرتی ہوں ۔ کہ ہم میں ایک ایسی تحریک پیدا
کر دے گا ۔ جو ہماری آئندہ ترقی کے لئے ضروری ہے ۔
میں ذیل میں چند عنوان مضامین کے درج کرتی
ہوں ۔ (یہ بھی ان کے لئے جو سوال کرتی ہیں ۔ کہ لکھیں
تو کس موضوع پر لکھیں ۔) ان پر یا اسی قسم کے کسی دوسرے
موضوع پر بہنیں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں ۔ تو
تذکرہ خواتین میں ہمیشہ یادگار رہے گا ۔ اور آئندہ

نسلوں کو معلوم ہوگا۔ کہ پہلی خواتین کو کن مصائب کا سامنا تھا۔ اور ہمارے بزرگوں نے کیا کچھ کیا جس کا نتیجہ وہ خود دیکھ رہی ہیں ۔

(۱) حقوق نسواں۔ (۲) پردہ۔ (۳) مذہب اور معاشرت یا سیاسیات کے زیر اثر۔ (۴) عورت بحیثیت دختر۔ (۵) عورت بحیثیت مادر۔ (۶) عورت اور مرد میں فطری اختلاف۔ (۷) حقوق زن و مرد میں فطری مساوات۔ یا اور جس موضوع کو مناسب سمجھیں ۔

امید ہے۔ بہنیں متوجہ ہوکر ہم کو ممنون فرمائیں گی۔ اور شکریہ کا موقع دیں گی ۔ محترم بسمل صاحب کا پتہ حسب ذیل ہے :۔

پتہ :۔ جناب عبدالرزاق بسمل صاحب بیرون دبیر پورہ۔ حیدرآباد دکن

راقمہ خاکسار محمودہ اختر۔ کسولی

نیمچر۔ اس فرمائش کی تعمیل میں سب سے بڑی دشواری یہ ہے۔ کہ کئی انشاء پرداز خواتین انکسار کی وجہ سے اپنے خیالات اور مضامین تحریر فرمانے میں تامل سے کام لیں گی ۔ محض ایک اعلان کی بنا پر حالات اور مضامین لکھنا شاید کئی بہنوں کو نامناسب لوٹا معلوم ہو۔ اس لئے ہماری رائے میں جناب بسمل کے لئے اخبارات میں اعلان شائع کرنے کی نسبت پرائیویٹ خطوط میں نامور انشاپرداز خواتین سے درخواست کرنا زیادہ مفید ہوگا۔

کچھی میمن قوم کی ایک رسم

گزشتہ ۲۴ مارچ ۱۹۲۸ء کے پرچے میں مضمون "میمن قوم کی رسمیں" نظر سے گزرا۔ اس موقع پر میں کچھی ایک ایسی رسم کا حال جو مدت سے مستورات میں رائج ہے لکھ دوں۔ تو نامناسب نہ ہوگا۔

کچھی میمن کی تمام رسموں میں ایک رسم زیارت یا پھول کے نام سے موسوم ہے۔ جب میت دفنائے دو دن ہوجاتے ہیں۔ تو برادری میں بلاوا پھیرتے ہیں۔ کہ فلاں کی طرف سے فلاں جگہ فلاں شخص کا وعظ زیارت پڑھا یا جائے گا۔ یہ سن کر برادری کے لوگ رات کے نو بجے وعظ سننے چلے جاتے ہیں۔ پھر صبح آٹھ بجے مسجد ہی میں زیارت ہوتی ہے۔ زیارت سے فارغ ہوکر بہت قریب کے رشتہ دار مکان کو جاتے ہیں۔ اور باقی اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوجاتے ہیں۔ سہ پہر کو متوفی کے گھر میں مستورات جمع ہوتی ہیں۔ لیکن اس وقت بجائے قل فاتحہ کے غیبت کی مجلس گرم رہتی ہے۔ کیا یہی طریقہ زیارت کا ہے؟ زیارت کو اس لئے جانا چاہئے۔ کہ کچھ درود و قل پڑھ کے مرحوم کو بخشیں۔ اور گھر والوں کو تسلی و تشفی دیں۔ کوئی ایک آدھ بوڑھی عورت سب سے الگ کونے میں بیٹھی تسبیح پھیرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ورنہ اکثر مستورات کا وقت تو غیبت اور فضول باتوں ہی میں گزر جاتا ہے۔

اب پھولوں کی رسم کا حال بھی سن لیجئے۔ ایک رکابی میں پھول اور ایک کٹوری میں تیل ڈالتے ہیں کٹوری پھولوں کے بیچ میں دھر کے ایک خادمہ مجلس کے وسط میں رکھ دیتی ہے۔ پہلے گھر والی بی بی درود شریف پڑھ کر چند پھول تیل میں ڈبو کر رکھ دیتی ہیں پھر دیگر مہمان مستورات بھی گھر والی بی بی کی تقلید کرتی ہیں۔ گھر والی بی بی پھول اٹھا کر نزدیک والی بی بی کے حوالے کر دیتی ہیں۔ اسی طرح یہ پھول ساری مجلس میں پھرتے ہیں۔ کیا پھول اٹھا کر درود پڑھتے ہوئے تیل میں ڈبو کر رکھ دینے سے مرحوم کو ثواب پہنچتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آخر ان حرکات کا کیا مطلب ہے؟

مجھے تو یہ رسم ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ ہاں وعظ زیارت شوق سے پڑھائیے۔ مستورات بھی زیارت کے لئے جائیں۔ مگر ان ناشائستہ حرکات یعنی دروغ گوئی اور غیبت کی بجائے جتنی دیر وہاں رہیں۔ تب تک درود پڑھ کر بخشیں۔ امید ہے۔ جس طرح بنگلور میں تمام شادی کی فضول رسوم موقوف ہو کر صرف نکاح کی رسم رہ گئی ہے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ یہ پھولوں کی رسم موقوف ہو جائے گی؟

خاکسار ر۔ ب۔ ن از مدراس

رسوم دہلی۔ دہلی میں شادی بیاہ کے موقعوں پر جو رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ ان کا حال۔ دفتر تہذیب سے منگائو

برار مسلم لیڈیز کانفرنس

الحمد للہ امسال تعطیلات ایسٹر میں برار مسلم لیڈیز کانفرنس کا اجلاس اوّل زیر صدارت محترمہ مسز تقی الحسن صاحبہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچا۔ اجلاس میں برار کے مختلف مقامات سے قریب تین سو کے خواتین شریک ہوئیں۔ اور تعلیم نسواں کے متعلق متعدد رزولیوشن پاس کئے گئے؟

انہی ایام میں برار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا آٹھواں اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اور نمائش کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ مردانہ کانفرنس کے پنڈال میں خواتین کے لئے پردہ کے ساتھ نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ اور متعدد روشن خیال خواتین شریک اجلاس ہوئیں؟

نمائش قابل دید تھی۔ اشیاء کا بیشتر حصہ زنانہ مصنوعات کا تھا۔ اور ایسی ایسی چیزیں زنانہ دستکاری کی نمائش میں رکھی گئی تھیں۔ جنہیں دیکھنے سے پیشتر یہ خیال ہی نہ ہو سکتا تھا۔ کہ مسلمان خواتین اس قدر اچھا اور نفیس کام بھی کر سکتی ہیں۔ متعدد انعامات بھی تقسیم کئے گئے؟

مسلمانان برار کو جناب خان صاحب سید محمود نادری جاگیردار بالاپور کا شکر گزار ہونا چاہئے۔ کہ جناب موصوف نے صرف کثیر برداشت کر کے یہ تمام امور انجام کو پہنچائے۔ اور لیڈیز کانفرنس کا بنیادی پتھر رکھ کر مسلمانان برار پر احسان عظیم کیا۔

صاحب موصوف کے خاندان کی بیگمات بھی مستحق شکریہ ہیں۔ جنہوں نے لیڈیز کانفرنس کے انتظامات بوجہ احسن انجام دئے۔ اور مہمان خواتین کے قیام وطعام کا بندوبست بہ نفس نفیس کیا۔ ممبران اسٹنڈنگ کمیٹی سے عموماً مسز اقبال صاحبہ (جنرل سکرٹری) سے خصوصاً امید ہے۔ کہ آیندہ ہر سال اس کانفرنس کے اجلاس منعقد کرنے میں سعی بلیغ فرمائیں گی۔ اور ثواب دارین حاصل کریں گی۔

مس ممتاز امین الدین از بالاپور

مامائیں

تہذیب مورخہ ۲۸-اپریل کے پرچہ میں ہمار کی مامائیں والا مضمون پڑھ کر اس پر چند باتیں اپنے ناقص خیال کے مطابق عرض کرتی ہوں۔

۱- مامائیں ہمارے گھر سے نکلنے کے بعد دوسری سائی نہیں تلاش کرتیں۔ بلکہ وہ پہلے ہی سے تیار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ماماؤں کو ہمارے غصے کی پروا نہیں ہوتی۔

۲- اس میں بہت کچھ قصور ہم لوگوں کا ہے۔ کیونکہ جب ہم کسی گھر میں کسی ماما یا نوکر کو ذرا اچھا کام کرتے دیکھتے ہیں۔ تو فوراً فکر شروع ہوتی ہے۔ کہ اس کو وہاں سے زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر اپنے ہاں لے آئیں۔ پھر وہ مامائیں بھی کوئی ایسی اشراف بہن نے تو نہیں ہوتیں۔ بے چاریاں اکثر جاہل ہوتی ہیں۔ اس لئے لالچ میں آکر پہلے مالکوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اور کسی نہ کسی بہانے سے بگڑ کر بھاگ جاتی ہیں۔

۳- اب اس تکلیف کا انسداد بھی ہمارے اپنے ہی ہاتھوں میں ہے۔ ماما یا نوکر رکھنے والوں کو ملازموں سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ اگر کسی گھر میں ایک نوکر پر ذرا سی زیادتی ہو۔ تو سب نوکر بگڑ بیٹھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ آج اس پر سختی ہوئی ہے۔ کل ہماری باری آجائے گی۔ اس لئے ہم کام نہیں کریں گے۔ پس اسی طرح ہمیں بھی اتفاق کر لینا چاہئے۔ کہ جو ماما یا نوکر اپنے مالک کو خواہ مخواہ ستا کر بلاوجہ بھاگ آئے۔ اس کو کوئی بھی اپنے گھر میں ملازم نہ رکھے۔ پھر کیا مجال۔ کہ وہ ہمیں تنگ کرنے کی جرأت کریں۔ اگر سب بہنیں اس بات کا عہد کرلیں۔ تو پھر انشاء اللہ ایسی پریشانیوں کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

۴- ہاں ایک بات یہ بھی ہے۔ بعض لوگ حد سے زیادہ نوکروں کی خوشامد کرنے لگتے ہیں۔ جس سے وہ لوگ سر پر چڑھ جاتے ہیں۔ اور بخلاف اس کے بعض لوگ حد سے بڑھ کر غصہ اور جبر کرتے ہیں۔ جن سے نوکر بیزار ہو کر مقابلہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے سب سے اچھی صورت اعتدال ہے۔ اگر پہلے ہی سے ملازموں کے ساتھ مناسب برتاؤ کیا

جائے۔ تو ایسی تکلیفیں پیش آنے کا اندیشہ بہت کم رہ جائے گا۔

خاکسار روشنک بیگم۔ از برما

ورزش اور تفریح

یہ دیکھ کر کس قدر رنج ہوتا ہے۔ کہ ہم مسلمان عورتوں میں ابھی تک ترقی کی روح پیدا نہیں ہوئی۔ زنانہ اخبارات شور کرتے کرتے عاجز آرہے ہیں۔ لیکن ہم کو اسی میں راحت ہوتی ہے۔ کہ کانوں میں روئی دئے بیٹھے رہیں۔ انگریزی قوم کا تو کیا ذکر ہندو مستورات ہی کو دیکھئے۔ کہ کس طرح اپنی قوم اور ابنائے جنس کے فائدے کے لئے کوشاں ہیں۔ جگہ جگہ زنانہ کلب اور تفریح گاہیں کھولتی ہیں۔ تاکہ فرصت کے اوقات ضائع نہ کریں اور وہاں جا کر کھیلیں۔ اور ورزش اور مناسب تفریح طبع میں وقت گزاریں۔ اس سے صحت درست اور دماغ صحیح رہتے ہیں۔ اور دل میں اُمنگ اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان مستورات اپنا وقت کاہل پڑے رہنے اور آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی برائیاں کرنے میں گزار دیتی ہیں۔ اسی کا لازمی نتیجہ آئے دن کی بیماری اور لڑائی جھگڑوں کی صورت میں نظر آتا رہتا ہے۔ ان حالات میں کوئی قومی خدمت تو درکنار ہم خانہ داری کے کام اور اپنے بچوں کی تربیت بھی مناسب طریق پر نہیں کر سکتے۔

مجھے یہ معلوم ہو کر کس قدر رنج و افسوس ہوا۔ کہ یہاں بریلی میں ہندو مستورات نے مل کر ایک زنانہ کلب کھولا ہے۔ جہاں بلا قید مذہب ہر ہفتہ سب بیبیاں جا کر بیڈمنٹن وغیرہ کھیل سکتی ہیں۔ اور آپس میں تبادلہ خیالات کر کے اپنے اور اپنے بچوں اور گھر کے لئے مفید معلومات بہم پہنچا سکتی ہیں۔ مگر سوائے ایک دو مسلمان بیبیوں کے اور کسی مسلمان بہن نے اس کلب سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ ادھر حبیب سے محترمہ بہن مسز عبداللہ جان بیمار ہیں۔ کسی بہن نے انجمن تہذیب کا جلسہ کرنے کی بھی ہمت نہیں کی۔ کہ اس سے رونق نباہی تو بچ سکتی تھی۔

یہی مُردہ دلی ہے۔ جس کی وجہ سے بیشتر حصہ مسلمان مستورات کا آئے دن کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا نظر آتا ہے۔ اور یہ لازمی بات ہے کہ اگر خاتون خانہ مردہ دل اور صحت کی شاکی ہے۔ تو اس کے بچوں کی تربیت اور گھر کی درستی بھی نہیں ہوسکتی۔ قوم کی جہالت اور افلاس کی بنیاد بھی میری رائے میں یہی ہے۔ "تندرستی ہزار نعمت ہے" یہ مقولہ سنا تو سب بہنوں نے ہوگا۔ لیکن ایسی بہنیں کم نظر آتی ہیں۔ جو اس گوہر بے بہا کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ جہاں ہم کو ذرا بیماری سے فرصت

لی۔ اور بچوں نے دم لینے دیا۔ تو جو وقت ہم کلب جاکر جسمانی اور دماغی ورزش کرنے میں گزاریں۔ وہ کسی ہم خیال بہن کے ہاں شوہر کی شکایت۔ ساس نندوں کے جھگڑے بیان کرنے میں صرف کر دیتی ہیں۔

میری بہنو! اب بھی ہوشیار ہو جاؤ۔ دیکھو۔ وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ تم بھی کمر ہمت باندھو اٹھو اپنی اور اپنی ابنائے جنس کی بہتری کے لئے کوشش کرو۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے۔ کہ تم تندرست ہو۔ اس لئے کوشش کر کے زنانہ کلب کھولو۔ اپنے گھر میں مناسب ورزش کے سامان مہیا رکھو۔ تاکہ فرصت کے وقت تم اور تمہاری بہنیں باہم کھیل اور تفریح طبع میں بھی کچھ وقت گزار سکیں۔ اگر ہم تندرست اور خوش و خرم ہوں گے۔ تو ہمارا گھر جنت کا نمونہ ہوگا۔ ہم اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں اور قوم کی ترقی میں خاطر خواہ حصہ لے سکیں گے۔ ورنہ ایسی زندگی بے کار ہے۔ جو رو رو کر اور بیماری میں گزار دی جائے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا ہے نام۔
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

صفورہ بیگم مسز سردار خاں۔ بریلی

کامدانی یعنی مقیش کا کام

مقیش کے تار کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ سچا اور جھوٹا۔ اور موٹا اور باریک۔ رنگ صرف سفید اور سنہری ہی ہوتا ہے۔ سچا تار تو بہت گراں قیمت پر دستیاب ہوتا ہے۔ لیکن جرمنی تار پانچ چھ تولہ فی روپیہ دہلی اور پشاور کے مقامات سے مل سکتا ہے۔ جرمنی تار کی چمک دمک چار سال تک بدستور قائم رہ سکتی ہے۔ بشرطیکہ دھوبی کے ہاں سے کپڑا نہ دھلایا جائے۔ باریک تار کا کام سوئی کے ذریعے بنایا جاتا ہے۔ لیکن موٹی قسم کے تار کے ایک سرے کو قینچی سے تراش کر تیز نوک سوئی کی مانند بنالی جاتی ہے۔ اور مناسب کپڑے میں سے گزار کر کام بنایا جاتا ہے۔

ذیل میں جو ترکیب کامدانی کی تحریر کرتی ہوں۔ وہ موٹی قسم کے تار کی ہے۔ سچا یا جھوٹا حسب دل خواہ مقیش کا تار لے کر بالشت ڈیڑھ بالشت بھر ٹکڑا کاٹ لیں۔ اور اس کے ایک سرے کو تراش کر تیز نوک سی بنالیں۔ اب اس نوکیلے سرے کو کپڑے میں سے گزار کر اس کے دوسرے سرے کے تھوڑے سے حصے کو الف کے پاس الٹ کر انگوٹھے کے ناخن کے ساتھ دبا دیں۔ اب یہ ایک ٹانکا سا کپڑے کی سطح پر بن جائے گا۔ دیکھو نقشہ نمبر ۱

نقشہ ۱

د س

اب پھر اس ترشے ہوئے سرے کو گھما کر مقام د کے پاس سے گزار کر مقام س کی طرف سے نکال لیں۔ دیکھو نقشہ ۲

نقشہ ۲

تار کا ترشا ہوا سرا ج د س ل

نقشہ ۳
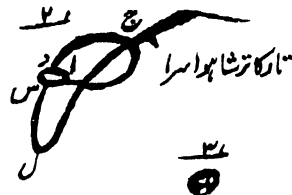
اور پھر اسی سرے کو گھما کر مقام ج کے بیچ میں سے گزار کر باہر کی طرف نکال دیں۔ جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے۔ اب مقام س سے تار کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لو حتیٰ کہ مقام ج کا گھیرا سطح کپڑے پر بیٹھ جائے۔ اب یہ منقیش کا دوسرا الٹا ٹانکا پڑ جائے گا۔ اب پھر ترشے ہوئے سرے کو بھی پکڑ کر جو مقام ج کے گھیرے میں سے پہلے گزر چکا ہے۔ باہر کی طرف کھینچ دو۔ یہاں تک کہ مقام ل کا گھیرا بھی کپڑے کی سطح پر بیٹھ جائے۔ اب یہ پورا اور مکمل ستارہ منقیش تیار ہو گیا۔ دیکھو نقشہ ۳۔ تار جو باقی بچے اسے قینچی سے کتر دو۔ اور اسی ترکیب سے دوسرا ستارہ بنانا شروع کردو۔ تیار شدہ ستارے کو انگوٹھے کے ناخن سے دباؤ۔ کہ بالکل گول ہو جائے۔ اب بیل بوٹے بنانے اپنی اپنی مرضی پر منحصر ہیں۔ جیسے چاہیں تیار کرلیں۔ ستارہ منقیش بنانے کی یہی ترکیب ہے۔ کامدانی کا دوپٹہ تیار کرنے کے لئے کپڑا وائل یا جالی بہ نسبت ململ کے زیادہ موزوں ہوگا۔

مزید صفائی کے لئے دوپٹے یا جس کپڑے پر کامدانی کا کام بنایا گیا ہو۔ کسی لکڑی کے تختے یا چوکی وغیرہ پر بچھا کر کسی پتھر وغیرہ سے ہر ایک ستارہ کو فرداً فرداً دبا دیا جائے۔ تاکہ چھٹنے نہ پائیں۔

نوٹ۔ کامدانی کا کپڑا دھوبی کے ہاں سے ہرگز نہ دھلوانا چاہئے۔ کیونکہ ایک ہی دفعہ بھٹی چڑھنے سے کام بالکل سیاہ اور کھردرا پڑ جاتا ہے۔ انگریزی صابن کا جھاگ بنا کر کپڑا خود دھونا چاہئے۔ اور پھر اوپر سے پھٹکری کے پانی میں سے چند مرتبہ تھما لینا چاہئے۔ اس سے چمک بدستور قائم رہتی ہے۔

خاکسار گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل صاحب
وکیل کپورتھلہ

انجمن تہذیب نسواں کانپور

انجمن تہذیب نسواں کانپور کا سترھواں اجلاس تقریباً ۳۰ خواتین کی شرکت میں زیر صدارت محترمہ بیگم صاحبہ جناب رفیع القدر صاحب ڈپٹی کلکٹر بوقت ۴ بجے سہ پہر حسب معمول بنگلہ نمبر ۱۷ واقع پریڈ روڈ پر منعقد ہوا۔ قرآن خوانی اور حمد و نعت اور کارروائی جلسہ گزشتہ کے بعد حسب ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔ اور پاس ہوئیں۔

۱۔ چونکہ ۳۰ جنوری ۱۹۲۸ء کے جلسے میں کانپور کے سربرآوردہ اصحاب سے انجمن تہذیب نسواں کانپور کی جانب سے بذریعہ تحریر کانپور میں ایک اسلامی مدرسہ نسواں قایم کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔ اور عمائدین شہر نے اب تک اس کی کوئی سماعت نہیں کی۔ اس لئے یہ انجمن حسب ذیل حضرات سے درخواست کرتی ہے۔ کہ وہ براہ مہربانی انجمن کی طرف سے نمایندگی قبول فرماکر عمائدین شہر کو انجمن کی تحریری اپیل پر توجہ دلانے کی سعی اور سفارش فرمائیں۔

جناب خان بہادر نظام الدین احمد صاحب ایم اے۔ جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب وکیل۔ جناب وحید احمد صاحب رئیس کانپور۔ جناب ابو المعانی وحید الدین احمد صاحب۔ جناب رفیع الدین احمد صاحب۔ بیرسٹر۔

مجوزہ اخلاق فاطمہ صاحبہ۔ موید محترمہ بیگم صاحبہ جناب رفیع القدر صاحب۔ ڈپٹی کلکٹر۔

۲۔ جناب مولانا آزاد سبحانی صاحب کی تحریک کے مطابق ہماری انجمن کی ہر خاتون کو کلمہ گو خاتون بنا چاہئے۔ یا با الفاظ دیگر کلمہ کے صحیح معنے مطالب جاننا چاہئے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ ہماری ہر خاتون کو بجائے خود ایک رجسٹر بنانا چاہئے جس میں وہ ان مسلمانوں کے نام درج کرتی جائیں جن کو وہ کلمہ طیبہ کے معنے بتائیں گی۔ چنانچہ حسب ذیل خواتین نے اس تجویز پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ اور اپنے نام رجسٹر میں درج کرائے۔

ہمشیرہ صاحبہ محترمہ رفیع القدر صاحب ڈپٹی کلکٹر۔ محترمہ بیگم صاحبہ رفیع القدر صاحب۔ محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ۔ محترمہ سید آرا بیگم صاحبہ۔ محترمہ ممتاز بیگم صاحبہ۔ محترمہ بیگم صاحبہ بابو رشید احمد صاحب۔ محترمہ عشرت فاطمہ صاحبہ۔ محترمہ بیگم صاحبہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب وکیل۔ محترمہ بیگم صاحبہ خان بہادر نظام الدین احمد صاحب۔ محترمہ بیگم صاحبہ رفیع الدین احمد صاحب بیرسٹر۔ محترمہ بیگم صاحبہ وحید احمد صاحب۔ محترمہ صدر جہاں صاحبہ۔ محترمہ والدہ صاحبہ شفیق الرحمٰن صاحب۔ بنت مولانا حسرت موہانی صاحب۔ برجیس جہاں صاحبہ۔ رئیس جہاں صاحبہ۔ اخلاق فاطمہ صاحبہ۔ تہذیب فاطمہ صاحبہ۔ خاکسار۔

مجوزہ مشتاق فاطمہ صاحبہ۔ موید۔ فاطمہ بیگم صاحبہ۔

۳۔ یہ انجمن تجویز کرتی ہے۔ کہ مسلمانوں کو اپنی ترقی کے لئے روز بروز تجارت کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ ہر چند معززین کانپور کی کوششوں سے مسلمان لوگ دکانداری کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ لیکن اب پھر اس طرف سے کچھ بے پروائی ظاہر ہو رہی ہے۔ لہذا اب بھی ان ہی محب قوم حضرات سے استدعا ہے۔ کہ وہ پھر لوگوں کی توجہ دکانداری کی طرف مائل کرائیں۔ خصوصاً ان صاحبان سے۔ جناب

سید حافظ محمد ہاشم صاحب سوداگر۔ جناب مولوی فضل حسین صاحب اڈیٹر البرید ؛

مجوز تہذیب فاطمہ صاحبہ عباسی۔ موئد ہمشیرہ صاحبہ جناب رفیع القدر صاحب ڈپٹی کلکٹر ؛

تجاویز کے بعد حسب ذیل مضامین پڑھے گئے۔

قبر پرستی اور مشرکانہ رسوم۔ ممتاز جہاں بیگم صاحبہ۔

نظم حالی	" "
خیرات	نہرارا بیگم صاحبہ
جھوٹ	برجیس جہاں بیگم صاحبہ
نظم کتاب	نواب جہاں بیگم صاحبہ
نظم علم	رئیس جہاں بیگم
خوشدلی	تہذیب فاطمہ صاحبہ عباسی
جھوٹ	عصمت فاطمہ صاحبہ
نظم	" "

اس مرتبہ قرار یافتہ عنوان "جھوٹ" پر صرف دو لڑکیاں مضمون لکھ کر لائی تھیں۔ اور دونوں کی بساط کے لحاظ سے مضامین اچھے تھے۔ اس تجویز کے مفید ہونے کی بابت جلسہ میں امید افزا خیالات ظاہر کئے گئے ؛

آخر میں حسب معمول ڈاکٹر سر اقبال کے ترانہ پر جلسہ ختم کیا گیا۔ جلسے کے ساتھ اشیاء دستکاری کی ایک مختصر نمائش بھی تھی۔ اس کو بھی ملاحظہ کیا گیا ؛

مشتاق فاطمہ آنریری سکرٹری

انجمن تہذیب نسواں۔ کانپور

محفل تہذیب

میں نہایت رنج و صدمہ کے ساتھ اطلاع دیتی ہوں۔ کہ میری بڑی ہمشیرہ جن کی عمر تقریباً ۲۶ سال کی تھی۔ ۳ مئی ۱۹۲۸ء بروز پنجشنبہ بوقت ۲ بجے دن ہم سب کو بلکتا ہوا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہوگئیں۔ اور ارحم الراحمین کی کھلی ہوئی آغوش میں جاکر میٹھی نیند سوگئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون مرحومہ کے تین ننھے ننھے بچے ہیں۔ ان کے سب سے بڑے بچے کی عمر پانچ سال کی ہے۔ تہذیبی بہنوں سے التجا ہے۔ کہ وہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اور ان کے معصوم بچوں کی درازی عمر کے لئے بھی دعا فرمائیں ؛ ہمشیرہ محمد عاقل

میں نہایت رنج و قلق سے مطلع کرتی ہوں۔ کہ میری پیاری نانی صاحبہ نے بعارضہ دمہ چار پانچ ماہ بیمار رہ کر بتاریخ ۸ مئی بوقت ۱۰ بجے رات کے انتقال کیا۔ مرحومہ بہت نیک بی بی تھیں۔ دعا فرمائیں۔ کہ خداوند کریم مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین!

میرے نانا جناب مولوی نیاز علی خاں صاحب انسپکٹر آف اسکولز ریٹائرڈ کو صدمہ عظیم پہنچا ہے۔ خداوند کریم ان کو اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اگر کوئی تہذیبی بہن یا بھائی ازراہ مہربانی قطعۂ تاریخ

وفات بذریعہ تہذیب یا میرے پتے پر لکھ کر بھیج دیں تو نہایت ممنون ہوں گی ؛ خاکسار خورشید جہاں بنت شیخ رحمت اللہ خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ۔ لاہور۔ چھاؤنی

آج کل بھائی عبدالرحمن صاحب (مریض مبتلائے جذام) کی حالت بہت خراب ہے۔ بیچارے بہت تکلیف اور مصیبت میں ہیں ؛ اس گرمی کے موسم میں عموماً ان کا مزاج بگڑتا ہے۔ ہمدرد بہنیں اور بھائی ان کی صحت یابی کے لئے خلوص دل سے دعا فرمائیں۔ یہاں کے ایک نومسلم سادھو صاحب ان کا علاج کر رہے ہیں۔ خدا انہیں اس علاج سے صحت دے۔ آمین ا مصری رحمن بیگم ڈپٹی ہوس کاکلنا

تہذیب پڑھنے والی بہنیں جو "ڈران تھریڈ ورک" سے واقف ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے اس کام کے نمونے بہت جلد تہذیب کے ذریعے مہیا کر دیں۔ مجھے تکیوں کے غلاف بنانے کے لئے چند بہت آسان اور خوب صورت "ڈران تھریڈ ورک" کے نمونوں کی ضرورت ہے۔ یا انہیں اپنے پتے سے بذریعہ تہذیب مطلع کریں۔ تاکہ میں ان سے براہ راست طلب کر لوں۔ عین مہربانی ہو گی۔ شکر یہ پیشگی قبول کر لیں مگر تساہل کو دخل نہ دیں ؛ راقمہ ر ع ۔ ا

میں نہایت خوشی کے ساتھ لکھتی ہوں۔ کہ میری بھاوج محترمہ بیگم سید محمد حامد صاحب کے یہاں ۲۱ مئی ۱۹۲۸ء مطابق ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ روز دوشنبہ کو صبح پانچ بجے لڑکی پیدا ہوئی ؛ معزز تہذیبی بہنوں اور بھائیوں سے مؤدبانہ التماس ہے۔ کہ وہ براہ کرم اس کا کوئی تاریخی نام نکالدیں۔ اور اگر کوئی شاعر بھائی یا بہن اس موقع پر کوئی نظم لکھ بھیجیں تو میں ان کی بہت ممنون ہوں گی ؛ بھابی صاحبہ کا نام آفتاب جہاں بیگم ہے۔ اور بھائی جان کا اسم گرامی سید شاہ محمد حامد ہے ؛ اگر بچی کے نام میں باپ یا ماں کے نام کی رعایت بھی رہے۔ تو بہت مناسب ہے ؛ سیدہ بیگم ہمشیرہ سید شرف الدین احمد صاحب شاہ کی املی۔ پٹنہ سٹی

مجھے ایک ایسے جنگ نامہ کلاں کی ضرورت ہے۔ جس میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے واقعات شروع سے آخر تک درج ہوں۔ اور مفصل اور عمدہ پیرائے میں لکھے گئے ہوں ؛ نیز مؤثر مرثیے بھی ہوں اگر کسی فاضل کے لکھے ہوئے ہوں۔ تو بہت بہتر ہے۔ کوئی بہن یا بھائی ازراہ مہربانی بذریعہ تہذیب کتاب کی قیمت اور پتے سے جلد آگاہ فرمائیں۔ ممنون احسان ہوں گی ؛ کتاب کی ضرورت محرم میں ہے ؛ ایک خریدار تہذیب

ولائتی معلومات

خاص تہذیب کے لئے

برازیل کی عورتیں

آخر سیاسی حقوق کے متعلق خواتین برازیل کی کوششیں بارآور ہوئیں۔ چونکہ وہ ان حقوق کے لئے سالہا سال سے جدوجہد کر رہی تھیں۔ اس لئے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ انہیں اپنی کامیابی پر کس قدر ناز ہوگا۔ اور ہمارے خیال میں وہ اس پر جس قدر بھی فخر کریں۔ بجا ہے۔ برازیل میں عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دینے کی طرف پہلا قدم ریاست رایوڈی گرانڈ ڈونارٹی کے گورنر جے لیمرٹین نے اٹھایا ہے۔ اب قدرتی طور پر عورتوں کے دل میں امید پیدا ہوگئی ہے۔ کہ دوسری ریاستیں بھی جلد ہی مسٹر لیمرٹین کی پیروی کریں گی۔ اور برازیل کی کانگریس (پارلیمنٹ) بھی خواہ مخواہ روڑے نہ اٹکائے گی۔ بلکہ دوسری ریاستوں میں اس قسم کے حقوق دینے کے متعلق فوراً اپنا فیصلہ شائع کر دے گی۔

ایک لحاظ سے برازیل کی عورتیں خوش قسمت واقع ہوئی ہیں۔ یعنی اگرچہ انہیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے کافی مدت تک بڑی سرگرمی سے جدوجہد کرنی پڑی۔ لیکن اکثر ذی اثر اور مقتدر مردوں کو ابتدا ہی سے ان کی کوششوں اور خواہشات سے ہمدردی رہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ عورتوں نے بالکل پرامن اور آئینی طریق پر جدوجہد کی۔ اور رائج الوقت قانون کا ہمیشہ مناسب احترام کرتی رہیں۔ اب تو برازیل کے پریزیڈنٹ صاحب ڈاکٹر ڈبلیو۔ ایل پیریرا ڈی کوزا بھی ان کے موید بن گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کر دیا ہے "کہ جنسی اختلاف کو شہری حقوق کے اختلاف کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے" پریزیڈنٹ کی ہمدردی اور تائید حاصل ہو جانے سے حقوق طلب خواتین کے حوصلے بڑھ گئے ہیں۔ اور اس تحریک کو بیحد تقویت حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے عورتیں پیش از پیش سرگرمی سے کام کرنے لگی ہیں۔ ہر ریاست میں مرکزی انجمن کی شاخیں قائم ہوگئی ہیں۔ جو نہایت قابل خواتین کی رہنمائی میں کام کر رہی ہیں۔ اب وہ دن دور نہیں۔ جب برازیل کی تمام ریاستوں میں عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل ہو جائیں گے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ برازیل کی

عورتیں سیاسی حقوق حاصل کرنے کی دُھن میں پبلک زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرف سے غافل ہوگئی ہیں۔ بخلاف اس کے وہ تمام شعبوں میں اپنی قابلیت کا ثبوت دے کر ممتاز درجہ حاصل کر رہی ہیں۔ اکثر عورتیں وکیل۔ ڈاکٹر۔ انجینیر اور پروفیسر بن گئی ہیں۔ اور انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ ان میدانوں میں بھی وہ مردوں کے مقابلے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ ڈاکٹر جوانا لوپوس برازیل کے مشہور و معروف اور قابل ترین طبیبوں میں سے ہیں۔ حال ہی میں آپ کو کمزور دماغ عورتوں کے بورڈنگ ہوس میں ایک شعبہ کی صدر مقرر کیا گیا۔ یہ عہدہ حاصل کرنے کے لئے بہت سے مرد ڈاکٹروں نے بھی کوشش کی تھی۔ جن میں سے اکثر مشہور و معروف اور تجربہ کار طبیب تھے۔ اس لحاظ سے مِس ڈاکٹر لوپوس کا تقرر ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مِس موصوفہ کو یہ عہدہ خود پریزیڈنٹ کی جانب سے پیش کیا گیا۔ اور اس کے متعلق جو حکم آیا تھا۔ اس میں اس امر کا صاف الفاظ میں اعتراف کیا گیا تھا۔ کہ موصوفہ کو یہ عہدہ ان کی قابل رشک قابلیت اور طویل تجربہ کی بنا پر پیش کیا گیا ہے۔

ان حالات سے ظاہر ہے۔ کہ برازیل کی عورتوں کو جلد ہی اپنے حقوق کے متعلق جدوجہد میں مکمل کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اور مرد اپنے ملک کی حکومت میں مردوں کی طرح حصہ لینے لگیں گی۔ اور ہمیں یقین ہے۔ کہ اس سے ملک کو کسی قسم کا نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں۔ بلکہ جس قابلیت اور سرگرمی کا وہاں کی عورتوں نے ثبوت دیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ کونسلوں اور کانگریس کے علاوہ کابینۂ وزارت میں بھی عورتوں کی موجودگی نہایت مفید ثابت ہوگی۔

کیوبا میں حقوق نسواں

کیوبا کی عورتیں تقریباً اٹھائیس سال سے اپنے مکمل حقوق حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ وہاں کے مرد اپنی عورتوں کو ان کے جائز حقوق دینے کے معاملے میں بھی بے خدخیل واقع ہوئے ہیں۔ ۱۹۱۷ء میں بڑی مشکلوں سے کانگریس کو ایک قانون پاس کرنے پر آمادہ کیا گیا۔ جس کی رُو سے شادی شدہ عورتوں کو اپنی ذاتی جائداد کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل ہوں۔ اس سے پہلے وہ بے چاری اس معاملے میں بالکل بے دست و پا تھیں۔ حتیٰ کہ جائداد کے متعلق انتظامی معاملات میں بھی انہیں دخل دینے کا حق حاصل نہ تھا۔

پھر کچھ مدت بعد عورتوں کو ایک اور فتح نصیب ہوئی۔ پہلے جو عورتیں کارخانوں میں ملازم ہوتی

تھیں۔ انہیں دن بھر کھڑے کھڑے کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن جب سے عورتیں اس کے متعلق قانون پاس کرواتے میں کامیاب ہوگئی ہیں۔ اس وقت سے انہیں نہ صرف تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بیٹھ کر کام کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ بلکہ آدھے دن کے بعد ایک گھنٹے کی چھٹی بھی ہوجاتی ہے۔

اب حقوق طلب عورتوں کی انجمنیں اس کوشش میں ہیں۔ کہ کارخانوں وغیرہ میں مردوں اور عورتوں کی مزدوری کے متعلق مساوات کا برتاؤ کیا جائے۔ یعنی جس کام میں جتنی مزدوری مرد کو ملتی ہے۔ اگر وہی کام کوئی عورت بھی کرے۔ تو اسے بھی اتنی ہی مزدوری ملے۔ عورتوں کا یہ مطالبہ کسی طرح بھی ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن عام طور پر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ ابھی زنانہ انجمنوں کو اس سلسلے میں بہت جد وجہد کرنے کی ضرورت ہے۔

ہسپانوی لوگوں کی قدامت پرستی ضرب المثل ہے۔ وہ پرانے رواج ترک کرنے پر بڑی مشکل سے آمادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے عورتوں کو ابھی بے حد استقلال کا ثبوت دینا پڑے گا۔ مثال کے طور پر ان پیشوں کو لیجئے۔ جو اب تک صرف مرد ہی اختیار کر سکتے تھے۔ جب عورتوں نے ان کاموں میں داخل ہونے کی اجازت مانگنے کی جرأت کی تو قدامت پرست مردوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور آخر وقت تک مخالفت پر ڈٹے رہے۔ لیکن آخر عورتیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئیں۔

کیوبا کے پریزیڈنٹ نے وعدہ کیا ہے۔ کہ اپنے عہدۂ صدارت کی مدت ختم ہونے سے پہلے پہلے میں عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دلا کے رہوں گا۔ اور اس وقت کیوبا کی حقوق طلب زنانہ انجمنیں اور ان کے ہمدرد بڑی سرگرمی سے کوشش کر رہے ہیں۔ کہ پریزیڈنٹ اپنا یہ وعدہ پورا کرنے میں کامیاب ہوجائے۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے یہ افواہ گرم ہوئی تھی کہ کیوبا کی عورتوں کو رائے دہندگی کا حق مل گیا ہے۔ لیکن یہ افواہ غلط ثابت ہوئی۔ حقیقت صرف اتنی تھی۔ کہ آئین وضوابط میں کچھ ترمیم کی گئی تھی۔ جس کی رو سے کانگریس کے لئے موجودہ آئین قوانین میں مزید تغیر وتبدل کئے بغیر عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دینا ممکن ہوجائے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اس ترمیم کے باعث عورتوں کی راہ میں سے بہت سی مشکلات دور ہوگئی ہیں۔ لیکن کیوبا کی عورتیں اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ ان کے لئے یہ ترمیم کچھ زیادہ امید افزا نہیں۔ کیونکہ اس کے باوجود بھی انہیں اپنے حقوق حاصل کرنے میں کئی سال لگ جائیں گے۔

آخری فیصلہ کانگریس کے اختیار میں ہے۔ اور کانگریس میں اس وقت ایسے ارکان کافی تعداد میں موجود ہیں۔ جو موجودہ حالات میں کسی قسم کی

اصلاح کی شدید مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں" ۔

ترکی خواتین کا لباس

ایک ولائتی اخبار کے نامہ نگار نے ترکی خواتین کی ایک انجمن کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ انجمن حال ہی میں قایم کی گئی ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے۔ کہ عورتوں کے لباس میں جس روز افزوں اسراف سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کا انسداد کیا جائے ۔

اس انجمن کے ارکان کا حلقہ دن بدن وسیع ہو رہا ہے ۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ اس میں صرف غریب یا اوسط طبقہ کی عورتیں ہی شامل نہیں بلکہ نہایت متمول اور بڑے بڑے اعلیٰ عہدہ داروں کی بیویاں۔ بیٹیاں اور بہنیں بھی نہ صرف اس کی رُکن بن گئی ہیں۔ بلکہ انہوں نے انجمن کی بے حد حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور بڑی سرگرمی کا اظہار کر رہی ہیں ۔

اس انجمن کی ارکان خواتین نے عہد کر لیا ہے۔ کہ آیندہ سال بھر میں صرف دو نئی پوشاکیں بنوائیں گی ۔ انجمن کے قواعد کی رو سے کوئی خاتون جو اس کی رکن ہو۔ سال بھر میں دو نئی پوشاکوں سے زیادہ نہیں خرید سکتیں۔ خواہ ان کے لباس کی کیسی ہی ابتر حالت کیوں نہ ہو جائے ۔ ہر ایک ممبر کو ایک بلا دیا جاتا ہے۔ اس پر لکھا ہوتا ہے۔ کہ "میں پُرانا لباس حُب وطن کے جذبہ سے متاثر ہو کر پہن رہی ہوں"۔

پھر یہی نہیں۔ کہ صرف دو نئی پوشاکیں بنوانے پر اکتفا کیا جائے۔ بلکہ اس میں بھی صرف سودیشی کپڑا استعمال کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ ریشمی ہو۔ یا سوتی ۔ لندن۔ روما اور پیرس وغیرہ کا کپڑا استعمال کرنے کی اجازت نہیں ۔

ایک خاتون نے جو گورنر جنرل کی بیوی ہیں۔ اس انجمن کے مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک اخباری نمایندے سے کہا۔ کہ اس انجمن کے ارکان کو مردوں کی طرف سے ہر قسم کی امداد ملنے کی توقع ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں۔ کہ وہ مردانہ طرز کا لباس پہننے کے لئے تیار ہیں ۔ بخلاف اس کے ان کا عقیدہ ہے۔ کہ نسائیت عورت کی زندگی کا سب سے بڑا جزو ہے۔ اور آیندہ بھی اسے یہی اہمیت حاصل رہے گی ۔ نمایندہ مذکور کو اگرچہ خاتون موصوفہ کے خیالات سے پورا اتفاق نہیں۔ مگر اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اگر یہ انجمن اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئی۔ تو ترکی کی اقتصادی زندگی بہت کچھ قابل رشک بن جائے گی۔ اور انجمن اُن خواتین کے لئے مشعل ہدایت بنے گی۔ جو فیشن کی خاطر لباس پر بے دردی سے روپیہ خرچ کر رہی ہیں ۔

خبریں اور نوٹ

قسطنطنیہ ۳ جون - ترکی سفیر توفیق بے ماسکو گئے ہیں - آپ کے ماسکو جانے کو بہت اہمیت دی جارہی ہے - یہاں سے آپ شاہ اور ملکہ افغانستان کے ہمراہ طہران جائیں گے - اور ترکی و ایرانی عہد کے معاہدہ پر دستخط کریں گے ؎

انگورا کا نار ہے - کہ ترکی و عراق کی حدود کے تصفیہ کے لئے جو کمیشن بیٹھا تھا - اب اس نے اپنا کام ختم کرکے رپورٹ مرتب کرلی ہے ؎

قسطنطنیہ کے ۱۵۵ سالہ بوڑھے ترک زارو آغا نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سیر کرنے کا ارادہ کیا ہے - اور قسطنطنیہ کی میونسپلٹی میں جہاں وہ چپراسی کی خدمت پر ملازم ہے - درخواست کی ہے - کہ اسے دو مہینے کی چھٹی دی جائے - کہتے ہیں - کہ زارو آغا کو امریکہ کی سیاحت کے لئے بہت بڑی رقم پیش کی گئی ہے ؎

۲ جون کو قسطنطنیہ میں شاہ افغانستان اور ملکہ ثریا نے جنگی پریڈ کا معائنہ فرمایا - اس کے بعد آپ باطوم روانہ ہوگئے ۔ ۹ جون کو شاہ افغانستان طہران پہنچیں گے ۔ ایران میں شاہ اور ملکہ ثریا کی آمد پر بڑی خوشیاں منائی جارہی ہیں - اور خیر مقدم کی شاندار تیاریاں ہو رہی ہیں ؎

ملکہ افغانستان نے ایک اخبار کے نمایندہ سے ملاقات کے دوران میں پردہ کے متعلق فرمایا - کہ موجودہ پردہ کا آغاز اسلام میں خلیفہ عباس کے عہد میں ایرانی رواج کے زیر اثر ہوا تھا ۔ ہسپانیہ کے مسلمانوں نے کبھی پردہ نہیں کیا - اور ان کی عورتیں مدارس - جلسہ ہائے عام اور تقریبوں وغیرہ میں شامل ہوتی تھیں - اگر پردہ اسلامی فریضہ میں شامل ہوتا - تو ایک مسلمان عورت کو پردہ نہ کرنے پر شریعت اسلامیہ کی طرف سے ویسی ہی سزا دی جاتی - جیسی دوسرے خلاف شریعت افعال کے لئے دی جاتی ہے ۔ یہ کبھی سننے میں نہیں آیا - کہ فلاں مسلمان عورت کو اس لئے سزا دی گئی - کہ وہ بے پردہ ہوگئی تھی - اور نہ یہ پڑھنے یا سننے میں آیا - کہ خلفائے راشدین یا کسی اور بزرگ کے زمانہ میں یہ کوشش کی گئی ہو کہ شہر بشہر اور گاؤں بگاؤں پھر کر اس امر کی تبلیغ کی جائے - کہ ہر مسلمان عورت کے لئے خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو - پردہ نہایت ضروری ہے ۔ آج کل جو مستورات پردہ کرتی ہیں - وہ صرف اعلیٰ سوسائٹی اور امیر گھرانوں کی ہوتی ہیں - اور ان کے پردہ کی بھی یہ حالت ہے - کہ صرف اپنے واقف کاروں بڑوں یا برابر کے آدمیوں سے کیا جاتا ہے - اپنوں یا ملازموں سے پردہ نہیں کرتیں ؎

پردہ کے متعلق آج کل جو خیالات لوگوں میں پھیلے ہوئے ہیں - اگر ان میں تبدیلی نہ ہوئی - تو یقیناً اہل مشرق خصوصاً مستورات ہرگز ترقی نہ

کر سکیں گی۔ میں اپنی مشرقی بہنوں اور بھائیوں کی آگاہی کے لئے یہ عرض کر دینا چاہتی ہوں۔ کہ پردہ کے متعلق ان کے دل میں جو اعتقاد جاگزیں ہے۔ اسے نکال دیں۔ اور اسلام کی اصلی تعلیم پر کاربند ہوں ؛

حال ہی میں تمام علماء ایران نے ایک قرار داد بالاتفاق منظور کی ہے۔ جو حسب ذیل ہے:۔

شاہ افغانستان جو اپنے پروگرام کے مطابق عنقریب ایران تشریف لانے والے ہیں۔ ہم ان کی خدمت میں باادب گزارش کرتے ہیں۔ کہ ملکہ معظمہ نے پردہ اسلامی کے متعلق جو رویہ یورپ کی سرزمین میں اختیار کر رکھا ہے۔ ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں لیکن ہماری اسلامی عزت اس امر کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتی۔ کہ علیاحضرت ملکہ افغانستان شریعت اسلامی کے ناموس کی پروا نہ کرتے ہوئے بے پردگی کی حالت میں یہاں رونق افروز ہوں ؛ ہم اعلیٰحضرت سے پوری توقع رکھتے ہیں۔ کہ ہمارے جذبات کا پورا احترام کیا جائے گا ؛

سلطان ابن سعود نے غلاف کعبہ کے مصارف اپنی جیب سے ادا کئے ہیں ؛

مصری وزارت جنگ اور برطانوی محکمہ پرواز میں اس امر کے متعلق بات چیت ہو رہی ہے۔ کہ مصری طلباء کو مصر ہی میں ہوا بازی کی تعلیم دی جائے۔ کیونکہ طلباء کو باہر بھیجنے میں مصری خزانہ پر بہت بار پڑتا ہے ؛ امید ہے۔ کہ اس گفت و شنید کا نتیجہ مصریوں کے حق میں ہوگا ؛

سرکاری طور پر مصر اور شرق اردن کے مابین ٹیلی فون کا سلسلہ قایم کر دیا گیا ہے ؛ سب سے پہلے عمان (پایہ تخت شرق اردن) سے قاہرہ میں وزیر محکمہ تار و ڈاک کو ٹیلی فون کیا گیا ؛

بیگم زاغلول پاشا خرابی صحت کے باعث، جون کو یورپ جانے والی ہیں۔ آپ وہاں چند ہفتے رہ کر مصر واپس آجائیں گی ؛

قاہرہ میں شاہ فواد نے سنگ خارا کی بنی ہوئی ایک شاندار یادگار کا افتتاح کیا ہے۔ اس عمارت کا نام "بیداری مصر" رکھا گیا ہے ؛

عراق کے محکمہ تعلیم نے دیہات میں تعلیم جاری کرنے کے لئے ایک مفید اسکیم تیار کی ہے ؛

کردستان میں ایک اہم سیاسی تحریک شروع ہوئی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ کردستان کو ترکی ایران اور عراق سے علیحدہ کر کے ایک آزاد حکومت قایم کی جائے ؛

حکومت افغانستان نے جلال آباد میں ایک زراعتی یونیورسٹی قایم کی ہے۔ اس یونیورسٹی کے انتظام کے لئے جرمن ماہرین زراعت کی خدمات حاصل کی گئی ہیں ؛

سر اے کابھم اور ان کی بیوی دو ہزار میل کا ہوائی سفر طے کر کے پلاڈ ناد تھ پہنچ گئے۔ آپ نے ہوائی

جہاز "سنگاپور" میں افریقہ کا سفر کیا ہے۔ اور ان کا بیان ہے۔ کہ سلطنت برطانیہ کو افریقہ میں ہوائی راستہ قائم کرنے میں کسی بڑی دقت کا سامنا کرنا نہیں پڑے گا۔ اور یہ راستہ برطانیہ کی تجارتی ترقی کے لئے نہایت مفید و کار آمد ہوگا۔

بٹلر کمیٹی کے سامنے بیس ریاستوں نے براہ راست اپنے بیانات پیش کردئے ہیں۔ ان میں حیدرآباد اور میسور کی ریاستیں شامل ہیں۔ تقریباً ۶۰ ریاستوں نے جن میں کشمیر۔ گوالیار۔ بھوپال وغیرہ ہیں۔ اپنی طرف سے سر لیسلی اسکاٹ کو نمائندہ مقرر کیا ہے۔

لندن میں مسٹر سکلاتوالہ اور مسٹر ڈیپنی سنہا ۲۰ ارکان کی ایک کانگریس کمیٹی قائم کر رہے ہیں۔ مسٹر سرینواس آئنگر نے کمیٹی مذکور کی حمایت کی ہے۔

مسٹر ہارٹ شارن رکن سائمن کمیشن کے متعلق خبریں شائع ہوئی تھیں۔ کہ انہوں نے سائمن کمیشن سے مستعفی ہوکر آیندہ ہندوستان آنے کا ارادہ ترک کردیا ہے۔ اب خود مسٹر ہارٹ شارن نے ان خبروں کی تردید کی ہے۔

ہوائی جہاز "اطالیہ" نے ۲۳ مئی کی رات کو ایک اور دو بجے کے درمیان قطب شمالی کو عبور کرلیا۔ لیکن جہاز مذکور کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ شاید وہ برفباری کے طوفان سے نہ بچ سکا۔

دارالعوام میں ایک مسودہ قانون کی پہلی خواندگی منظور ہوئی ہے۔ اس قانون کا مقصد یہ ہے۔ کہ ہندوستانی وکلاء کو جج بننے کا زیادہ موقع دیا جائے۔

شیخ ابراہیم الفضل جو بمبئی میں سلطان ابن سعود کے ایجنٹ تھے۔ اور حج کی غرض سے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے۔ انتقال کر گئے۔

بقر عید کے موقع پر برلا ضلع علی گڑھ میں فرقہ دارانہ فساد ہوگیا۔ پولیس کو گولی چلانی پڑی۔ جس سے ایک آدمی ہلاک ہوا۔

ضلع گوڑگاؤں کے قصبہ سوفنتہ میں فرقہ دارانہ فساد ہوگیا۔ پانچ گاؤں کے باشندوں نے سوفنتہ پر حملہ کیا۔ جس میں ۶ اشخاص مرے اور ۴۰ زخمی ہوئے۔

روہڑ کے نزدیک مقام ملک پور میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان اس بات پر فساد ہوگیا۔ کہ سکھ قربانی کی گائے کو روکنا چاہتے تھے۔ حالانکہ ڈپٹی کمشنر نے قربانی کی اجازت دیدی تھی۔ اس فساد میں ۶ سکھ مقتول اور چار زخمی ہوئے۔ ۱۷ مسلمان مرے۔ اور ۷ مجروح ہوئے۔ پولیس کو بھی گولی چلانی پڑی۔ مگر اس سے کوئی نقصان نہیں ہوا۔

۳ جون کو تقریباً پونے چھ بجے صبح نمبرہ ۴ اپ پسنجر کوٹری یارڈ میں داخل ہوتے وقت ایک انجن سے ٹکرا گئی۔ پندرہ مسافروں کو خفیف زخم آئے۔

ریاست خیرپور (سندھ) میں شادیوں پر ٹیکس

لگایا گیا ہے۔ ہر مسلمان کو شادی پر عدم ٹیکس دینا ہوگا۔ خلاف ورزی کرنے پر دس روپے جرمانہ کیا جائے گا۔

بال گنگا دھر تلک کے بیٹے شریدھر بلونت تلک نے پونا ایکسپریس کے نیچے آکر خودکشی کر لی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اخبار کیسری اور مرہٹہ کے مالی جھگڑوں کی بنا پر انہوں نے خودکشی کی ہے۔

مدراس یونیورسٹی نے یکم جولائی سے جرمن اور فرانسیسی زبانوں کی خاص جماعتیں کھولی ہیں۔ ان میں گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ لئے جائیں گے۔ نیز وہ لوگ بھی داخل کئے جائیں گے۔ جو جرمنی یا فرانس جانے سے پہلے وہاں کی زبانوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہوں۔

باردولی میں اضافہ لگان کے خلاف ستیہ گرہ کی تحریک زوروں پر ہے۔ تمام رہنمایان ملک کی ہمدردی وہاں کے رہنماؤں اور کسانوں کے ساتھ ہے۔ اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ حکومت اضافہ لگان کے قانون کو منسوخ کر کے غریب کسانوں کو مزید لگان کے بار سے سبکدوش کر دے۔ لیکن حکومت نے قانون مذکور پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ بعض کسانوں کی جائدادیں ضبط کرنے کی کارروائیاں کی جا رہی ہیں۔ اور سرکاری حکام لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مزید لگان دینے پر مجبور کر رہے ہیں۔

مسٹر وی۔ جے۔ پٹیل نے باردولی ستیہ گراہیوں کی امداد کے لئے ایک ہزار روپے ماہانہ دینے منظور کئے گئے ہیں۔

بمبئی کونسل کے کئی ممبروں نے باردولی میں حکومت کی کارروائیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر کونسل سے استعفے دے دئے ہیں۔

ہندوستان اور افغانستان میں ڈاک کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔ لفافہ کا محصول ۳ ر اور کارڈ کا محصول ۱ ر ہوگا۔ رجسٹری کی فیس ۵ ر لی جائے گی۔

۴ جون کو بادشاہ سلامت کی سالگرہ کی خوشی میں خطابات کی جو فہرست شائع ہوئی ہے۔ اس میں سر میلکم ہیلی گورنر پنجاب کو جی۔ سی۔ آئی۔ ای کا خطاب ملا ہے۔ اور ریاستوں کے کمیشن کے صدر سر ہارکورٹ بٹلر سابق گورنر برما کو جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دیا گیا ہے۔ اور جسٹس براڈوے (پنجاب ہائی کورٹ) نائٹ بنائے گئے ہیں۔

نواب صاحب رامپور کو میجر جنرل کا اعزازی عہدہ عطا ہوا ہے۔ اور بڑی مہارانی گوالیار کو امپیریل آرڈر آف کراؤن کا خطاب دیا گیا ہے۔ مسز اے ی سمتھ زنانہ ہسپتال گجرات۔ پنجاب کو تمغہ قیصر ہند درجہ اول۔ اور مسز ایم ایم مارسین چرچ مشنری سوسائٹی ناروال کو تمغہ قیصر ہند درجہ دوم عطا کیا گیا ہے۔

جلد ۳۱ | لاہور ہفتہ ۲۱ جولائی ۱۹۲۸ء | نمبر ۲۹

تہذیب نسواں

لاہور۔ ہفتہ ۳ صفر المظفر ۱۳۴۷ھ

فہرست مضامین

خلع

آج کئی ماہ ہونے آتے ہیں۔ جو میں نے ایک مضمون خلع پر لکھا تھا۔ اور بتایا تھا۔ کہ عورتوں کے مصائب کا یہ واحد علاج ہے۔ اور تمام مسلمان خواتین کی خدمت میں اپیل کی تھی۔ کہ خدا کے لئے اُٹھیں۔ اور گورنمنٹ سے اس قانون کی جو عین مطابق قرآن و سنت ہے۔ پاس کرا کے اپنی ہم جنس بہنوں پر احسان کریں۔ جن کی زندگیاں ظالم شوہروں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہی ہیں۔ مگر کسی بہن نے کروٹ بھی نہ لی۔ اور میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی +

پچھلے دنوں دہلی میں بڑے زور و شور سے خواتین ہندوستان کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں متعدد رزولیوشن صغر سنی کی شادی کے خلاف اور خدا جانے کس کس کے خلاف اور کس کس کی تائید میں پاس ہوئے۔ مگر خلع کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔ اور نام کیسے لیتے ہ اس جلسہ کی باگ زیادہ تر ہندو اور عیسائی اور پارسی عورتوں کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے مسلمان خواتین کا اتنا لحاظ بھی نہ کیا۔ کہ ان میں سے پچانوے فیصدی انگریزی نہیں جانتی تھیں۔ مگر با ایں ہمہ تقریریں سب انگریزی میں ہوئیں نتیجہ یہ کہ مسلم خواتین کا اس جلسے میں عدم وجود برابر ہو گیا + میں نے تو یہاں تک سُنا ہے۔ کہ بعض خواتین اُردو میں بولنے لگیں۔ تو ان کو سختی سے روک دیا گیا۔ غرض کہ اس کانفرنس سے ہمیں ایسی کوئی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ کہ وہ کوئی ایسا رزولیوشن پاس کرے گی۔ جس سے خاص طور پر مسلم خواتین کو فائدہ پہنچے گا +

صغر سنی کی شادی ہندو سوسائٹی میں زیادہ مروج ہے۔ اس لئے اس کے متعلق رزولیوشن پاس کر لیا۔ جن کا گھر شوہر کے مظالم سے جہنم بن رہا ہے۔ وہ اکثر بے چاری مسلمان عورتیں ہیں۔ اس کی دو وجوہ ہیں:۔

ایک وجہ تو مردوں کی جہالت اور اخلاقی تنزل جو سلطنت کے زوال کے ساتھ مسلمانوں میں پیدا ہو گیا۔ دوسری وجہ مسلمان عورتوں کی حد سے بڑھی ہوئی شرم و حیا۔ اور شرافت خاندانی کا غلط معیار + اس کا ایک ہی علاج تھا۔ اور وہ تھا خلع یعنی جس طرح مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ عورت بھی عدالت کے ذریعے مرد سے طلاق لے سکتی ہے + یہ صریح طور پر قرآن مجید میں موجود ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ مگر بد قسمتی سے ہمارے ہندوستان کی مروجہ شرع محمدی میں نہیں جس کی رو سے عورت خواہ کتنی ہی شوہر کے مظالم کی آماجگاہ ہو۔ اور خواہ وہ تمام عمر معلقہ بنی بیٹھی رہے طلاق نہیں لے سکتی + نتیجہ یہ کہ تنگ آ کر مسلمان عورتیں عیسائی یا آریا بن کر فسخ نکاح کا مقدمہ

عدالت میں دائر کر دیتی ہیں +

اگر حساب لگاؤ۔ تو ایک دو نہیں سیکڑوں مسلمان عورتیں جو پشتینی مسلمان تھیں۔ عیسائیت اور آریا سماج میں داخل ہو چکی ہیں۔ اور اپنی عزت و آبرو کے ساتھ اپنے ایمان کو بھی کھو چکی ہیں+ خود مسلمان وکیل اپنی موکلہ مسلمان عورت کو عیسائی کروا کے تنسیخ نکاح کی عرضی عدالت میں داخل کراتے ہیں + یہ چشم دید واقعات ہیں۔ مگر نہ مسلمان مردوں میں کوئی غیرت باقی ہے۔ اور نہ مسلمان خواتین کو اپنے فرائض کی طرف توجہ ہے + میں نے مسلمان مردوں کو بلکہ کونسل کے ممبروں تک کو کہا۔ مگر وعدے سب کر گئے۔ اور کیا کسی نے کچھ بھی نہیں + سوچا تھا۔ کہ عورتیں اپنی ہم جنسوں کے لئے کچھ کریں گی۔ اس لئے انہیں مخاطب کیا تھا۔ مگر وہاں سے بھی سوائے خاموشی کے اور کوئی جواب نہیں ملا+

میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو پرانے فیشن یا متوسط طبقے کی مستورات ہیں۔ وہ ابھی تک اتنی جرات نہیں رکھتیں۔ کہ خلع کے مضمون کو ہاتھ تک لگا سکیں۔ کیونکہ اس سے ان کی شرافت خاندانی پر بٹہ لگتا ہے۔ یا مردوں کا جُوا ان پر اس قدر زبردست ہے۔ کہ وہ بے چاریاں کان تک نہیں ہلا سکتیں۔ اور جو اعلیٰ طبقے یا نئے فیشن کی مستورات ہیں۔ انہیں اس کی ضرورت ہی نہیں + لیکن سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ پھر اخباروں میں یہ عورتوں کی آزادی کے راگ کیوں الاپے جاتے ہیں؟ کیا یہ کاغذوں تک ہی شور و شغب محدود ہے۔ یا اس کا کوئی عملی وجود بھی ہے؟

اخباروں میں مضامین لکھنا۔ یا کوئی کہانی یا ناول لکھ لینا کوئی خوبی نہیں۔ جب تک اس کے ساتھ کوئی عملی کام مسلمان خواتین کی بہبودی کا نہ ہو۔ کسی فیشن ایبل پارٹی یا جلسے میں شمولیت اور اس میں فیشن کا نمود از تکلف کی تقریر۔ یا انگریزی میں بات چیت یا پیانو بجا لینا کسی خاتون کو اس معراج ترقی پر نہیں پہنچا سکتا۔ جتنا کوئی عملی کام جس کے ذریعے سیکڑوں غریب اور مظلوم عورتوں کا بھلا ہو جائے + آخر یہ آل انڈیا مسلم لیڈیز کانفرنس کس مرض کی دوا ہے؟ وہ کونسا عملی کام ہے۔ جو یہ کر رہی ہے؟ اور کچھ نہیں۔ تو خلع کے متعلق ہی کوئی رزولیوشن پاس کرے + کسی زنانہ یا قومی اخبار کو اُٹھا لو۔ خواتین کے ہمدرد منہ بولے بھائیوں کی ایک پلٹن نظر آتی ہے۔ جو عورتوں کی ترقی۔ تعلیم۔ تہذیب اور ہمدردی کے نشہ میں چور ہو کر شب و روز غوغا مچا رہی ہے۔ مگر ان سب کی مشترکہ الاپ ایک ہی ہے۔ کہ پردہ اُٹھاؤ۔ پردہ اُٹھاؤ۔ اس کے علاوہ مجھے تو اور کچھ نظر نہیں آتا۔ شاید کچھ درپردہ عملی کام کر رہے ہوں۔ تو پتہ نہیں + کیا یہ سب بہن اور بھائی مل کر اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ کہ اپنی غریب اور مظلوم بہنوں کی آزادی کے لئے گورنمنٹ

کی مجلس قوانین سے خلع کا قانون پاس کرا دیں۔ جس سے مسلمان عورتوں کے لئے ارتداد اور شدھی کا دروازہ بند ہو؟

مسلمان جیسی غیور قوم اور ایسی بے حسی۔ کہ ان کی مسلمان بہنیں اور بیٹیاں رات دن عیسائی اور آریہ ہو کر اپنی عزت اور ایمان کو تباہ کر رہی ہیں۔ اور کسی ذرا بھی درد نہیں ہوتا۔ کیا اسلام کی بیٹیاں خود ہماری بیٹیاں نہیں ہیں؟ کیا ان کے لئے ہمیں ویسی ہی غیرت نہ ہونا چاہئے جیسی اپنی بیٹی کے لئے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اطمینان سے بیٹھے یہ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اور ٹس سے مس نہیں ہوتے؟ کہاں ہیں۔ وہ اسلام کی غیرت مند بیٹیاں اور بیٹے۔ جو اپنی بہنوں کی عزت اور ایمان کی حفاظت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں۔ جب تک حکومت سے خلع کا قانون نہ پاس کرا لیں؟

خاکسار بشارت احمد

ذہین بچے

میں نے اس بات کو خوب آزمایا ہے۔ کہ بچے فطرتاً ذہین ہوتے ہیں۔ میرے اس بیان کی تصدیق اس امر سے ہو جائے گی۔ کہ انسان بچپن کے محدود عرصہ میں جو کچھ حاصل کرتا ہے۔ اس مناسبت سے وہ بقیہ تمام عمر میں بہت ہی کم سیکھتا ہے۔ انگریزوں کے بچے خاص کر بہت ہی ذہین اور چست و چالاک ہوتے ہیں۔ اور کافی غور و پرداخت ہونے کے سبب سے ان کی دماغی اور جسمانی نشوونما میں نمایاں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ مجھ کو اس کے کئی سبب معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ جن اصولوں کے تحت بچوں کی دماغی و جسمانی حالت کی نشوونما ہوتی ہے۔ وہ ان سے کما حقہٗ واقف ہو سکتے ہیں۔ اور عمدہ صحت کا اثر ان کو علاوہ چست و چالاک بنانے کے رکھتا ہے۔

۲۔ ان بچوں پر سختی اور تشدد نہیں ہوتا۔ اور ان کی تفریح کے سامان مہیا رہتے ہیں۔

ہمارے چند مستثنیٰ مثالوں کے تقریباً سب ہی بچے پڑھنے لکھنے سے جی چراتے ہیں۔ ہمارے ہاں بعض بزرگ تو اس بارے میں اس قدر سختیاں کرتے ہیں۔ کہ بچے پڑھنے لکھنے سے بالکل ہی نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اور بعض سرے سے لاڈ پیار میں بچوں کی تعلیم ہی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پچھلی قسم کے لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ افسوس ہے کہ ان فریقین میں دونوں غلطی پر ہیں۔

آج کل بچوں کی تعلیم دینے کا نیا طریقہ جو کنڈر گارٹن کے ذریعے نکلا ہے۔ وہ نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ اور بے حد مقبول اور کامیاب ثابت ہوا۔ اس لئے کہ کھیل کا کھیل اور تعلیم کی تعلیم۔ افسوس

ہے۔کہ یہ طریقۂ تعلیم ابھی عام نہیں ہوا۔ چنانچہ بعض اُستاد بچوں سے اس قدر سختی اور جبر کا برتاؤ کرتے ہیں۔کہ وہ بچوں کی فطرت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس طریقے سے بچوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہوتی۔ خاص کر مار کی سزا دینا تو از حد خطرناک ہے۔ اکثر بچوں کی جسمانی اور دماغی حالت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔کسی بچے سے اس کی شان میں چند تعریف کے جملے اور تحسین و آفرین کے الفاظ کہنے کے بعد دوستانہ اور محبتانہ انداز میں کسی حکم کی تعمیل کروائی جائے۔خوشی خوشی کر دے گا لیکن اسی کو اگر سختی سے حکم دو۔ تو ڈر کے سبب سے کرے گا تو سہی۔لیکن ہمیشہ پھر اس کام سے نفرت ہو کر ضد پیدا ہو جائے گی۔

پُرانے خیالات کے اکثر بزرگ اپنے طرز عمل کی تائید میں فخر بہ طور پر کسی ظالم شخص کا منقولہ۔کہ "کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نگاہ" فوراً کہہ بیٹھتے ہیں۔ میں ایسے محترموں سے نہایت ادب کے ساتھ عرض کرتی ہوں۔کہ بزرگوار من بچے کو سونے اور جواہرات کا نوالہ ایسی حالت میں کھلانا بالکل ہی عبث ہے۔جب کہ آپ اپنی شیر یا شیر ببر کی حرکات اور نگاہوں سے اس کے ننھے دل و دماغ پر اثر ڈالیں۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے ساتھ ایک چھوٹی سی بغاوت پر تلا رہے۔ اس طرح کا طرز عمل بچوں کی ذہانت خاک میں ملا دیتا ہے۔

اور اکثر بچے تو ہمیشہ افسردہ رہنے لگتے ہیں۔ ورنہ بچے اور افسردہ ہوں؟

میرا یہ مطلب نہیں۔کہ بچوں کو حد سے زیادہ بے تکلف بنا لیا جائے۔لیکن خیر الامور اوسطہا کو مدنظر رکھتے ہوئے ادب قاعدہ بھی حد سے زیادہ اچھا نہیں ہوتا۔جس سے بچوں کی دماغی و جسمانی ترقیاں سکون پذیر ہو جاتی ہیں۔ سب سے بہتر تو یہ معلوم ہوتا ہے۔کہ بچوں کو ہر وقت نصیحت کرنے کی بجائے اپنی عملی زندگی کی اچھی سے اچھی مثالیں پیش کیجئے۔ ورنہ نصیحتیں ہرگز سُو سُند نہ ہوں گی۔

اکثر بچوں کو کسی نہ کسی خاص کام سے شغف ہوتا ہے۔کسی کو ننھے پودوں کی دیکھ بھال سے کسی کو طبابت سے لگاؤ۔ کوئی جنگ کی اور بہادری کی باتیں دلچسپی سے سنتا ہے۔کسی کو شعر گوئی کا شوق کسی کو کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے۔بعض بچوں کو میکنکل انجنیری سے شوق ہوتا ہے۔چنانچہ اپنے کھلونوں کی مرمت اور کل پُرزوں کے بگاڑ بیران کی درستی خود ہی کر لیتے ہیں۔ اور اکثر بچوں میں تو تحقیقات کا اس قدر مادہ ہوتا ہے۔کہ وہ اپنی بعض اشیاء توڑ کر تحقیقات کی خاطر ان کی درستی کرتے رہتے ہیں۔

بچوں کو جس چیز سے خاص دلچسپی ہو۔ بہتر ہے۔کہ ان کو اس کے متعلق کافی معلومات کا ذخیرہ

بہم پہنچایا جائے۔ اور رجحانات طبیعت دیکھ کر اسی سلسلے کی تعلیم دی جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ماں باپ چاہتے ہیں۔ بچہ بیرسٹر بنے۔ اور لڑکا انجینیری کو پسند کرتا ہے۔ تو ماں باپ اپنی پسند کی خاطر غریب لڑکے کی خوشی کا خون کر دیتے ہیں۔ اور اس کو اپنی غیر معمولی ذہانت دکھانے کا موقع نہیں ملتا۔ جس بات سے بچوں کو دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کی جانب بچوں کو جبراً دھکیلنا کتنی ناانصافی ہے؟ اس بات پر اپنی اپنی طبیعت پر قیاس کر کے دیکھ لینا چاہیئے بعض دفعہ کسی کا جبر کرنا کتنا ناگوار ہوتا ہے۔

یوں تو سبھی ننھے ذہین ہوتے ہیں۔ ان کے ننھے دماغ ہمیشہ کسی نہ کسی خیال اور تحقیقات میں غلطاں اور پیچاں نظر آتے ہیں۔ لیکن بعض بعض بچے غیر معمولی ذہین اور بلا کے تیز اور ہوشیار ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسے بچوں کی اگر کافی تعلیم و تربیت ہو۔ تو ان کے نپولین۔ سر سید سر محمد اقبال۔ خالدہ ادیب خانم اور ام عمارہ ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔

امرا میں تو خیر بچے تعلیم پا بھی جاتے ہیں۔ لیکن ایسی غیر معمولی ذہانت کے بچے اگر غریبوں میں ہوئے۔ تو ان کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ افسوس ہے۔ کہ غربا تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔ ورنہ اگر ایسے نونہال بچے تعلیم پائیں۔ تو فخر قوم و ملک ثابت ہوں۔ اور اپنے علم سے لاتعداد ہی فیض پہنچائیں۔

غیر معمولی ذہانت والے بچوں کو اگر تعلیم و تربیت نہ ملی۔ تو پھر یقینی طور پر اسے روشنی طبع تو برمن بلا شندی کا مضمون ہو جاتا ہے۔ اور ان کی تیز طبیعت کا رجحان غلط جانب ہو جاتا ہے۔ افسوس کہ وہی بچے جن کے اعلیٰ تعلیم و تربیت سے مالا مال ہونے سے چراغ قوم ہونے کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ وہی قوم و ملک کے لئے نہایت خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کی جانب خصوصیت سے بلا امتیاز امیری و غریبی کے توجہ درکار ہے۔

ہندوستان میں خاص کر مسلمانوں میں بچوں کی جو جماعت کثیر جاہل و ناشائستہ رہ جاتی ہے۔ اس کو دیکھ کر جو صدمہ ہوتا ہے۔ وہ ناقابل تحریر ہے۔ امیر والدین اور مربیوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے نونہالوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائیں۔ اور ایسے ناعاقبت اندیش والدین کو جو لاڈ پیار میں اپنی اولاد کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔ مجبور کریں۔ کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم کے سرچشمہ سے تشنہ کام نہ رکھیں۔ یہی وہ بچے ہیں۔ جن سے ہم کو امید ہے۔ کہ اپنے علم و ہنر اور متحدہ کوششوں کے صرف سے ہماری قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچا لیں گے۔ نونہالان قوم کو اعلیٰ تعلیم دلانا بنک میں رکھے ہوئے سرمایہ کثیر اور جوئیل بکس میں رکھے ہوئے بیش قیمت زیور سے بدرجہا

کارآمد ہے۔ یہ ایسا زیور و سرمایہ ہے۔ جو ہمیشہ
فائدہ پہنچاتا رہے گا۔ اور قوم و ملک اس سے
ہمیشہ فیض پاتی رہیں گی۔

ہر بہن اور بھائی کا فرض ہے۔ کہ جہاں وہ
اپنے نورچشموں کی خاطر تعلیم و تربیت کے مصارف
برداشت کرتے ہیں۔ غربا کی ہونہار پود کو بھی
سرچشمہ تعلیم سے تشنہ کام نہ رکھیں۔ کتنی ناانصافی
ہے۔ کہ غربا افلاس کے سبب سے تربیت سے
خارج کر دئے جائیں؟ نیز ان فائدوں سے
محروم رہ جائیں۔ جن سے وہ بھی فائدہ حاصل
کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ جب کہ ان کے
سرمایہ دار بھائی مدد کر سکتے ہیں۔ امید کہ میری
درخواست رائیگاں نہ جائے گی۔ اور سب بہن
بھائی اپنے زیر اثر غربا کو تعلیم دلوانے کے فریضہ
کو ادا کر کے فلاح دارین حاصل کریں گے۔ وما
علینا الا البلاغ۔

خاکسار مہدی بیگم۔ از حیدر آباد دکن

مامائیں

ان دنوں بیبیوں اور ماماؤں کے تعلقات پر
اکثر مضامین تہذیب میں دیکھنے میں آئے ۲۸؍
اپریل کے پرچہ میں محترمہ صابرہ بیگم صاحبہ نے
اپنے مضمون "ہماری مامائیں" میں اس مضمون
پر دوسرے بھائیوں اور بہنوں کی رائیں بھی
دریافت کی ہیں۔ اس لئے بے موقع نہ ہوگا۔
اگر ہم بھی اس کے متعلق چند الفاظ میں اپنے
ناچیز خیالات کا اظہار کریں۔

میری بہن نے اپنے مضمون میں مالکہ اور خادمہ
کے درمیان ناخوش گوار تعلقات کی ذمہ داری
زیادہ تر موخرالذکر کو قرار دیا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ
بظاہر زیادتی ماماؤں کی ہی معلوم ہوتی ہو لیکن
ذرا غور سے ملاحظہ فرمائیے۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ اس
کی بہت کچھ ذمہ داری خود آپ ہی پر عائد ہوتی
ہے۔ ماما خدا کی طرف سے آپ کے لئے کوئی
عذاب کا فرشتہ بن کر تو آتی نہیں۔ وہ جب گھر
میں داخل ہوتی ہے۔ تو یہاں کا رنگ ڈھنگ
دیکھ کر اسی کے مطابق اپنا آئندہ طرز عمل قرار دیتی
ہے۔ اگر اس نے دیکھا۔ کہ یہاں کی بی بی واقعی
"بی بی" ہیں۔ تو وہ بھی اپنے آپ کو اصلی معنوں
میں ماما سمجھتی ہے۔ اور اگر اس کو بی بی میں خواہرانہ
شفقت کی بو بھی معلوم ہوتی ہو۔ تو وہ بھی اپنے کو
ان کی دوسری بہن تصور کر لینے میں ذرا بھی تامل
نہیں کرتی۔

میری بہنیں معاف کریں گی۔ مگر یہ واقعہ ہے۔
کہ ہمارے یہاں کے بہتیرے گھروں میں اپنی نیکی
ہی کے سبب سہی۔ ماماؤں کے ساتھ کچھ ایسا
مشفقانہ برتاؤ کرتی ہیں۔ اور اپنی باتوں سے ان

پر کچھ اس طرح اپنی کمزوریوں کا اظہار کر دیتی ہیں۔ کہ وہ کبھی شوخ ہو کر سروں پر ناچنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ اور ہر آن موقع کی منتظر رہتی ہیں۔ کہ بیبیوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائیں۔

ایک ہی گھر میں اندر مامائیں رہتی ہیں۔ اور باہر نوکر رہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں کے طرز عمل میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے۔ ہم جب کسی ملازم کو پکارتے ہیں۔ تو اگر چار آدمی ہیں۔ تو ان میں سے ہر ایک سنتے ہی تعمیل حکم کے لئے آنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب آپ کسی شدید ضرورت کے وقت اپنی ماماؤں کو آواز دیتی ہیں۔ تو کیا یہ نہیں ہوتا۔ کہ اگر ایک ہے۔ تب تو اس نے وہیں سے بگڑ کر کہا۔ کہ بی بی کیا آپ دیکھتی نہیں۔ کہ میں ہانڈی کے پاس بیٹھی ہوں؟ اور اگر دو چار ہیں۔ تو بقول صابرہ بیگم صاحبہ۔ "ان میں سے ہر ایک کو انتظار رہتا ہے۔ کہ دوسری اُٹھے"۔ پھر آخر اس کا سبب کیا ہے؟ بات یہ ہے۔ کہ ہم لوگ نوکروں کو محض ایک ملازم سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے لیکن ہماری بہنیں اپنی ماماؤں کو بہت جلد اپنا شفیق۔ بہی خواہ اور جاں نثار دوست خیال کرتی ہیں۔ پھر جب ان کو ایسی محبت کرنے والی بیبیاں مل جائیں۔ تو ان پر ناز نہ کریں۔ تو تعجب ہے۔

ہمیں جب کسی نوکر کو رکھنا منظور نہیں ہوتا تو اسے اس کا مشاہرہ حوالے کر دیتے ہیں۔ اور وہ چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بی بی اپنی کسی ماما کو جواب دینا چاہیں۔ تو یہ کوئی آسان کام نہیں۔ سب سے پہلے تو اسے ہٹانے کے لئے انہیں کوئی قصور تجویز کرنا ہوگا۔ جب یہ ہو چکا تب اس پر جانبین سے مباحثہ شروع ہوا۔ بی بی نے ایک کہی۔ ماما نے چار سنائیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تھوڑی دیر میں گھر اچھا خاصا میدان جنگ بن گیا۔ جب شور زیادہ ہوا۔ تو محلے کی عورتیں جمع ہو گئیں۔ بظاہر تو انہوں نے بی بی کا ساتھ دیا۔ لیکن باہر نکلتے ہی ماما کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ بوقت شام ماما نے بی بی سے لڑ جھگڑ کر اپنی تنخواہ وصول کی۔ اور چیختی چلاتی گھر سے روانہ ہوئی۔ اب وہ جہاں جاتی ہے۔ بی بی کی بد مزاجی کی داستان دہراتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بیبیاں عام طور پر بد مزاج مشہور ہو جاتی ہیں۔

اس قضیئے سے بچنے کی میرے خیال میں بس واحد صورت یہی ہے۔ کہ بیبیوں کو ماماؤں کے ساتھ وہی برتاؤ رکھنا چاہئے۔ جو مرد نوکروں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ممکن ہے۔ میری بعض بہنیں کہیں۔ کہ "جو تکلیف ماما کے نہ رہنے سے عورتوں کو ہوتی ہے۔ وہ نوکر کے چلے جانے سے مردوں کو نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان کا کام ہی کیا ہے؟ اگر غسل خانے میں پانی نہیں۔ تو ماما ہی رکھے گی۔ مکان کی صفائی نہیں ہوئی ہے۔ تو اس کام کو بھی ماما ہی کر سکتی

ہے۔ یا اگر کسی جگہ آدمی کو بھیجنا ہو۔ تو اس کو مجبوری کی حالت میں مرد خود یہ کام کر سکتے ہیں۔ لیکن اصل سوال تو کھانا پکانے کا ہے۔ جو بلا کسی ماما کی امداد کے بال بچوں والے گھروں میں بالکل غیر ممکن ہے"

میں ان بہنوں سے کہتا ہوں۔ کہ یہ سچ ہے۔ لیکن آپ ان مردوں کی مجبوریوں کا بھی تو اندازہ فرمائیے۔ جو سفر میں بغیر فیملی کے رہتے ہیں۔ جہاں اگر ان کا نوکر انہیں چھوڑ کر چلتا ہو۔ تو انہیں کھانا بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر ماما نہ ہو۔ تو آپ کسی طرح سے خود بھی پکا سکتی ہیں۔ اور بال بچوں پر فاقے کی نوبت نہیں آتی۔ لیکن ہم لوگ تو اس سے بھی مجبور ہیں۔ مگر پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہمارے اور نوکروں کے درمیان کبھی جنگ نہیں ہوتی؟ میں پھر کہوں گا۔ کہ اس کی وجہ محض اپنا رکھ رکھاؤ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی دیکھتا ہوں۔ کہ نوکر عام طور پر مہذب ہوتے ہیں۔ اور ماماؤں میں نوے فی صدی بدتمیز ہوا کرتی ہیں۔ ہم لوگ جب آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ تو کسی نوکر کی مجال نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ ہماری باتوں میں دخل دے۔ لیکن میں نے یہ بہت دیکھا ہے۔ کہ جہاں چار بیبیاں آپس میں گفتگو کر رہی ہیں۔ تو اس میں ان کی ماما کی شرکت یقینی ہوتی ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ شروع ہی سے ماماؤں کو کچھ اس طرح پر شوخ کر دیا جاتا ہے۔ کہ آخر میں جب ان کی اصلاح کرنی چاہیں بھی تو نہیں ہو سکتی۔

ممکن ہے۔ میرے یہ الفاظ اکثر بہنوں کو ناگوار گزریں۔ تو میں ان سے اس کی معافی چاہتا ہوں۔ لیکن بخدا میں نے جو دیکھا ہے۔ وہ لکھ دیا۔ اب میں نہایت ادب کے ساتھ اپنی معزز بہنوں کو مشورہ دوں گا۔ کہ وہ خود سے کام کرنے کے علاوہ مامائیں رکھیں تو ضرور۔ لیکن کبھی اپنے آپ کو ان کا محتاج نہ بنا لیں۔ اور ان پر نہ تو ظلم کیا کریں۔ اور نہ خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ ان کے ساتھ محبت کا اظہار کیا کریں۔ جس سے وہ شوخ ہو کر آخر میں انہیں کو ستانے لگیں۔ اگر انھوں نے اس اصول پر عمل کیا۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ ان کو آیندہ اپنی ماماؤں سے شکایت کا موقع ملے۔

شرف الدین احمد عظیم آبادی

باجے کا شوق

عورتوں کو باجے کا شوق اتنا ہوتا ہے۔ کہ معمولی سی آواز بھی باجے کی سن لیں گی۔ تو ضروری سے ضروری کام پر سے اُٹھ کر باجا دیکھنے چل دیں گی۔ اب چاہے کام بگڑے یا نقصان ہو۔ ذیل میں ایک قصہ تحریر کرتی ہوں۔ کیا کوئی بہن بتلا سکتی ہیں۔ کہ یہ جھوٹ ہے۔ یا سچ؟

بیگم صاحب باورچی خانہ میں بیٹھی ہنڈیا بھون رہی ہیں۔ محبوبن ماما بیٹھی ہوئی تلی پیاز قورمہ کے واسطے پیس رہی ہے۔ یکایک باجے کی بہت زور سے آواز آئی۔ بیگم صاحبہ اتنا کہہ کر "ماما جی ذرا ہنڈیا تم دیکھ لینا" خود کوٹھے پر چڑھ گئیں۔ ماما آخر کس بات میں کم تھیں۔ وہ بھی پیاز چھوڑ بی بی کے پیچھے پیچھے اوپر چڑھ گئیں۔ تینوں بچے بھی بے تحاشا اوپر بھاگے۔

بارات واقعی بہت اچھی تھی۔ بیگم کا دل بہت خوش ہوا۔ بیٹی والے کی تعریف کرتی نیچے اتریں۔ کوٹھے پر ماما کو دیکھ کر بھی کچھ نہیں کہا۔ باورچی خانے میں آئیں۔ تو اور ہی نقشہ تھا۔ سل پر مرغی کے چوزے پھر رہے تھے۔ ہنڈیا کوئلہ ہو چکی تھی۔ اب کیا تھا۔ ماما پر ڈانٹ پڑنی شروع ہوئی۔ کم بخت سے کہا تھا۔ ہنڈیا دیکھیو۔ حرام خور کو روٹیاں لگ گئی ہیں۔ غضب خدا کا پانچ چھ منٹ میں ہنڈیا کوئلہ ہو گئی۔ کم بخت بوڑھی ہو گئی۔ مگر شوق نہ گئے۔ اس پر خدا کا غضب ٹوٹے۔" اور نہ معلوم کیا کیا کہا۔ بارے پانچ چھ منٹ میں اس کو کوسنے پیٹنے کے بعد اپنے آپ پر ملامت کرنا شروع کیا۔

" بیسیوں مرتبہ دیکھ چکی ہوں۔ کہ بارات کے شوق میں ایسا حال ہوا ہے۔ پر باجے کی آواز سنتے ہی کم بخت [illegible] قابو سے نکل جاتا ہے۔ موت بھی تو نہیں آتی۔ کہ اس روز روز کی تھکا فضیحتی سے نجات ملے۔ دوسرے تیسرے یہی قصہ۔ کم بخت سڑک بھی ایسی ہے۔ کہ روز برائیں گزرتی ہیں۔ تو جی دیکھنے گئی تھی۔ آج کا دن کیسا منحوس تھا۔ جانے صبح ہی صبح کس کا منہ دیکھا تھا۔ دیکھو آج کیسی آفت برپا کریں گے۔ ان مرغیوں کا تو میں منہ کالا کروں گی"۔

اس آفت کے بعد گوشت کا جو کچھ کر سکتی تھیں کیا۔ میاں نے جو کچھ آفت ڈھائی ہو گی۔ ظاہر ہے۔

آج پانچواں دن ہے۔ بیگم کے دل پر گوشت کے جل جانے کا اب تک اثر ہے۔ دو ایک دفعہ سینما کے اشتہار کے ساتھ جو باجا جاتا ہے۔ اس کو بھی نہیں دیکھا۔ گویا دل میں اب برات نہ دیکھنے کا عہد کر لیا ہے۔ لیکن خدا بھلا کرے۔ محرم اور فرقہ وارانہ فساد کا۔ کہ فوج نکلی۔ محرم کی آمد کے سلسلے میں بیگم صاحبہ کا عہد ٹوٹا۔ خود ہی اتنا کہہ کر اب تو کچھ پکا نہیں رہا۔ دیکھنے کو کوٹھے پر چڑھ گئیں۔ بچہ بھی ساتھ ہی تھا۔ وہ ذرا سی دیر میں یہ کہہ کر "ہم تو اب دیکھ چکے" نیچے اترنے لگا۔ اماں جان نے بچے کے گرنے کے خوف سے اس کا ایک ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن دل فوج کے سپاہیوں ہی میں تھا۔ بچہ تھا ضدی۔ ماں کے پکڑنے سے بپھر گیا۔ ہاتھ چھڑا بھاگنے لگا۔ لیکن ماں نے نہ چھوڑا آخر کب تک؟ گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ بچہ پھسل کر نیچے

گر پڑا۔ کہاں کی بارات اور کیسی فوج۔ جلدی سے اُتریں۔ بڑے کو ڈاکخانہ بھیجا۔ کہ ابا کو بلا لاؤ۔ خود مرہم پٹی میں مصروف ہو گئیں۔ بعد کا نتیجہ خود ہی نکال لیجئے۔

سات آٹھ دن بعد بچہ تو اچھا ہو گیا۔ لیکن ماں کے دل پر یہ نقش ہو گیا۔ کہ اب کبھی برات با باجہ دیکھوں گی۔ اور غالباً انہوں نے توبہ بھی کر لی۔ نہیں تو آٹھ دن تک برابر محرم کا کوئی نہ کوئی تماشا ہوتا ہی رہتا تھا۔ بیگم صاحبہ کیوں نہ چھجہ پر اس تماشہ کو دیکھنے گئیں۔ لیکن آخر یہ ضد کبھی کب تک؟ دسویں کو تعزئے بہت دھوم دھام سے اُٹھے۔ شوہر بھی پاس ہی کرسی پر بیٹھے تھے۔ بہت دیر تک آواز کو سنتی رہیں۔ اور ضبط کیا۔ مگر آخر نہ رہا گیا۔ اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ شوہر بولے۔ کیوں کیا تعزیہ دیکھنے جا رہی ہو؟ آپ نے جواب دیا۔ "نہیں تو"۔ یہ کہہ چپکے سے کمرے میں پہنچ کر دوسری طرف سے کوٹھے پر چڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ اندھیرے میں بے چاری کو کچھ نظر نہ آیا۔ کمرے کے بیچ میں میز رکھی تھی۔ ٹھوکر لگنے سے گر گئی۔ میز پر ہی شیشہ کا جگ اور دو گلاس رکھے تھے۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بیگم اس کا کچھ خیال کئے بغیر پھر چلیں۔ ایک ہی قدم اٹھایا تھا۔ کہ پیر میں بہت بڑا شیشہ چبھ گیا۔ اتنے میں شوہر صاحب بھی غیر معمولی دھماکے کی آواز سن کر کمرے میں بے تحاشا بھاگ کر آئے۔ نیکی کے بدلے بدی۔ ایک شیشے نے بڑھ کر صاحب بہادر کا پیر چوم لیا۔ لیکن وہ بے چارے اپنی تکلیف بھول گئے۔ بیگم کی آواز سن کر لالٹین لائے۔ دیکھا۔ تو بیگم کا پیر خون خون ہو رہا ہے۔ غصہ میں اتنا کہا۔ "یہی سزا ہے۔ خدا نے پیر ہی زخمی کیا"۔ بارے خدا خدا کر کے بیگم ایک ماہ میں چلنے پھرنے لگیں۔ لیکن پیر میں کچھ لنگڑا پن باقی ہے۔ عادت پڑی ہوئی چھوٹنا مشکل ہے۔ وہ یونہی جلتی بھنتی نقصان کرتی۔ چوٹ کھاتی رہیں گی۔ کب تک رونا روئیں۔

خاکسار نفیس فاطمہ

جدائی

بہ سفر رفتنت مبارک باد۔
بہ سلامت روی و باز آئی۔

گزشتہ دنوں کی بات ہے۔ کہ جب کبھی مَیں دریچے سے اپنے نیلگوں سمندر کو جھانکتی تھی۔ تو میرے بے ترتیب تنفس میں ایک ترتیب آجاتی تھی! میرے مچلے ہوئے انداز میں ایک شائستگی پیدا ہو جاتی تھی۔ اور لوگ کہتے ہیں۔ کہ میرے سکوت پسند لبوں پر ایک خفیف سا تبسم جنبش کرتا دکھائی دیتا تھا۔ مگر آج یہ بات نہیں ہے!

آج سمندر کی ان کالی سفید موجوں میں بڑی عجیب بات یہ ہے۔ کہ ان کی روانی کے ساتھ ہی ساتھ میرا دل دھڑک رہا ہے!

اللہ! آخر یہ کیا راز ہے؟

پہلے جب میں سفید بادبانوں والے اونچے اونچے جہاز دیکھتی تھی۔ تو مسرت سے گلابی ہو جاتی تھی۔ اور ان زبردست سیاحوں کی جگہ اپنی قسمت پر حسد و رشک سے آہیں بھرتی تھی۔ مگر آج . . . میں ان بادبانوں سے ڈرتی ہوں۔ اور زرد ہو جاتی ہوں . . . .

پچھلے دنوں بندرگاہ کی برقی روشنیاں مجھے تقدیر کی فطرتی چمک یاد دلاتی تھیں۔ آج میں ان روشنیوں پر ساون کی راتوں کو ترجیح دیتی ہوں! بات یہ ہے۔ کہ اس دفعہ تم ہم ضرور بچھڑ جائیں گے!

اف کس غضب کا منظر ہے! جہاز ساحل سے جدا کیا ہوا۔ گویا روح جسم سے کھینچ لی گئی۔ اور ہمارا پیچھے ہندوستان ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جسم بے روح!

دل فگار مِس حجاب اسمٰعیل

ڈلہوزی

ڈلہوزی پہاڑ سطح سمندر سے تقریباً ۸۰۰۰ فٹ کی بلندی پر اور پٹھان کوٹ سے بذریعہ موٹر ۲۵ میل دور ہے۔ موٹریں آنے جانے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ یعنی جتنی موٹریں ڈلہوزی جاتی ہوں۔ پورے آٹھ بجے سب کی سب پٹھانکوٹ اڈے میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور وہاں سے ۸½ بجے ڈلہوزی روانہ ہو جاتی ہیں۔ راستہ میں ۱۱½ دبیزے ٹھہرتی ہیں۔ جو موٹریں ڈلہوزی سے پٹھان کوٹ جاتی ہیں۔ وہ بھی اسی مقام پر جمع ہوتی ہیں۔ وہاں سے ۱۲ بجے ایک آدمی جس کی ڈیوٹی یہی ہوتی ہے۔ سیٹی بجاتا ہے۔ اس کے بعد ڈلہوزی اور پٹھان کوٹ کی موٹریں اپنی اپنی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ راستے میں ہر بات کا پورا پورا انتظام ہے۔ اور چیکر باقاعدہ ٹکٹیں چیک کرتے ہیں۔ پٹھان کوٹ سے ڈلہوزی تک کی سڑک خصوصیت سے بہت ہی خطرناک ہے۔ کبھی تو مسافر سطح سمندر سے ہزاروں فٹ کی بلندی پر ہوتے ہیں۔ اور کبھی سطح سمندر کے بالکل برابر۔ ایک طرف بہت بلند پہاڑ اور دوسری طرف بہت ہی گہری کھڈ ہیں۔ جن کی گہرائی کئی میلوں کے برابر ہے۔

جس وقت ہم دبیزا سے روانہ ہوئے۔ تو

راستہ میں ایک بہت بڑا پہاڑ نظر آیا جس کا نام گیرو ہے۔ یہ بہت خطرناک پہاڑ ہے۔ ہر وقت گرتا رہتا ہے۔ اور مزدور ہر وقت سڑک کی صفائی کرنے میں مصروف رہتے ہیں ۔ یہاں جس وقت موٹر پہنچتی ہے۔ تو ڈرائیور اُتر کر دیکھ لیتا ہے۔ کہ کہیں سے گر تو نہیں رہا۔ اور موٹر بھی نہایت آہستہ سے چلاتے ہیں ۔

راستے میں کئی مقامات قابل دید ہیں۔ اگر فرداً فرداً ان سب کا ذکر کروں۔ تو بہت طویل مضمون بن جائے ۔ جس وقت ہماری موٹر ڈلہوزی روڈ پر پہنچی۔ تو سب سے پہلے پہاڑی مزدور نظر آئے۔ ان کے سروں پر سامان رکھا اور ہم اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے ۔

ڈلہوزی بہت ہی اچھا صحت بخش اور سرسبز پہاڑ ہے ۔ آج کل یعنی جون کے مہینے میں بعید سردی پڑتی ہے۔ رات کو اندر کمرے میں لحاف اوڑھ کر سوتے ہیں۔ دن کو بھی کافی سردی ہوتی ہے ۔ بارش ہر روز برستی ہے۔ جب بادل بننے شروع ہوتے ہیں۔ تو بہت اچھا نظارہ معلوم ہوتا ہے ۔ چاروں طرف دھواں سا پھیل جاتا ہے۔ اور پھر اس دھوئیں کے بادل بن کر اور پہاڑوں سے ٹکرا کر وہیں برسنے شروع ہو جاتے ہیں ۔ جب بارش ختم ہوتی ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسے یہاں مینہ برسا ہی نہ تھا۔ کیونکہ تمام پہاڑ خشک ہو جاتے ہیں۔ اور پانی کا ایک قطرہ بھی نظر نہیں آتا ۔

یہاں کے مشہور مقامات یہ ہیں :-

پنج پلا۔ ست دھارا۔ کھجیار۔ بیلون۔ بکروٹا ہال۔ صدر بازار۔ گرم سڑک۔ سرد سڑک وغیرہ

پنج پلا بہت اچھا مقام ہے۔ وہاں نہایت ہی دل فریب نظارے ہیں۔ کئی جگہ سے بہت اونچے اونچے پہاڑوں سے پانی گرتا ہے۔ اور پھر پتھروں پر سے بہتا ہوا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے ۔ جس جگہ سے پانی گرتا ہے۔ وہاں بیٹھیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کسی قلعہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ چاروں طرف بہت اونچے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں۔ اس وقت خداوند تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے ۔ ست دھارا بھی بہت اچھی جگہ ہے ۔ مثل مشہور ہے۔ کہ جو کوئی ہر روز ست دھارا کا پانی پیئے۔ خدا کے فضل سے اس کی تمام بیماریاں خواہ کسی قسم کی ہوں۔ جاتی رہتی ہیں ۔ دور دور سے لوگ وہاں پانی پینے اور نہانے آتے ہیں۔ کیونکہ یہ پانی ابرک کے پہاڑ سے گزر کر آتا ہے ۔ ابرک کا پہاڑ یہاں سے ۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ پانی نکلنے کے نل تو سات بنے ہوئے ہیں۔ مگر عام طور پر پانی نکلتا صرف ایک ہی سے ہے۔ برسات کے موسم میں ساتوں نلوں سے پانی گرتا ہے ۔

یہ پانی بہت سرد ہے۔ پینے سے ذائقہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے آنے سے پہلے ایک مہینہ کا ذکر ہے۔ کہ گرم سڑک پر آگ لگ گئی تھی۔ جان کا نقصان تو کوئی نہ ہوا تھا۔ مگر پہاڑی بہت سی جل گئی تھی۔ یہاں بندر اور لنگور بہت ہیں۔ مگر آج کل باہر نہیں نکلتے۔ اندر غاروں ہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ڈلہوزی سے چمبا ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ جن پنجابی بہنوں کو ڈلہوزی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ انہیں ضرور کبھی گرمیوں میں اس روح افزا مقام کی سیر کر لینی چاہئے۔

راقمہ غلام صغرا۔ از ڈلہوزی

جرمنی سے ایک خط

میرے بھائی مہدی علی مرزا جرمنی میں تعلیم پا رہے ہیں۔ میری چھوٹی بہن بیگم نواب یاور حسین خاں کے نام ان کا جو خط آیا ہے۔ وہ بھجوا رہی ہوں۔ براہ کرم آپ اس خط کو درج اخبار کیجئے۔ کیونکہ یہ خط ایسا ہے۔ کہ جس سے دوسری خواتین کو کچھ سبق ملتا ہے۔

اہلیہ سید ہمایوں مرزا

پیاری چھوٹی آپا۔ تسلیم۔ میں شرمندہ ہوں۔ کہ میں نے آپ لوگوں کو اتنے عرصے سے خط نہیں لکھا۔ آپ شاید یہ خیال کر رہی ہوں گی کہ میں آپ لوگوں سے خفا تھا۔ خفا ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ قصور میرا تھا۔ غلطی میری تھی۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ میری چھوٹی آپا کی محبت میرے قصور کو معاف کر دے گی۔ مجھے اس کا یقین ہے۔ کہ آپ اس خط کا جواب ایسا دیں گی کہ مجھے یقین ہو جائے گا۔ کہ آپ نے میرا قصور معاف کر دیا۔

بھائی صاحب کا کیا حال ہے۔ ان کی خدمت میں میرا آداب عرض ہے۔

چھوٹی آپا سے میری ایک چھوٹی سی التجا ہے۔ وہ یہ کہ اپنی بچیوں کو ذرا بڑا ہو جانے کے بعد مدرسہ بھیجئے۔ کھیل جمناسٹک وغیرہ میں دلچسپی دلائیے۔ گاؤ تکئے سے لگی رہنے والی شرمیلی بیبیاں نہ بنوائیے۔ ہماری بیچاری عورتیں صدیوں غلامی کر چکی ہیں۔ ان کے نام لفافوں پر تو یوں لکھے جاتے ہیں۔ "محل فلاں" لیکن اس کے دراصل معنی ہوتے ہیں "قیدی فلاں"۔ کیا آپ نہیں جانتی ہیں۔ کہ یہ باتیں ہم میں سے دور ہوں؟ جہالت کی بدولت وہ خود بھی غلام رہی ہیں۔ اور بچوں کو بھی نہیں بتلا سکتیں۔ کہ آزادی کیا چیز ہوتی ہے۔ چھوٹی آپا۔ آپ اس وقت چھوٹی سی اماں جان ہیں۔ آپ کی چھوٹی سی بچیاں اپنی ننھی آنکھوں سے آپ کی طرف

دیکھ کر آپ سے التجا کرتی ہیں۔ کہ "اماں جان ہٹواچی تعلیم دو۔" آپ ان کو کسی فرسودہ خیال مولوی کے سپرد نہ کیجئے۔ جوان کو علم سے نفرت دلائے۔ بلکہ یہ کوشش کیجئے۔ کہ وہ ہنسی خوشی علم اور تربیت حاصل کریں:۔

کسی بیوقوف نے کہا ہے۔ کہ علم فولاد کے چنے ہیں۔ نہیں علم مانند ماں کی محبت کے ہے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ ماں بچے کو کس مشکلوں سے پروان چڑھاتی ہے۔ لیکن وہ کبھی اس کو مشکل نہیں سمجھتی۔ بلکہ ایک پیارا فرض خیال کرتی ہے۔ علم کا بھی یہی حال ہونا چاہئے۔ بچے کو علم سے اسی قسم کی محبت ہونی چاہئے۔ جیسے ماں کو اپنے بچے سے ہے:۔

ایک جرمن یا امریکن عورت نے انگلش چینل عبور کیا۔ اور ہماری عورتیں تین سیڑھیاں چڑھتا ہوں۔ تو کرسی پر بیٹھ کر چڑھتی ہیں:۔ ہماری عورتیں بھی اس قابل ہیں۔ کہ وہ سب کچھ کریں۔ جو یہاں کی عورتیں کرتی ہیں لیکن ان بے چاریوں کو نہ تعلیم ملتی ہے۔ نہ موقع۔ اگر آپ کو اپنی بچیوں سے سچی محبت ہے۔ تو امید ہے۔ میری التجا کو نہ بھولیں گی:۔

آپ پوچھتی ہیں۔ کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں میکانیکل انجینیرنگ جرمنی کے سب سے بڑے اور بہترین مدرسہ میں پڑھتا ہوں جس کو

Tech nesche Hochschule
Berlin

کہتے ہیں۔ یہیں کے تعلیم یافتہ طلباء نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کو پانچ سال تک رننگ کے زمانے میں چین نہ لینے دیا تھا۔ محمودہ و صدیقہ کو دعا و پیار:۔

کمترین مہدی

غم نامرادی

۱۹۲۶ء

مقصود حیات فانی برادرم عطاء اللہ خان شہر دانی عرف مراد میاں کے غم میں چار آنسو

عطاء اللہ۔ حق نے کیا جب عنایت
مسرت نے سب دل کی کلفت مٹا دی
ہوا عقل ناداں کو اک دم سے دھوکا
کہ پھر چرخ نے ڈوبی کشتی ترا دی
ہزاروں مرادوں سے پایا جو اس کو۔
تو فی الفور کر دی ہر اک جا منادی
مراد اس کو کہہ کر پکارے ہر انساں
کہ پھر اس نے ارماں کی بستی بسا دی
کھلی آنکھ جب تو سب غفلت سے دیکھا۔
فلک نے مسرت کی بنیاد ڈھا دی
کہا کر کے واپس خدا کی امانت۔
کہ نکہت بس اب ختم کر فرح شادی

برادر کی تاریخ تحلیل جاں کی۔
لکھ اک تعمیہ سے "غم نامرادی"
۱۳۴۶ھ

نوٹ۔ تاریخ وفات ۲ محرم ۱۳۴۶ھ ہے۔

راقمہ خاکسار دلفگار نکہت شروانیہ بنت
نواب سر محمد مزمل اللہ خاں صاحب بہادر شروانی القاب

محفل تہذیب

میں نہایت رنج و افسوس سے اطلاع دیتی ہوں۔ کہ میری بھابی جان شاہ جہاں بیگم شیخ مطلوب الہٰی صاحب کا بروز عاشورہ محرم جمعہ کے دن گیارہ بجے انتقال ہوگیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ حاجی محمد ہاشم مرحوم کی اکلوتی صاحبزادی تھیں۔ اور شادی کو تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا۔ کہ دق ہوگئی۔ اور ہم سب کو داغ مفارقت دے گئیں۔ مرحومہ نے کوئی نشانی نہیں چھوڑی۔ تمام تہذیبی بہنوں سے التماس ہے۔ کہ مرحومہ کو ایصال ثواب پہنچا کر داخل حسنات ہوں۔ باعث ممنونیت ہوگا۔ اور کوئی بہن یا بھائی صاحب مرحومہ کا قطعہ تاریخ لکھ دیں۔ تو مشکور رہوں گی۔ مرحومہ کا سن تقریباً ۲۳ سال تھا۔ راقمہ س۔ ک۔ از مراد آباد

میں نہایت رنج کے ساتھ لکھتی ہوں۔ کہ میرا تین ماہ کا شیرخوار اور پیارا بھائی یعنی میری پیاری والدہ کی آنکھوں کا تارہ سید افضال احمد عرف بادشاہ احمد تاریخ ۲ جون ۱۹۲۸ء بروز ہفتہ بیمار ہوکر بتاریخ ۴ جون بروز پیر بوقت عصر ہم سب کو روتا اور بلکتا چھوڑ کر اس دار فانی سے طرف جاودانی کے سدھارا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ تمام تہذیبی بہنوں سے التجا ہے۔ کہ میری پیاری والدہ کے لئے جو اس کی یاد میں بے چین اور بے قرار ہیں۔ دعا کریں۔ کہ خدا ان کو صبر دے۔ دو روپے ارسال کرتی ہوں۔ خیرات فنڈ میں داخل کرلیں۔ خاکسار مسز عبدالسلام۔ نذر آباد۔ میسور

میں نہایت افسوس سے اطلاع دیتی ہوں۔ کہ میرے نانا قبلہ الطاف حسین ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو ایک ماہ کی علالت کے بعد اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ ماہ جون سے محترمہ نانی اماں صاحبہ کو بھی اختلاج قلب ہوگیا تھا۔ ہم لوگوں نے سیونی اور ناگپور کے مشہور حکیم ڈاکٹر کا علاج کرایا۔ مگر بے سود ہوا۔ آخر ۳۰ جون ۱۹۲۸ء مطابق ۱۱ محرم الحرام بروز ہفتہ بوقت ڈھائی بجے وہ بھی یکایک اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئیں۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ سب بہنوں سے امید ہے۔ کہ وہ ان کے واسطے دعا فرمائیں گی۔ کہ خدا ان لوگوں کو فردوس میں جگہ

دے۔ اور ہم لوگوں کو صبر عطا فرمائے۔ آمین! دلفگار
نادر جہاں بیگم۔ سیونی

میرے بھائی جس کی عمر ۹ سال کی ہے۔ پانچ ماہ سے کالی کھانسی ہے۔ بہت کچھ دوا کی لیکن فائدہ نہیں ہوا۔ ایک بہن نے ہُدہُد کی راکھ شہد میں ملاکر کھلانے کو لکھا تھا۔ اسے بھی آزمایا۔ مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ اگر کوئی آزمودہ نسخہ بذریعہ تہذیب تحریر فرمائیں۔ تو بہت ممنون ہوں گی ؛

۲۔ ایک بہن نے چھائیوں کا نسخہ دریافت کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے :۔

ہارسنگار کی ڈنڈی ۲ ماشہ۔ سمندر جھاگ ۲ ماشہ۔ تخم یوسف ۲ ماشہ۔ دارچینی ۲ ماشہ۔ نارنگی کے سوکھے چھلکے ۲ ماشہ ۔ ان پانچوں چیزوں کو ایک جگہ پیس لیں۔ اور پھر بعد میں پاؤ بھر جو کا پسا ہوا آٹا ملالیں۔ پھر چھان کے رکھ لیں ۔ رات کو سوتے وقت تھوڑا سا چنبیلی کا تیل اور پانی ملاکر مل لیا کریں۔ اور خوب اچھی طرح ملیں۔ حتی کہ بتیاں چمٹ کر جھڑ جائیں ۔ اب بغیر منہ دھوئے سو جائیں۔ اور صبح کو صابن سے منہ دھو ڈالیں۔ کچھ عرصہ کے بعد منہ صاف ہو جائے گا۔ نسخہ آزمودہ ہے ۔ ایک خریدار

تھرمامیٹر کے ٹوٹ جانے سے پارہ میری کلائی پر گرا جس کے اثر سے میری سونے کی گھڑی کا کچھ حصہ اور جڑاؤ چین دو تین جگہ سے سفید ہو کر نہایت بدنما ہو گیا ہے۔ ازراہ مہربانی کوئی تہذیبی بہن یا بھائی اس کے اصلی حالت پر آنے کی ترکیب جلد از جلد بتلا کر ممنون احسان فرمائیں ؛ خاکسار
ر۔ز۔ب۔ ضلع فیروزپور

بہن ع۔ا بیگم کو ڈران تھریڈ ورک کے نمونے درکار ہیں۔ میرے پاس نہایت خوب صورت نمونے موجود ہیں۔ وہ مجھ سے قیمتاً منگا سکتی ہیں ؛
علم الدین خاں نیو سول لائنز بنگلہ نمبر ۱۔ ریاست بھوپال

کوئی بہن براہ مہربانی انگریزی زبان میں کسی ایسی کتاب کا پتہ بتائیں۔ جس میں عمدہ کھانوں کیک اور مٹھائیوں کی تراکیب درج ہوں۔ کتاب بہترین ہونی چاہئے ؛

۲۔ ایک معتبر بنارسی دکان کا پتہ مطلوب ہے۔ جہاں اچھا کپڑا ہر قسم کا دستیاب ہو سکے ۔ عنایت ہو۔ اگر کوئی صاحب جلد دونوں باتوں سے آگاہ کریں ؛ آر۔ کے

مجھے رسالہ تمدن جلد ۳ نمبر ۱ ۱۹۱۵ء کی ضرورت اگر کوئی بہن قیمتاً یا بلاقیمت روانہ کریں گی۔ تو میں بہت ممنون ہوں گی ؛ ہمشیرہ ساجد علی خاں نینی تال

ولائتی معلومات

(خاص تہذیب کے لئے)

پرتگال کی نسوانی تحریک

موجودہ زمانے میں پرتگال کی خواتین کو حقوق شہریت حاصل نہیں ہیں۔ لیکن اب بعض سیاسی جماعتوں نے اپنے پروگرام میں یہ کام بھی شامل کر لیا ہے۔ کہ عورتوں کو حق نمایندگی دلوایا جائے اور امید کی جاتی ہے۔ کہ بہت جلد کم از کم ان پرتگیز خواتین کو حق نمایندگی حاصل ہو جائے گا جنہوں نے اعلیٰ درجے کی تعلیم حاصل کر لی ہے۔

جہاں تک روزی کمانے کے سوال کا تعلق ہے پرتگال میں مردوں اور عورتوں کی حالت یکساں ہے۔ وہاں عورتیں معلمی کا کام بھی کرتی ہیں۔ وکالت پیشہ بھی ہیں۔ اور [illegible] بھی۔ لیکن جہاں ان کی شادی ہوئی۔ قانون کی بعض پابندیاں انہیں کئی امور میں بے بس کر دیتی ہیں۔ مثلاً قانون کی رو سے ہر عورت کا فرض ہے۔ کہ جہاں کہیں اس کا شوہر جائے۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے جائے۔ اگر بیوی کی مرضی کے خلاف شوہر پرتگال سے باہر کسی دوسرے ملک میں سکونت اختیار کرنا چاہے۔ تو بیوی کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ کہ [illegible]

اسی طرح روپے پیسے اور آمدنی کا مالک بھی شوہر ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواہ بیوی کو اپنی ذاتی آمدنی ہوتی ہو۔ لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر سے ایک پیسہ صرف کرنے کا (بھی) اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں البتہ اتنی رعایت عورتوں کو حاصل ہے۔ کہ اگر میاں اور بیوی کی غیر منقولہ جائداد مشترک ہو۔ تو بیوی کی باقاعدہ رضامندی حاصل کئے بغیر شوہر اس کو فروخت نہیں کر سکتا۔

اگرچہ قانون کی رو سے والدین کو اپنی اولاد پر پورا اختیار ہے۔ لیکن ان کو کوئی ایسا خاص حق حاصل نہیں جس کے باعث وہ اپنی اولاد کو اپنی رائے پر مائل کر دا سکے۔ اگر جوان لڑکے اور لڑکیاں کسی خاص جگہ شادی کرنے کے خواہاں ہوں۔ اور ماں اور باپ باہم اس امر کا فیصلہ نہ کر سکیں۔ کہ انہیں وہاں شادی کرنے کی اجازت دی جائے۔ یا نہ دی جائے۔ تو ایسی حالت میں والدین کی بجائے مجسٹریٹ اس امر کے متعلق قطعی فیصلہ کر لے

کا حق دار سمجھا جاتا ہے۔ بیواؤں کو البتہ بھی اولاد پر پورا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اور ایسی حالت میں کہ بچے نابالغ ہوں مرد کو ولی مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ہے۔ طرح طرح کی پابندیوں کے باوجود اب خود پرتگیز خواتین اپنے حقوق اور اپنی آزادی حاصل کرنے کے لیے کوششوں میں مصروف ہو رہی ہیں۔ پرتگال میں خواتین کی ایک قومی مجلس قائم ہو چکی ہے۔ جو شب و روز موجودہ حالات کی اصلاح کے کام میں مصروف ہے۔ حق رائے دہندگی حاصل ہونا خواہ ابھی بہت دور ہی کی بات ہو لیکن پرتگیز خواتین کو اتنی ہی بات سے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ ان کی کوششوں کی بدولت تعلیم یافتہ لڑکیوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اور ہائی اسکول اور یونیورسٹیاں طالب علم لڑکیوں سے برابر بھرتی چلی جا رہی ہیں۔ جب یہ نئی پود فارغ التحصیل ہو چکے گی۔ تو پرتگال میں ایک نئی قوت پیدا ہو جائے گی۔ جو اپنی روشن خیالی سے تمام بیہودہ قدیم رسوم کو ملیا میٹ کر دے گی۔

چھ ہزار میل موٹر میں

لوور پیشن میں اطلاع پہنچی ہے۔ کہ مشہور مصنف و سیاح مسز ڈائنا سٹرک لینڈ نے ایک انگریزی ساخت کی موٹر میں سوار ہو کر براعظم افریقہ کے ان حصوں کا سفر کیا ہے۔ جہاں ابھی تک کوئی مرد نہ پہنچ سکا تھا۔ انہوں نے مغربی افریقہ کے شہر ڈاکار سے سفر شروع کیا۔ اور افریقہ کے عرض سے گزرتی ہوئی شہر ماسووا تک پہنچیں۔ ان دونوں مقامات کے درمیان کا فاصلہ چھ ہزار میل کا ہے۔ اور ابھی تک اس علاقے میں کسی یورپین نے سفر نہ کیا تھا۔

مسز سٹرک لینڈ مئی سنہ ۱۹[illegible]ء میں ڈاکار سے روانہ ہوئی تھیں۔ موٹر کی مرمت وغیرہ کے خیال سے جس مستری کو اپنے ساتھ لیا تھا۔ وہ اتفاق سے بیمار پڑ گیا۔ چنانچہ اسے واپس بھیج دینا پڑا۔ اور خاتون موصوف تن تنہا اس خطرناک سفر پر روانہ ہو گئیں۔ شروع شروع میں طوفان اور طغیانی کے باعث وہ زیادہ سفر نہ کر سکیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ کئی ہفتہ تک دریا کے کنارے ایک ایسی جھونپڑی میں پڑی رہیں۔ جو ٹپکتی تھی۔ اور جس میں بے حد پریشانی کے عالم میں وقت گزارنا پڑتا تھا۔ آخر جب طوفانوں کا زور کم ہوا۔ اور چڑھے ہوئے دریا اتر گئے۔ تو انہوں نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ افریقہ کے باشندوں نے ان کی چوری کی۔ اور ان کے ستر لوٹ کر اڑا لے گئے۔

وہ افریقہ کے درمیانی حصہ میں تھیں۔ نواں کی موٹر کے ٹائر ناکارہ ہو گئے۔ اور انہیں بڑی دقت کا سامنا ہوا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ جو برطانوی چوکی وہاں سے قریب ترین ہے۔ وہ دو سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ چنانچہ موٹر کو وہیں چھوڑا اور ایک گھوڑا حاصل کیا جس پر لکڑی کی کاٹھی رکھی ہوئی تھی۔ اس پر سوار ہو کر برطانوی چوکی تک پہنچیں۔ اور چوکی والوں کی معرفت موٹر کا نیا سامان منگوایا۔ یہاں سے سامان لے کر واپس اس مقام پر پہنچیں۔ جہاں موٹر بگڑی ہوئی پڑی تھی۔ وہاں موٹر کو ٹھیک کیا۔ اور آگے روانہ ہو گئیں۔ سفر میں کئی مرتبہ انہیں غذا بھی نہ مل سکی۔ اور ان پر فاقے پر فاقے گزرتے رہے۔ لیکن انہوں نے ان تمام مصائب کو صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ اور آخر وہ کارنمایاں کر کے دکھایا۔ جسے اب تک مرد بھی ناممکن سمجھے بیٹھے تھے۔

مسز پنکھرسٹ کا جنازہ

مشہور سفر یجٹ خاتون مسز ایملی پنکھرسٹ کے انتقال پر ملال پر تمام دنیائے نسواں آج اشکبار ہے۔ وہ لوگ بھی جنہیں محترمہ موصوفہ کے خیالات و عقائد سے اختلاف تھا۔ ایسی سرگرم اور مخلص خاتون کے اٹھ جانے پر رنج و غم کے آنسو بہا رہے ہیں۔ مسز پنکھرسٹ کا جنازہ ایسی دھوم دھام اور احترام سے اٹھا ہے۔ کہ شاید ہی کسی خاتون کو اب تک یہ عزت نصیب ہوئی ہو گی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک محبوب و فاتح جرنیل کو اس کے ملول سپاہی سپرد خاک کرنے جا رہے ہیں۔ حامیان حقوق نسواں اور مخالفین تحریک نسواں۔ جوان اور بوڑھی۔ امیر و غریب۔ غرض ہر درجے اور مرتبے کی عورت جلوس میں موجود تھی۔ اور ملول نظروں سے جنازہ کو تک رہی تھی۔ تابوت ارغوانی اور سبز اور سفید پھولوں سے ڈھنپا ہوا تھا۔ اور اس پر چھدری بڑی شمعیں دمک رہی تھیں۔

جلوس میں اکثر خواتین نے وہی وردی پہن رکھی تھی۔ جو حقوق نسواں کی جدوجہد کے زمانے میں وہ مسز پنکھرسٹ کی رہنمائی میں پہنا کرتی تھیں۔ بعض خواتین نے اس زمانے کی قید و بند کی مصائب یاد دلانے کو اس قسم کے بروچ لگا رکھے تھے۔ جن پر قید خانے کی سلاخیں بنی ہوئی تھیں۔ کندھوں پر وہی پٹکے پڑے ہوئے تھے۔ جو دارالعوام پر دھاوا بولنے کے موقع پر پہنے گئے تھے۔ جنازہ کے ساتھ دو عورتیں رنج و الم کی تصویر بنی یونین جیک اور ایک پھولدار علم اٹھائے کھڑی تھیں۔ ساتھ ہی مرحومہ کی دو بیٹیاں مس کرسٹابل اور مس سلویا پنکھرسٹ

بارِ غم سے دُہری تھیں۔ جن دس خواتین نے جنازے کو کندھا دیا۔ وہ تحریک نسواں کی نامی علمبرداروں میں سے تھیں۔

جنازہ قبر میں اترنے کے بعد تمام خواتین نے آنسو بہا بہا کر اور پھول برسا برسا کر قبر کو بھر دیا۔ تقدیر کی ستم ظریفی دیکھئے۔ کہ اتفاق سے اس موقع پر جو سپاہی قبرستان کے پہرہ پر تعینات تھا۔ وہ وہی تھا۔ جس کی موجودگی میں مسز پنکھرسٹ پہلی مرتبہ گرفتار کی گئی تھیں۔

مسز پنکھرسٹ کا ماتم کرنے کے لئے یورپ کے دوسرے ممالک کی خواتین بھی فوراً انگلستان آن پہنچی تھیں۔ چنانچہ امریکہ۔ سرویا اور زیکوسلوویکیا کی خواتین اس موقع پر نمایاں تعداد میں موجود تھیں۔

تاریخ میں مسز پنکھرسٹ ایک بہت بڑی محب وطن کی طرح یاد کی جایا کریں گی۔ یہی وہ خاتون تھیں۔ جنہوں نے پہلی مرتبہ خدمت وطن کرنے کے لئے عورتوں کو آزادی دلا دی۔ ابھی تک بہت کم لوگوں کو پوری طرح احساس ہے۔ کہ اس خاتون نے کتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اور کیسے کیسے دُکھ اور کتنی مصائب برداشت کرنے کے بعد عورتوں کی آزادی کو متعصب اور تنگ خیال لوگوں کی گرفت میں سے چھین لیا ہے۔

مادام ابتہاج

تحریک نسواں دن بدن عالمگیر بنتی چلی جارہی ہے۔ چنانچہ بعض ایسے ممالک میں اس کی ترقی کے آثار رونما ہو چکے ہیں۔ جہاں کچھ عرصہ پیشتر عورتوں کے تنزل کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ شام ہی کو لیجئے۔ چند سال اُدھر یہاں کی عورتوں کی حالت مزدوروں کی سی تھی۔ اور وہ تعلیم کے نام تک سے ناآشنا تھیں۔ لیکن آج وہاں کئی نسوانی انجمنیں بن چکی ہیں۔ جو نسوانی اور قومی ترقی میں قابل قدر خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔

یہاں کی کئی انجمنوں نے مل کر ایک مشترکہ انجمن کی بنیاد ڈالی ہے۔ جس کی روح رواں مادام ابتہاج ہیں۔ یہ انجمن تعلیم و ترقی کے عام مسائل کے متعلق عموماً اور تعلیم نسواں کے مسئلہ کے متعلق خصوصاً بہت کام کر رہی ہے۔ سب سے پہلا اہم کام جو اس انجمن نے اپنے ذمہ لیا ہے یہ ہے۔ کہ ابتدائی تعلیم بجائے فرانسیسی کے اپنی مادری زبان میں دی جائے۔ تاکہ بچے زیادہ سہولت سے بہتر تعلیم حاصل کر سکیں۔

مادام ابتہاج کو امید ہے۔ کہ بہت جلد شام کی عورتیں مذہب۔ مسائل معاشرت اور فنون لطیفہ میں نہایت معقول ترقی کریں گی۔ اور وہ دن بھی دور نہیں جب شامی خواتین سیاسی خدمات بھی انجام دیتی نظر آئیں گی۔

خبریں اور نوٹ

ترکی حکومت اس تجویز پر غور کر رہی ہے۔ کہ موجودہ تجارتی بیڑے کو ترقی دے کر جہازوں کی تعداد بیس تک بڑھا دی جائے۔ تاکہ ترکی مصنوعات دوسرے ملکوں کو آسانی سے بھیجی جا سکیں۔ اور غیر ملکی جہازوں سے ترکی بے نیاز ہو جائے۔

ترکی میں دو شاہان مشرق آ چکے ہیں۔ اور اب فیصل شاہ عراق آنے والے ہیں۔ شاہ امان اللہ خاں کی طرح وہ بھی جدید خیال کے لوگوں سے مل کر مشرقی ایشیا کی تحریک اتحاد کے متعلق گفتگو کرنے والے ہیں۔ جو عنقریب اصلیت کا جامہ پہنے گی۔ اس سے ان کا مقصد انگلستان سے زائد سے زائد مراعات حاصل کرنا ہے۔ ترکی۔ مصر اور ایران میں گفت و شنید ہو رہی ہے۔ سرحد کے متعلق ایران و ترکی میں جو گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ اب قریباً ختم ہے۔ شاہ ایران عنقریب ترکی جانے والے ہیں۔ اور اس کے بعد سے دونوں حکومتوں کے تعلقات خارجی معاملات میں بالکل متحد ہو جائیں گے۔ مصر بھی انگریزوں سے مراعات کی فکر میں ترکی سے جوڑ توڑ ملا رہا ہے۔ خیال ہے۔ کہ ان سب حکومتوں میں اتحاد قائم ہو گیا۔ تو ایشیا کی رہنمائی ترکی کرے گا۔

نامہ نگاروں کے ایک وفد نے سر گلبرٹ کلیٹن سے ملاقات کی۔ سر موصوف نے حکومت حجاز اور برطانیہ کی گفت و شنید کے متعلق فرمایا۔ کہ حجاز اور برطانیہ کی بات چیت حج کی وجہ سے ملتوی ہو گئی۔ اور آخر جولائی میں پھر شروع ہو گی۔ آپ نے سلطان ابن سعود کی تعریف کی۔ اور کہا۔ کہ وہ بہت آزاد خیال آدمی ہیں۔ آپ نے یہ بھی بتایا۔ کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کرنے والوں کے لئے بہت آسانیاں ہو گئی ہیں۔ ۲۰۰ موٹریں مستقل طور پر چلتی ہیں۔ اور مکہ سے مدینہ تک کا راستہ چھ گھنٹے میں ختم ہوتا ہے۔

حکومت ایران نے اپنے ملک کی ترقی کے لئے نئی اصلاحات جاری کی ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:-

۱- ایران میں ایک وطنی بنک قایم کیا جائے۔ جس کا سرمایہ بہت کافی ہو۔

۲- ایرانی آثار قدیمہ کے لئے ایک عجائب خانہ قایم کیا جائے۔

۳- وزارت جنگ نے ایک جنگی جہاز خریدنے کے لئے اٹلی کو لکھا ہے۔ وزارت خارجہ نے بھی اس کی منظوری دیدی ہے۔

سید حبیب مالک اخبار سیاست نے شملہ میں

افغانی قونصل اور چند افغان شرفاء سے ملاقات کی۔ ان حضرات سے معلوم ہوا۔ کہ ملکہ ثریا کے متعلق یہ کہنا غلط ہے۔ کہ انہوں نے بے نقاب ہو کر ایسی دعوت میں شرکت کی۔ جس میں قریبی رشتہ داروں کے علاوہ غیر مرد بھی شریک تھے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ اس دعوت میں صرف خاندان شاہی کے افراد اور ان کے ایسے قریبی رشتہ دار مدعو تھے۔ جن سے پردہ کرنا مناسب نہیں۔ اس دعوت میں غیر لوگ شریک نہ تھے۔

ملکہ ثریا نے مغرب میں وہاں کے رواج کی پابندی کی۔ اور افغانستان میں یہاں کے دستور کی پابند ہیں۔ شاہ افغانستان سے مولویوں کا ملنا۔ اور پردہ کے باب میں گفتگو کرنے کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ افغان خواتین نے برقع ترک کیا ہے۔ پردہ کو نہیں چھوڑا۔ افغان لڑکیاں اور عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالتی ہیں۔ اور شفاخانوں اور سکولوں میں کام کرنے کے لئے جاتی ہیں۔ پردہ کے متعلق بے بنیاد افواہوں کا منشاء یہ ہے۔ کہ افغانستان اور ہندوستان کے مسلمانوں میں نفرت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

شاہ افغانستان ان دنوں پغمان میں مقیم ہیں۔ اور ابھی آپ نے حکومت کا کام اپنے ہاتھ میں نہیں لیا ہے۔ مختار السلطنت سردار ولی محمد خاں سلطنت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ شاہ اور ملکہ افغانستان کی واپسی وطن کی خوشی میں کچھ قیدی چھوڑ دئے گئے ہیں۔ اور بہت سے جلاوطنوں کا قصور معاف کر کے ملک میں آنے کی اجازت مل گئی ہے۔ البتہ ان چند لوگوں کو جنہیں امیر عبدالرحمٰن خاں نے ملک بدر کیا تھا۔ اندرون ملک میں داخلہ کی اجازت نہیں دی گئی۔

سر سموئیل ہور وزیر ہوائی نے دارالعوام میں بیان کیا۔ کہ آئندہ یکم اپریل تک ہندوستان کا ہوائی راستہ کھل جائے گا۔ ایران کی طرف سے جو رکاوٹ تھی۔ وہ دور ہو گئی ہے۔ اب کوئی پیچیدگی نہیں رہی۔

جرمنی کے مقام ہیلوک میں بارود سازی کا کارخانہ اڑ گیا۔ ایک سو کے قریب کاریگر ملبہ کے نیچے دب گئے۔ بہت سی عمارتیں منہدم ہو گئیں۔

لارڈ بالفور جو دو مرتبہ وزیر اعظم بن چکے ہیں۔ ۴۵ سال سے پارلیمنٹ میں داخل ہیں۔ ان دنوں ان کی اسی سالہ سالگرہ منائی گئی۔ اسی موقع پر ان کے پارلیمنٹری دوستوں نے ایک موٹر نذر کی۔

ہسپانیہ میں حکومت کے خلاف ایک سازش کا انکشاف ہوا ہے۔ اس سلسلے میں پولیس نے مختلف مقامات سے ایک سو آدمی گرفتار کئے ہیں۔

قطب شمالی کو عبور کرنے والے جہاز اٹالین کے تین آدمی ۱۴۹ دن دنیا کی نظروں سے اوجھل رہنے کے بعد اب مل گئے ہیں + ان لوگوں نے سخت سردی اور برفباری کے باوجود ۸۰ میل تک برفانی سمندر میں راستہ طے کیا۔ جس سے ایک شخص مر گیا۔ اور دو کو روسی برف شکن جہاز نے بچا لیا + یہ جہاز ۱۲ انٹ گہری برف کاٹ کر ان تک پہنچا۔ اور ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ یہ لوگ ۱۴ روز کے فاقوں سے بہت کمزور اور زندگی سے مایوس ہو گئے تھے ؛

امریکہ کے شمالی حصے میں اس قدر گرمی پڑی۔ کہ صرف نیویارک میں شدت گرما سے چھ آدمی مر گئے + شکاگو کی ایک سڑک پر شدت گرمی سے اسفالٹ اس قدر پگھلا۔ کہ اس میں ایک لڑکی چپک کر رہ گئی ؛

پچھلے دنوں مسٹر ہارٹ شارن رکن پارلیمنٹ نے جو سائمن کمیشن کے ممبر بھی ہیں۔ اپنی ایک تقریر میں ہندوستانی مزدوروں اور کارخانہ داروں کے خلاف اظہار خیال کیا تھا۔ اس پر اہل ہند نے مطالبہ کیا تھا۔ کہ مسٹر ہارٹ شارن کو کمیشن کی رکنیت سے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ اور ٹاٹا کمپنی نے ان کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا + اب مسٹر ہارٹ شارن نے معافی مانگ لی ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ مجھے افسوس ہے۔ کہ میں نے ایسے واقعات بیان کئے۔ جو ثابت نہیں ہوتے۔ اور مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ میرا بیان صداقت پر مبنی نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے خیالات واپس لیتا ہوں ؛

معزز اہل پشاور کے دستخطوں سے حکومت صوبہ سرحدی کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی گئی ہے۔ جس میں بمقام پشاور لڑکیوں کے لئے ایک سرکاری ہائی اسکول کھولنے کا مطالبہ کیا گیا ہے ؛

۱۲ جولائی کو بمبئی میں ہندوستانی ریاستوں کے باشندوں کی کانفرنس کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ تجویز منظور کی ہے۔ کہ باشندگان ریاستہائے ہند کی طرف سے ایک وفد انگلستان بھیجا جائے جو ان کے معاملے کی نمائندگی کرے ؛

ایک مسلمان آرٹسٹ کی لڑکی مس سلیمانی نے سٹی مجسٹریٹ الہ آباد کی عدالت میں شکایت کی تھی۔ کہ میرا باپ ایک ایسے شخص سے جو بہرہ اور گونگا ہے۔ مجھے شادی کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ مجسٹریٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا۔ کہ لڑکی عمر رضامندی تک پہنچ چکی ہے۔ اس لئے اسے قانون شرعی کی رو سے اپنا شوہر خود پسند کرنے کا حق حاصل ہے۔ اور وہ اپنی مرضی کے مطابق شادی کر سکتی ہے ؛

بنگال کونسل کے تازہ اجلاس میں نظربندان بنگال کی رہائی متعلق اعلان کیا۔ کہ ان کے

رہا ہونے کی فی الحال کوئی امید نہیں؛

ہز ہائنس چیف آف تھرپ نے مدراس یونیورسٹی کو ہر تیسرے سال ۱۵ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے؛

بمبئی کے کانگریس ہاؤس میں ایک کانفرنس ہوئی۔ جس میں شادی اور وراثت کے قانون پر غور کیا گیا۔ نیز چند حضرات کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جو اس مسئلہ کے متعلق مسودۂ قانون تیار کریگی۔ کانفرنس میں زور دیا گیا۔ کہ یہ قانون ایسا بنایا جائے۔ جس کی رو سے خاوند سے تبدیل مذہب کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا پورا حق حاصل ہو۔ اور کوئی نابالغ لڑکی ۴۰ سال کے مرد سے نہ بیاہی جائے؛

پشاور سے خبر آئی ہے۔ کہ شاہ افغانستان نے تلاش اور جاسوسی کی غرض سے دو بربری کتے جرمنی سے خریدے ہیں۔ جو بحری راستے لنڈن پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے بذریعہ موٹر کابل بھیجے جائیں گے؛

جنرل موٹر کارپوریشن نے اعلان کیا ہے۔ کہ عنقریب بمبئی میں ایک کارخانہ کھولا جائے گا۔ جہاں موٹریں تیار ہوا کریں گی۔ سرمایہ کا اندازہ ایک کروڑ روپیہ کیا گیا ہے؛

رنگون کے ایک جوہری مسٹر گوباگیو کے پاس ۲ ۵/۸ وزنی لال ہے۔ جو چوگلی کی کان سے برآمد ہوا ہے۔ اور تمام نقائص سے پاک ہے؛

کبدر پور (بنگال) کی گودی میں ایک خوفناک بھوت کے رہنے کا شبہ کیا جاتا ہے۔ تین پہرہ دار کنسٹیبلوں کا بیان ہے۔ کہ کسی نامعلوم ہستی نے ان کے طمانچے مارے۔ ان میں سے دو ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ اب بھوت کی تلاش میں مسلح پولیس گشت کر رہی ہے؛

کلکتہ کے گورنمنٹ اسکول آف آرٹس کے ۸۰ طلباء نے اس بنا پر ہڑتال کر دی ہے۔ کہ پرنسپل نے ایک اعلان جاری کیا تھا۔ جس میں طلباء کو اسکول کا ڈرائنگ بورڈ استعمال کرنے کی ممانعت کر دی تھی؛

سیٹھ رام جی بھگوانداس نے جو کھانڈ کے بہت بڑے سوداگر ہیں۔ بمبئی کے ایک قومی ہسپتال کو ۸۰ ہزار روپیہ دیا ہے؛

رنگون میں آندھی اور بارش کا سخت طوفان آیا۔ جس سے جان و مال کا نقصان ہوا؛

لاہور میں مسٹر لنکن کی عدالت نے ایک شخص مسمی بدھو کو سات سال قید سخت کی سزا دی ہے۔ اس شخص نے اپنی سوتیلی لڑکی کو اس بنا پر مارا تھا۔ کہ اس کے شوہر بیساکھی نے سو روپے دینے کے وعدہ پر لڑکی سے شادی کی تھی۔ اور لڑکی کا شوہر یہ روپے ادا نہ کرتا تھا۔ عدالت نے روپے کے لالچ میں لڑکی پر حملہ کرنے کے جرم میں سزائے قید دی ہے؛

اشتہار زیر آرڈر نمبر ۵ رول نمبر ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت شیخ عبدالرحمن صاحب بی - اے سب جج بہادر امرتسر

منشی رام ولد گنپت رام برہمن ساکن دلہ تحصیل امرتسر مدعی - بنام غلام نبی ولد علی محمد افغان ساکن مذکور مدعا علیہ

دعویٰ -/2/ 346

مقدمہ مندرجہ بالا میں مسمی غلام نبی مدعا علیہ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے - اور روپوش ہے - لہٰذا اشتہار ہذا بنام مدعا علیہ مذکور جاری کیا جاتا ہے - کہ اگر مدعا علیہ مذکور بتاریخ 8/8/28 کو مقام امرتسر حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ نہ کرے گا - تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آئے گی +

آج بتاریخ 11/7/28 کو بہ ثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری ہوا +

(دستخط و مہر عدالت)

اشتہار زیر آرڈر نمبر ۵ رول نمبر ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت شیخ عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے سب جج بہادر درجہ سوم امرتسر

فرم ساون مل امی چند کسیرہ ساکن جنڈیالہ گورو تحصیل امرتسر۔ امی چند مالک کارکن فرم مدعی

بنام خیرالدین ولد رحیم بخش خوجہ ساکن مہتہ تحصیل امرتسر مدعی علیہ مقدمہ نمبر ۱۹۹

دعویٰ 6/7/139

مقدمہ مندرجہ بالا میں مسمی خیرالدین مدعا علیہ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ لہٰذا اشتہار ہذا بنام مدعا علیہ مذکور جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہ مذکور بتاریخ 9/28 24 کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ نہ کرے گا۔ تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آئے گی۔

آج بتاریخ 7/28 کو بہ ثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا۔

(دستخط و مہر عدالت)

شادی کی ضرورت

ایک ۲۸ سالہ سُنی مسلمان گریجویٹ جو خوشحالی کے ساتھ ایک خود مختار پیشہ میں مصروف ہے۔ ایسی بے بیاہی ہوئی سنی مسلمان لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے۔ جس کی عمر ۱۸ سال سے کم نہ ہو اور جو کسی ذات کی ہو۔ یہ لازمی ہے۔ کہ لڑکی تندرست۔ خوب صورت اور امور خانہ داری میں پختہ کار ہو اور اُردو لکھنا پڑھنا اچھی طرح جانتی ہو۔ براہ کرم مسٹر ایم معرفت اخبار "تہذیب النسواں" لاہور بذریعۂ راز خط و کتابت کیجئے۔

ضرورت ہے

ایک مسلمان (سید) ایم۔ اے۔ ایل ایل بی جوڈیشل افسر تنخواہ دار سات سو روپیہ عمر ۳۷ سال ایک روشن خیال تعلیم یافتہ۔ سلیقہ مند۔ خوش مزاج۔ خوب سیرت و خوب صورت لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ کسی قومیت یا ذات کی قید نہیں۔ کیونکہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (تم میں کا خدا کے یہاں عزت والا وہی ہے۔ جو نیک سیرت ہے) فوٹو اور خطوط ذیل کے پتے سے آنے چاہئیں:

مولوی سراج الدین احمد صاحب

نمبر ۳ بیلی روڈ ڈاکخانہ کٹرا۔ الہ آباد

اشتہار زیر آرڈر نمبر ۵ رول نمبر ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت شیخ عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے سب جج بہادر درجہ سوم امرتسر

بوٹا سنگھ ولد فتح سنگھ کمبو ساکن تلونڈی دو گراں تحصیل امرتسر مدعی۔ بنام میلو ولد کنگر مہتر ساکن مذکور مدعا علیہ

دعویٰ -/-/170

مقدمہ مندرجہ بالا میں مسمی میلو مدعا علیہ مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ لہذا اشتہار ہذا بنام مدعا علیہ مذکور جاری کیا جاتا ہے۔ اگر مدعا علیہ مذکور بتاریخ 9 $\frac{8}{28}$ کو حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ نہ کرے گا۔ تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں آئے گی +

آج بتاریخ 2 $\frac{7}{28}$ کو بہ ثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت کے جاری کیا گیا +

(دستخط و مہر عدالت)

ضرورت رشتہ

ایک حنفی المذہب شریف خاندان کے اعلیٰ کیرکٹر مسلم جوان کے لئے ایک تعلیم یافتہ و معزز سُنّی خاندان میں رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی حسین سمجھدار و امور خانہ داری سے بخوبی واقف ہو۔ جوان مذکور علی گڑھ کالج کا گریجویٹ وانگلستان کا تعلیم یافتہ ہے۔ اور اب بفضل خدا امپیریل سروس میں اعلیٰ سرکاری عہدہ پر شمالی ہند میں مامور ہے۔ جوان مذکور کی عمر قریباً ۳۲ سال ہے۔ بوجہ تعلیم و ضروریات ملازمت ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ لڑکی معزز خاندان سے اور خوب ہو۔ خط و کتابت نہایت خفیہ رکھی جائے گی۔ خطوط اس پتہ پر آنے چاہئیں +

ج۔ ب معرفت "تہذیب نسواں" لاہور

ضرورت ہے

ایک عالی نسب ۲۳ سالہ نوجوان مسلمان کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی اچھی تعلیم یافتہ چاہیئے۔ اور اگر ملازمت پیشہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ لڑکا ایک معزز اور معقول عہدہ پر سرکاری ملازم ہے۔ -/-/165 روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بھاری جائداد کا واحد مالک ہے۔ ذات وغیرہ کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا + تمام خط و کتابت جو مخفی رکھی جائے گی۔ مندرجہ ذیل پتہ پر کی جائے +

صوفی اقبال حمید بی۔ اے
معرفت پوسٹ ماسٹر چنیوٹ۔ ضلع جھنگ

اشتہار زیر آرڈر نمبر ۵ رول نمبر ۲۰ ضابطہ دیوانی

بعدالت شیخ عبدالرحمٰن صاحب سب جج بہادر امرتسر

آتما سنگھ ولد مولا سنگھ ذات ترکھان ساکن ٹھٹھہ تحصیل امرتسر مدعی

بنام فتح الدین ولد میراں بخش تحصیل جوگی ساکن مذکورہ مدعا علیہ

دعویٰ -/-/75 بروئے بہی

دیوانی نمبر 254

مقدمہ مندرجہ بالا میں مدعا علیہ تعمیل سمن سے عمداً گریز کرتا ہے۔ اور تعمیل سمن ہونے نہیں دیتا ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا برخلاف مدعا علیہ جاری کیا جاتا ہے۔ کہ وہ بتاریخ پیشی $\frac{9}{28}$/20 کو حاضر عدالت ہو کر جوابدہی کرے۔ ورنہ اس کے برخلاف کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جائے گی۔

آج بتاریخ $\frac{6}{28}$/11 کو بہ ثبت دستخط ہمارے اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔

(دستخط و مہر عدالت)

سب سے پہلا زنانہ ہفتہ وار اخبار
تہذیب نسواں
ماہوار اڈیشن
اگست سنہ ۱۹۲۸ء
دار الاشاعت پنجاب لاہور

کیا آپکے ہاں کوئی لڑکی تعلیم پارہی ہے

اگر آپ اعلیٰ تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ تو لڑکی کو دہلی سے زنانہ بستہ منگا کر پڑھائیں۔ یہ دس کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس بستہ سے اُردو لکھنا پڑھنا۔ گھر داری۔ قرآن مجید پڑھنا سب کچھ آجاتا ہے۔ شادی ہونے کے بعد ساس سسرے اور خاوند کے ساتھ برتاؤ بھی لڑکی سیکھ جاتی ہے۔ زنانہ بستہ

(۱) بسم اللہ کی کتاب۔ (۲) کہانیوں کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب۔ (۶) کھانا پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب۔ (۸) تہذیب کی کتاب۔ (۹) پردے کی کتاب۔ (۱۰) دلھن کا جہیز۔ جو کتاب جس مضمون پر لکھی گئی ہے۔ اسے مکمل کر دیا ہے۔ قیمت فی جلد مجموعہ عہ/ مجلد عہہ/ مع بستہ کپڑا عہ/ ہے۔

مینیجر دواخانہ نور تن فراش خانہ دہلی

ضرورت ہے

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انگریزی خواں مذہبی عالم کی (مرد کی عمر تقریباً پچاس سال یا عورت) چند مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ایک گاؤں ضلع شاہپور میں۔ تنخواہ دو صد روپیہ ماہوار تک۔ مکان مفت تمام درخواستیں بنام

خان صاحب ملک فتح خاں نون ڈپٹی رجسٹرار انجمنہائے امداد باہمی۔ پنجاب۔ لاہور

ضرورت رشتہ

ایک حنفی المذہب شریف خاندان کے اعلیٰ گریڈ مسلم نوجوان کے لئے ایک تعلیم یافتہ و معزز سنی المذہب خاندان میں رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی حسین ہو اور امور خانہ داری سے بخوبی واقف ہو۔ جوان علی گڑھ کالج کا گریجویٹ اور انگلستان کا تعلیم یافتہ ہے۔ اور اب بفضل خدا امپیریل سروس میں اعلیٰ عہدہ پر شمالی ہند میں مامور ہے۔ جوان مذکور کی عمر قریباً ۳۲ سال ہے۔ بوجہ تعلیم اور ضروریات ملازمت ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ لڑکی معزز خاندان سے اور خوبصورت ہو۔ خط و کتابت نہایت خفیہ رکھی جائے گی۔ جواس پتے پر کی جائے:۔

ر ج ۔ ب معرفت تہذیب نسواں ۔ لاہور۔ پنجاب

ضرورت ہے

ایک عالی نسب ۲۳ سالہ نوجوان مسلمان کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان رشتہ کی ضرورت ہے۔ لڑکی اچھی تعلیم یافتہ چاہئے۔ اور اگر ملازمت پیشہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لڑکا ایک معزز اور معقول عہدہ پر ممتاز ہے۔ ایک سو ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک بھاری جائداد کا واحد مالک ہے۔ ذات وغیرہ کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا۔ تمام خط و کتابت خفیہ رہے گی۔ جواس پتے پر ہونی چاہئے

صوفی اقبال حمید بی اے معرفت پوسٹ ماسٹر ضلع ...

نمبر ۳۱	لاہور۔ ہفتہ۔ ۴۔ اگست سنہ ۱۹۲۸ء	جلد ۳۱

تہذیب نسواں

لاہور۔ ہفتہ۔ ۱۷ صفرالمظفر سنہ ۱۳۴۷ھ

فہرست مضامین

ہم خود

گزشتہ دنوں محفل تہذیب میں کسی بہن نے بعض ہمعصر زنانہ رسائل کے متعلق دوسری بہنوں کی رائے دریافت کی تھی۔ اس استفسار کے کئی جواب آئے۔ جن میں سے چند میں ان رسائل کی تعریف تھی۔ اور چند میں شکایت۔ ان میں سے کسی ایک رائے کو شائع کرنا اور دوسری کو روک لینا کسی طرح مناسب معلوم نہ ہوتا تھا۔ اور دونوں رائوں کو چھاپنے کی صورت میں ایک ناگوار بحث چھڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ جس کا اخبار متحمل نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے ان میں سے کسی جواب کو بھی شائع نہ کیا۔ اس پر تہذیب کی ایک مراسلت نگار خاتون نے ایک رسالہ کے متعلق اپنی تعریفی رائے اخبار تہذیب میں شائع نہ ہونے پر اس کو تنگ حوصلہ اور حاسد قرار دیا۔ اور لکھا۔ کہ تہذیب دوسرے زنانہ اخبارات و رسائل کا ذکر تک اپنی ناظرات کے سامنے نہیں کرتا۔

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ تہذیب اس بارے میں زیادہ محتاط ہے۔ لیکن اس کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ وہ دوسرے زنانہ رسائل سے حسد رکھتا ہے۔ اور اسے اس امر کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں دوسرے رسائل زیادہ فروغ نہ پا جائیں۔ چنانچہ بعض زنانہ رسائل شہادت دے سکیں گے۔ کہ جب ان کے انتظام اور روش کے خلاف تہذیب میں چھپنے کو مراسلات آئیں تو درج کرنے کی بجائے ان ہی رسائل کے دفتر میں بھیجدی گئیں۔ اور تہذیب نے مراسلت نگار کا اطمینان کرا دیا۔ ہمارے نزدیک تعریف کے رسمی ریویو محض بیکار ہوتے ہیں۔ اور اخبار کے وقار کو صدمہ پہنچاتے ہیں۔ بہت عرصہ سے خدمت نسواں میں معروف رہنے کے باعث تہذیب تمام نسوانی مسائل اور ضروریات کے متعلق ایک خاص رائے رکھتا ہے۔ اور زنانہ اخبارات و رسائل کی خصوصیات کو زیادہ غور اور سختگی سے جانچتا ہے۔ اس قسم کے ریویو ہمارے ملک میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔ بلکہ ان کی اشاعت پر عام طور سے اس قسم کے خلاف تہذیب ذاتی حملوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کہ محترمہ محمدی بیگم مرحومہ اپنے شوہر سے مضامین اور کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کیا کرتی تھیں۔ ایسی حالت میں ہمیں خاموشی زیادہ محفوظ اور مفید مسلک معلوم ہوتا ہے۔

مضمون نگار بہن نے تہذیب میں اپنی رائے شائع نہ ہونے کا ذمہ دار والدماجد کو قرار دیا ہے حالانکہ تہذیب کی خریدار ہونے کے باعث انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ایک سال سے اخبار کا اہتمام میرے ہاتھوں میں ہے۔ میں نے محض شکایات سے بچنے کے خیال سے وہ استفسار درج اخبار کر دیا۔ لیکن مجھے علم نہ تھا۔ کہ متضاد رائیں آنے سے اس کا اندراج اور زیادہ ناگوار شکایات کا موجب ہوگا۔ تاج

قومی ضروریات کا احساس

کفایت شعاری ایک نہایت اچھی عادت ہے۔ اور خاص کر ہم مسلمانوں کو اس کی سب قوموں سے زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن ہر بہن کو کفایت شعاری کے ساتھ ہی اس بات کا احساس بھی ہونا چاہئے۔ کہ کونسی ضروریات ایسی ہیں۔ کہ باوجود کفایت کا خیال رکھتے ہوئے ہمیں ان کے لئے تھوڑا بہت خرچ کر دینا ضروری ہے۔ افسوس ہے۔ کہ ہماری اکثر بہنوں کو اب تک قومی ضروریات کا احساس بالکل نہیں ہوا۔ اور وہ اپنے ذاتی مصارف کے مقابلے میں قومی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہیں۔ بلکہ اس قسم کے مصارف کو اصول کفایت شعاری کے خلاف سمجھتی ہیں۔ حالانکہ تمام بیدار اور ترقی یافتہ قومیں اس اصول کی پابند رہیں۔ اور اب تک ہیں۔ کہ اپنی ذات سے زیادہ قومی ضروریات کو مقدم سمجھتی ہیں۔

مثال کے طور پر اس واقعہ کو یاد کیجئے۔ کہ شہنشاہ شاہجہاں کے عہد حکومت میں ایک انگریز ڈاکٹر نے ایک شہزادی کا علاج کیا تھا۔ شہزادی کے صحت یاب ہونے پر شاہجہاں نے خوش ہو کر ڈاکٹر سے پوچھا۔ کہ مانگو اس کے عوض تم کیا چاہتے ہو؟ ڈاکٹر اگر اپنی ذات کے لئے چاہتا۔ تو اس وقت اتنی دولت حاصل کر سکتا تھا۔ جو اس کی پشتوں تک کو کافی ہوتی۔ مگر واہ ری دانائی! اس نے اپنی ذات کے لئے ایک حبّہ تک نہ مانگا۔ اور مانگا تو کیا مانگا۔ کہ "میری قوم کو ہندوستان میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے" جس کے طفیل آج اس کی قوم ہندوستان پر حکومت کر رہی ہے۔

ڈاکٹر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور معلوم نہیں اب اس کی نسل میں بھی کوئی باقی رہا یا نہیں۔ اور ہے تو کس حال میں ہے۔ لیکن اپنی قوم کو ہندوستان جیسے زرخیز ملک کا بادشاہ بنا گیا۔ جس قوم میں ایسے زبردست ایثار کرنے والے اور اپنی ضروریات پر قوم کی ضروریات کو مقدم رکھنے والے افراد پیدا ہوں۔ وہ کیوں نہ ترقی کرے گی؟

ادھر اپنی حالت پر غور کیجئے۔ تو ہر شخص خود غرضی کا مبتلا اور اپنی ادنیٰ ضروریات پر قوم کے بڑے سے بڑے فوائد کو قربان کرنے کو تیار نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ریفارمروں کی کوئی تجویز کارگر نہیں ہوتی۔ اور ان میں سے اکثر اپنی قوم کی خود غرضی اور سرد مہری سے تنگ آ کر اس کی

حالت زار کا ماتم کرتے ہوئے اپنی کوششوں سے دست کش ہو جاتے ہیں ؛

مثلاً فرض کیجئے۔ کہ ہمارے شہر میں جو تعلیم اور خصوصاً تعلیم نسواں میں اکثر شہروں سے پیچھے ہے۔ کسی درد مند اور ہمدرد بھائی نے اپنی بہنوں کے تعلیمی فوائد کی خاطر معلوم نہیں کتنی دقتوں کا سامنا کر کے کسی نہ کسی طرح ایک زنانہ لائبریری کا اجرا کیا۔ اب ہمارا قومی فرض ہے۔ کہ ہم اس کی اطلاع ہوتے ہی ہر ممکن طریقے سے اس کی امداد پر کمربستہ ہو جائیں۔ خود اس کے ممبر بنیں اور کثیر تعداد میں دوسری بہنوں کو اس کا ممبر بنائیں۔ چند آنے ماہوار جو فیس ممبری مقرر ہے۔ اس کو بچا لینا کوئی کفایت شعاری نہیں ہے۔ جبکہ ہم اپنی ذات کے لئے چند پیسے بچا کر قوم کی ترقی کے ایک بڑے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ چند پیسے اگر ہم نے اس قومی ضرورت کو پس پشت ڈال کر اس وقت بچا بھی لئے۔ تو زیادہ دیر تک ہمارے پاس ٹھہرنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ اپنی ذاتی ضروریات پر ہم ذرا دیر میں بیسیوں روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ؛

ایسی صورت میں اگر چند آنے ماہوار خرچ کر کے ہم اپنی قوم کے لئے ایک مفید کام میں شرکت کر لیں۔ تو بمصداق ہم خرما و ہم ثواب اپنا ذاتی نقصان بھی نہ ہو۔ اور قوم کو ہماری ذات سے بہت زبردست فائدہ پہنچ جائے۔ مگر افسوس یہ ہے۔ کہ ہمیں اس کا احساس بھی نہیں۔ اور قومی ضروریات ہمارے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں ؛

بجائے اس کے کہ ہم اس کی مدد اور خدمت کے لئے تیار ہوں۔ ہمیں سب سے پہلے یہ خیال ہوگا۔ کہ ہم خود بھی اس سے کوئی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یا نہیں؟ اگر خانہ داری کے جھگڑوں اور تندرستی نے اتنی اجازت دی۔ کہ ہم لائبریری کی کتابوں کا مطالعہ کر سکیں۔ تب تو خیر کسی نہ کسی طرح ہم ممبری کی زحمت برداشت کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر یہ نہیں۔ تو یہ خیال ہمیں کبھی اس کی امداد پر آمادہ نہیں کر سکتا۔ کہ یہ ایک قومی مفاد کا کام ہے۔ اور اس میں حصہ لینا ہمارا قومی فرض ہے ؛

جب چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے ہماری یہ حالت ہے۔ اور چند آنوں کے صرف کرنے کی ہماری بے جا کفایت شعاری ہمیں اجازت نہیں دیتی۔ تو بڑے کاموں کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ جب تک ہمیں قومی ضروریات کا احساس نہ ہو۔ اور ہم اس کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لانے کو تیار نہ ہو جائیں۔ ہمیں اپنی پستی کا رونا رونا بالکل فضول ہے۔ جس وقت تک ہم خود کچھ

کرنے کو تیار نہ ہوں گے - ہماری قوم کبھی اُبھر نہیں سکتی ؛

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

خاکسار ظفر جہاں - بریلی

٭ ٭ ٭

مسز پنکھرسٹ

انگلستان کی حقوق طلب عورتوں کی مشہور و معروف رہنما مسز پنکھرسٹ جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے - دنیا کی ان خواتین میں سے تھیں - جن کی زندگی کو بلند ہمتی اور استقلال کا نمونہ کہا جا سکتا ہے ؛ انگلستان میں حقوقِ نسواں خصوصاً حق رائے دہندگی حاصل کرنے کے لئے ایک مستقل انجمن کی بنیاد رکھنے کا سہرا آپ ہی کے سر ہے ؛ مسز موصوفہ مدت العمر اس انجمن کی رُوح رواں اور سب سے زیادہ سرگرم کارکن رہیں - اور یہ انہی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ تھا - کہ عورتوں کے حق رائے دہندگی کو انگلستان کی سیاسیات میں اس قدر اہمیت حاصل ہو گئی ؛

پہلے نہ صرف پارلیمنٹ بلکہ مقامی کمیٹیاں بھی عملاً مردوں ہی کے قبضے میں تھیں - اور جب تک مسز پنکھرسٹ اور ان کی بڑی لڑکی مس کرسٹابیل پنکھرسٹ نے عورتوں کی سیاسی اور معاشرتی انجمن قایم کر کے انتہائی سرگرمی اور زور و شور سے جدوجہد شروع نہ کی - اس وقت تک کسی سیاست داں یا سیاسی پارٹی کو وہم و گمان بھی نہ تھا - کہ یہ مسئلہ ملک کے سب سے بڑے اور اہم مسائل میں شمار ہونے لگے گا ؛

اس مہم کے متعلق ابتدائی سرگرمیوں میں سے اکثر صد درجہ قابل اعتراض تھیں ؛ مسز پنکھرسٹ کی ہم خیال اور شریک کار خواتین میں سے اکثر بار بار قانون شکنی کی مرتکب ہوتی تھیں ؛ اس وقت اکثر ایسے مدبر بھی حقوق نسواں کی مہم کے خلاف تھے جو ملک کی نہایت عالی پایہ اور محبوب ترین ہستیوں میں شمار ہوتے تھے ؛ زنانہ انجمن کی انتہا پسند کارکنوں نے ان کو اس قدر تنگ کرنا شروع کیا - کہ بیچاروں کی زندگی اجیرن ہو گئی ؛

آغاز کار میں مسز پنکھرسٹ نے جو طرز عمل اختیار کیا - وہ نہایت مدبرانہ تھا ؛ ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی - کہ عوام الناس کی توجہ زنانہ مسائل سے ہٹنے نہ پائے - اور مسلسل پراپاگنڈا جاری رہے تاکہ آخر کار پارلیمنٹ عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دینے پر مجبور ہو جائے ؛ ان میں سے پہلا

مقصد تو حاصل ہو گیا۔ اور دوسرے میں اگرچہ اس قدر جلد کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن راستہ صاف ہو گیا۔ اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔ چند روز ہوئے عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دینے کے متعلق شاہی منظوری بھی حاصل ہو گئی ہے +

کچھ عرصہ سے مسز پنکھرسٹ کے سیاسی عقائد میں اہم تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں + ۱۹۲۶ء کے موسم گرما میں آپ نے اپنے ملوکیت پسند اور قدامت پرست پارٹی میں شامل ہونے کا اعلان کیا تھا۔ اور گزشتہ سال ماہ فروری میں قدامت پرست پارٹی نے ان کو اپنی طرف سے پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے امیدوار نامزد کر دیا تھا +

مسز پنکھرسٹ کا پورا نام ایملین پنکھرسٹ تھا + آپ ملے ایسے لوگوں کے درمیان پرورش پائی تھی۔ جو آئینی انقلاب کے زبردست حامی تھے + ان کا دادا مشہور و معروف انقلاب پسند تھا۔ اور باپ کے خیالات کا رجحان اگرچہ کسی قدر اعتدال پسندی کی جانب تھا۔ لیکن بیشتر معاملات کے متعلق وہ بھی فوری انقلاب کا حامی تھا +

نوجوانی ہی میں آپ کو ڈاکٹر آر ایم پنکھرسٹ سے ملاقات کا اتفاق ہوا + ڈاکٹر صاحب ایک کامیاب بیرسٹر اور سیاسی رجحان کے اعتبار سے آئینی انقلاب کے کٹر حامی تھے + کچھ عرصہ بعد مسز موصوفہ نے ڈاکٹر صاحب سے شادی کر لی لیکن ڈاکٹر صاحب کو موت نے کچھ زیادہ مہلت نہ دی۔ اور وہ چار بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری مسز پنکھرسٹ پر چھوڑ کر چل بسے + مسز پنکھرسٹ نے فوراً ملازمت کی تلاش شروع کر دی۔ اور تھوڑی سی دوڑ دھوپ کے بعد پیدائش و اموات کی رجسٹرار مقرر ہو گئیں۔ جس سے انہیں بچوں کے متعلق اپنا فرض ادا کرنے میں بہت کچھ آسانی ہو گئی +

کچھ مدت اس طرح گزرنے پر جب مسز پنکھرسٹ کی بڑی لڑکی جوان ہو گئی۔ تو ماں بیٹی نے مل کر مذکورہ بالا "سیاسی و معاشرتی زنانہ انجمن" کی بنیاد رکھی + ابتدا میں اس انجمن کی رکنیت کا دائرہ چھ یا سات عورتوں تک محدود تھا۔ اور یہ شہر مانچسٹر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اپنے جلسے منعقد کیا کرتی تھیں + پھر اسی انجمن نے اپنے بانیوں کے عزم و استقلال کی بدولت رفتہ رفتہ ترقی کر کے ایک نہایت ہی زبردست اور منظم سوسائٹی کی صورت اختیار کر لی + ۱۹۰۶ء میں مسز پنکھرسٹ نے لندن میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور آزاد خیال مزدور جماعت میں شامل ہو گئیں + بیسویں صدی میں آپ نے اپنی تمام توجہ سیاسی اور معاشرتی انجمن کی ان سرگرمیوں کی جانب مبذول کی۔ جو انجمن کی طرف سے عورتوں کو رائے دہندگی کا حق دینے کے لئے کی جا رہی تھیں + چنانچہ آپ نے اپنی دوسری مصروفیتوں اور سرگرمیوں سے کلیتہً کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اور دس سال تک

رائے دہندگی کے سوا اور کسی مسئلہ پر توجہ نہ کی۔ اس عرصہ میں اس مہم کی عنان بلا شرکت غیرے مسز پنکھرسٹ کے ہاتھ میں رہی۔ اور انہوں نے مختلف ضمنی انتخابات کے موقعوں پر دھواں دھار تقریریں کیں۔ کہ عوام الناس اور سیاسی مدبر زنانہ مسائل کی اہمیت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔

۱۹۱۰ء میں آپ نے حقوق طلب خواتین کا ایک شاندار جلوس مرتب کیا۔ اور اسے ساتھ لے کر پارلیمنٹ کے دارالعوام کی جانب روانہ ہوئیں لیکن حکومت نے اس جلوس کو خلاف قانون مجمع قرار دے کر مسز پنکھرسٹ کو قیدخانہ میں ڈال دیا۔

پھر ۱۹۱۳ء کے موسم بہار میں جب کہ حقوق طلب خواتین کی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ مسز پنکھرسٹ ایک سنگین الزام میں ماخوذ ہوئیں۔ الزام یہ تھا۔ کہ آپ نے بعض لوگوں کو اشتعال دلا کر ایک عمارت کو بم سے اڑا دینے کی ترغیب دی ہے جس سے نہایت خطرناک نتائج برآمد ہونے کی امید تھی۔ یہ مکان سر جارج رڈل کی ملکیت میں تھا۔ (جو اب لارڈ رڈل بن گئے ہیں) اور وہ اسے مسٹر لائڈ جارج کے لئے بنوا رہے تھے۔ جو اس وقت وزیر مالیات کے عہدہ پر مامور تھے۔

عدالت نے مسز پنکھرسٹ کو مجرم قرار دے کر تین سال کی سزا دی۔ لیکن مسز موصوفہ نے فوراً بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اور آپ کی صحت اس قدر خراب ہو گئی۔ کہ مجبوراً آپ کو رہا کرنا پڑا۔ مگر صحت درست ہوتے ہی آپ کو پھر ایک اور قانون کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا۔ آپ نے پھر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ حکومت پھر انہیں رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔ لیکن تندرست ہونے پر پھر پہلے کی طرح انہیں گرفتار کر لیا۔ غرض بار بار یہی عمل دہرایا جاتا تھا۔ عدالت سے سزا کا حکم ہونے کے بعد پندرہ مہینے کے عرصہ میں آپ نو مرتبہ رہا کی گئیں۔ اور صرف چالیس دن جیل میں رہیں۔

جنگ عظیم شروع ہونے پر موصوفہ کو بالکل آزاد کر دیا گیا۔ اور یہ رنگروٹ بھرتی کرانے اور دوسرے قومی کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ ۱۹۱۴ء میں انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح عمری شائع کی۔

۱۹۲۶ء میں مسز موصوفہ طبقہ عمال کی سیاسیات سے قطع تعلق کر کے قدامت پرست جماعت میں شامل ہو گئیں۔ اس کے بعد بعض دوستوں نے آپ کو مجبور کیا۔ کہ پارلیمنٹ کی رکنیت کے لئے امیدوار کھڑی ہوں۔ انہوں نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے اپنے نئے سیاسی عقائد کا پُر زور الفاظ میں اعلان کیا۔ عام ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا۔ کہ جو لوگ طبقہ نسواں کے ہمدرد اور بہی خواہ ہیں۔ ان کے لئے بہترین طریقہ عمل یہی تھا۔ کہ مسٹر بالڈون اور ان کی حکومت کی تائید کریں۔ قدامت پرست پارٹی کی طرف سے امیدوار نامزد ہونے کے بعد آپ نے بہت سی معرکۃ الآرا تقریروں میں موجودہ گورنمنٹ کی حمایت کی۔ آخر

مسز پنکہرسٹ

ترسدان کي عورتين اُون توم رہي ہين

ایک دُور اُفتادہ جزیرہ

وسیع مملکت برطانیہ میں ایک جزیرہ ہے۔ جس کا فاصلہ کسی خشک مقام سے بھی ایک ہزار میل سے کم نہیں ہے۔ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی خوش قسمتی سے ڈاک کا جہاز آتا ہے۔ ورنہ یہاں کے باشندے بیرونی دنیا کے حالات سے قطعی بے خبر رہتے ہیں۔ اس جزیرہ کا نام ٹرلیستان ہے۔ اور رقبہ بیس مربع میل ہے۔ اس کو سب سے پہلے اہل پرتگال نے ۱۵۰۶ء میں دریافت کیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ بالکل بنجر اور غیر آباد تھا۔ اس لئے انہیں اس پر قبضہ کرنا بے سُود معلوم ہوا۔

اس کے بعد تین صدیوں تک یہ جزیرہ اسی طرح ویران اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ صرف کبھی کبھی وہیل مچھلی کا شکار کرنے والے جہاز ادھر آ نکلتے تھے۔

نپولین اعظم کے زوال تک یہی کیفیت رہی لیکن جس وقت انگریزوں نے جنگ واٹرلو کے بعد نپولین کو گرفتار کر کے جزیرہ سینٹ ہیلینا میں جلاوطن کر دیا۔ تو انہیں خیال پیدا ہوا۔ کہ کہیں نپولین کے ہوا خواہ ٹرلیستان پر جو سینٹ ہیلینا سے بارہ سو میل کے فاصلے پر ہے قبضہ کر کے اس کو بھگا لے جانے کی کوشش نہ کریں۔ اس لئے گورنمنٹ برطانیہ نے اس جزیرہ میں انگریزی سپاہ کی ایک مختصر سی چھاؤنی ڈال دی۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد چھاؤنی کو توڑ کر فوج واپس بلا لی گئی۔

اس فوج کے نو سپاہیوں کو اس ویران جزیرہ سے کچھ ایسی دل بستگی پیدا ہو گئی۔ کہ انہوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ اور یہیں مستقل رہائش کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حکومت نے بھی ان کو یہاں رہنے کی اجازت دیدی۔

ان جلاوطنوں کو یہاں رہتے ہوئے زیادہ مدت نہ گزری تھی۔ کہ ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح اپنی تنہائی کا احساس ہونے لگا۔ اور ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ کسی کو رفیق زندگی بنا کر اپنے ساتھ رکھیں۔ اتفاق سے وہیل مچھلی کا شکار کرنے والا ایک جہاز ادھر آنکلا۔ اس کے کپتان سے سب نے یہ درخواست کی۔ کہ جزیرہ سینٹ ہیلینا سے نو ایسی عورتیں لائے۔ جو ہم سے شادی کر کے یہاں رہنا منظور کر لیں۔

جہاز کا کپتان ایک نیک دل آدمی تھا۔ اس نے ان آدمیوں کی درخواست منظور کر لی۔ اور جس طرح ہو سکا۔ ان کے لئے بیویاں تلاش کر کے لے آیا۔ یہ سب عورتیں مخلوط حبشی نسل سے تعلق

چنانچہ اس طرح اس عجیب و غریب نوآبادی کا آغاز ہوا۔

اس وقت ایک سو ساٹھ نفوس اس جزیرہ میں آباد ہیں۔ اور تقریباً سب کے سب ان ہی نوآبادکاروں کی اولاد میں سے ہیں۔ جزیرہ کی آبادی صرف ساڑھے تین میل طویل اور ڈیڑھ میل عریض رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس جزیرہ میں سوائے آلو کے اور کسی قسم کی پیداوار نہیں ہوتی۔ عرصہ ہوا۔ کہ یہاں گندم اور جَو کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ لیکن ایک جہاز میں سے جو تباہ ہو کر کنارہ پر آ لگا تھا۔ ہزاروں چوہے نکل کر تمام جزیرہ پر چھا گئے۔ اور قلیل عرصے میں تمام فصلیں چٹ کر گئے۔ اس کے بعد یہاں کے باشندوں کو پھر کبھی اپنی زمین درست کر کے غلہ کاشت کرنے کا موقع نہ ملا۔

یہاں کے رہنے والوں کی خوراک آلو، مچھلی اور جنگلی پرندوں کے انڈوں پر مشتمل ہے۔ گوشت بہت کم کھایا جاتا ہے۔ گو ان لوگوں کے پاس بھیڑ بکریاں بھی ہیں۔ لیکن اس خیال سے ان کو زیادہ ذبح نہیں کیا جاتا۔ کہ ان کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو جائے۔

بھیڑوں کی اُون کات کر اس سے کپڑا بنایا کیا جاتا ہے۔ عورتیں اور مرد سب اس کو پہنتے ہیں۔ اس جزیرہ میں کسی قسم کا کوئی سکہ مروج نہیں ہے۔ نہ یہاں درآمد ہوتی ہے۔ نہ برآمد۔ باہمی لین دین پُرانے زمانے کے تبادلہ کے طریقے پر کیا جاتا ہے۔ سکہ کے متعلق ان کی لاعلمی مضحکہ انگیز ہے۔ ان سے اگر ایک شلنگ اور ایک پونڈ کا فرق پوچھا جائے۔ تو کبھی نہ بتا سکیں گے۔

نہ یہاں تار ہے نہ ڈاک خانہ اور نہ ریلوے یہاں تک کہ جزیرہ بھر میں کوئی ڈاکٹر بھی موجود نہیں۔ اور نہ ان کو کبھی کسی طبیب کی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ سب کو انا تندرست ہیں۔ نجدی عربوں کی طرح بیماری کبھی ان کے پاس پھٹکنے بھی نہیں پاتی۔ اس جزیرہ میں کوئی مجسٹریٹ یا پولیس کا سپاہی نہیں۔ سب لوگ امن پسند محنتی۔ جفاکش اور ایماندار ہیں۔ اس لئے ان کے درمیان کبھی کسی قسم کا دنگا فساد نہیں ہوتا۔

ڈمبلی کی مشہور نمائش میں ایک اسٹال ٹرلیستان کا بھی تھا۔ جس میں سوت کاتنے کے چرخے اور دستکاری کے مختلف نمونے رکھے ہوئے تھے۔

مسز ف۔ ج محمد حفیظ اللہ

بچوں کی دوا اور پرہیز

بیماریوں کے متعلق عام خیال یہ ہے۔ کہ بد احتیاطیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ بات ایک حد تک ٹھیک بھی ہے۔ مگر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ اکثر بیماریاں ضرورت سے زیادہ احتیاط کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ میں اپنی بہنوں کی بتاؤں گی۔ کہ کیوں کر بعض ناسمجھ والدین اپنے بچوں کو خواہ نخواہ مرض کا شکار بناتے ہیں۔ ؎

سارے جو بڑھ گیا تو ہے اس کا عمل خراب
گو آج خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب۔

میری نظر سے کئی ایسی بے پروا بیبیاں گزری ہیں۔ جنہیں اپنے معصوم اور بھولے بھالے پیارے بچوں کے آرام و تکلیف کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہوتا۔ اور ان کے بچے دوسروں کی مہربانی کے محتاج رہتے ہیں۔ نوکر یا کسی رشتہ دار بیوی نے بچوں کو جس طرح چاہا رکھا۔ کھلانا۔ پلانا۔ سلانا دوا دارو۔ اچھا برا سب بچے کے نگراں کے ذمے ہوتا ہے۔ ماں کسی بات سے کچھ تعلق نہیں رکھتی اور اسی طرح خدا کے فضل سے اکثر بچے خوب صحت و تندرستی کی حالت میں پروان چڑھ جاتے ہیں۔ بلکہ اگر میں یہ بھی کہوں۔ تو بیجا نہ ہوگا۔ کہ اس طریقے سے رکھے جانے والے بچے زیادہ تر زندہ اور تندرست رہتے ہیں۔ جس کا سبب میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے۔ کہ ان کے متعلق ضرورت سے زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیا جاتا۔ اور ان کی ماؤں کے دل میں یہ اعتماد ہوتا ہے۔ کہ بچے تندرست رہیں گے۔ بچے کی طرف سے کبھی کوئی وہم و وسواس یا کسی طرح کی بیماری یا نقصان کا خیال ان کے دل میں نہیں رہتا۔ اس لیے بچوں پر بھی اس کا عمدہ اثر پڑتا ہے۔ اور وہ تندرست اور خوش رہتے ہیں۔

جو مائیں بچوں کی مامتا میں دیوانی سی رہتی ہیں۔ ان کے بچے پیدائش کے روز سے ہی علیل رہتے ہیں۔ جہاں بچے کو ذرا سا زکام یا خفیف سی حرارت ہوئی۔ اور انہوں نے حکیم یا ڈاکٹر کو دکھایا۔ اور بچے کو باقاعدہ مریض بنا دیا۔ ایک روز حکیم کا علاج رہا۔ اس سے ۲۴ گھنٹے میں کچھ افاقہ نہ ہوا۔ تو فوراً ڈاکٹر آیا۔ ایک دو روز میں اس کے معالجہ کو بھی ایک دوسرے ڈاکٹر نے تبدیل کر دیا۔ غرض یہ ننھی سی جان خبط الحواس والدین کی تلون مزاجی کے باعث بہت سے ڈاکٹروں کا تختہ مشق بن جاتی ہے۔ پھر پرہیز بھی ایسا سخت کرتی۔ اور بچے کو کراتی ہیں۔ کہ پناہ بخدا۔ کیا مجال جوان کا بچہ سال کے ایک مہینے بھی آنگن میں سوئے یا گرم کپڑا پہنے بغیر

صبح شام باہر نکل سکے۔ یا گرمیوں کے موسم میں روزانہ غسل کر سکے۔ ان باتوں میں سے ایک بھی ہوئی۔ اور نتیجے کو بخار اور دوسری بیماریوں نے آگھیرا۔ اور ایسی بُری طرح۔ کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اکثر بچے تو ان حد سے گزری احتیاطیوں کی برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اور قبل از وقت ختم ہو جاتے ہیں۔ تازہ ہوا۔ روشنی۔ پانی اور دوسری موسمی اشیاء سے بھی اکثر ایسے نازک مزاج بچے بیمار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ سال کا ایک چشم دید واقعہ لکھتی ہوں۔

ہم لوگ ایک سیٹھ صاحب کے مکان میں کرایہ پر رہتے تھے۔ جس سے ملحقہ مکان میں سیٹھ صاحب موصوف کے بیوی بچے آباد تھے۔ ان کے ماشاءاللہ سات بچے تھے۔ اور سب سے چھوٹا سات ماہ کا لڑکا تھا۔ جس کو قدرتی دودھ نہ ملتا تھا۔ بلکہ گائے کے دودھ پر اس کی زندگی تھی۔ ایک ماما اس بچے کو رکھتی تھی۔ اور نانی صاحبہ اس کی نگران تھیں۔ ماں بہت ہی کم اس کو گود میں لیتی۔ بلکہ اکثر ان کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا۔ کہ کیا کروں دنیا نام رکھے گی۔ ورنہ اس بچے کو تو میں خیرات کر دیتی۔ میرا تو اسے دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ بچہ بے انتہا کمزور اور سوکھا ہوا تھا۔ جاہل نوکر کی پرورش اوپری دودھ یہ سب مل کر قریب المرگ کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ بچے کو بخار بھی آنے لگا۔

اسی زمانے میں اماں اس بچے کو نوکر کی سپردگی اور اپنی والدہ کی نگرانی میں چھوڑ کر اور باقی تندرست بچوں کو اپنے ساتھ لے کر بیاں کے جائے قیام پر پہنچ گئیں۔ جس وقت یہ بچے کو چھوڑ کر گئی تھیں اس کی حالت بہت ردی تھی۔ جب دوسرے روز اس کی نوکر اسے ہمارے ہاں لائی ہے۔ اور بچہ اپنی ماں کے دھوکے میں مجھ سے چمٹ گیا۔ تو میرے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اور زبان سے نکل گیا۔ کہ اسے خدا تیرے ایسے ایسے بے نکر بندے بھی ہیں"۔ مگر خدا کی رحمت اور بچے کی ماں کا اعتماد کہ ماں کے چلے جانے کے بعد دنوں دن یہ بچہ سنبھلتا گیا۔ اور جب آٹھ ماہ کی مدت کے بعد ماں واپس آئی۔ تو وہ پاؤں پاؤں بھاگا پھرتا تھا۔

اب تو ماں بہت خوش تھیں۔ اور اس کو اپنے پاس رکھنے لگیں۔ میں نے پوچھا۔ کہ آپ کو اس کے بچنے کی امید تھی؟ کہنے لگیں "ہاں پوری امید تھی۔ کیونکہ میرا کوئی بچہ ابھی تک نہیں مرا۔ اور نہ مجھے اس کا وہم رہتا ہے۔ کہ ان میں سے کوئی مر جائے گا۔ میں وہاں بھی سوچا کرتی تھی۔ کہ اب وہ اچھا ہو گیا ہوگا۔ اتنا موٹا ہوگا۔ چنانچہ اب میں نے اسے جیسا اسے آکر دیکھا ہے۔ ویسا ہی میری نظروں میں یہ وہاں بھی پھرتا تھا۔ میں آپ کے دیکھنے کے لئے اس کے دو کرتے اور فراک بھیجوا

گی - جو میں اندازاً سی کر لائی ہوں - اور اس کے بدن پر بالکل ٹھیک ہیں" میں نے کہا "بیشک ہر ایک انسان کو اپنے پاس اور دور رہنے والی عزیزوں کی طرف سے نیک اور خوش آیند خیالات رکھنے چاہئیں - یہ سب آپ کے خیالات کا نتیجہ ہے - جس کا اثر بچے پر غائبانہ ہوا ہے - تاہم جیسی حالت میں آپ نے اس کو چھوڑا تھا - ویسی حالت میں چھوڑنا نہ چاہئے تھا" کہنے لگیں "مجھے بھی بہت بُرا معلوم ہوا - مگر کیا کرتی ہیں اس کی حالت سے پریشان تھی - بیمار کو کہاں ساتھ لے جاتی ہمگر اب خوش ہو جائیں - کہ اب میں اس کو رکھتی ہوں" میں ان کے عجیب فلسفہ پر تعجب کر کے رہ گئی ؛

بعض بیبیاں بچوں کو رکھتی تو خود ہی ہیں - مگر دوا وغیرہ کبھی نہیں دیتیں - یا دیتی ہیں - تو بہت کم - اور مجبوری کی حالت میں - جبکہ پاس پڑوس میں کوئی بڑی بوڑھی نہ ہوں - ورنہ اگر کبھی بچے کو مرض کی بہت زیادتی ہوتی - تو کسی بڑی بوڑھی کے پاس بھیج دیا کرتی ہیں - اور وہی دوا پلاتی لگاتی یا ڈاکٹر کو دکھا دیتی ہیں - دوا کبھی یاد رہی تو خود پلا دی - ورنہ میاں ٹھیک وقتوں پر یاد کرا کے پلواتے رہتے ہیں - بیوی صاحبہ اور زیادہ آرام طلب ہوئیں - تو نرسنگ کے فرائض میاں یا کسی نوکر کے سپرد ہو گئے ؛

بچے جئیں تو بہت اچھا ہے - مر گئے تو قسمت کو سراہتی رہیں - لیکن عموماً ایسی بے فکریوں کے بچے بھی تندرست و توانا دیکھے گئے ہیں - برخلاف ان بچوں کے جنہیں طرح طرح کی دوا دی جاتی اور انتہائی احتیاط و پرہیز کرایا جاتا ہے ؛

ایک بی بی کو میں نے دیکھا - جن کے ماشاءاللہ سات آٹھ بچے تھے - یہ بہن بے انتہا وہمن ہیں اور ان کے شوہر بھی بالکل ان کے ہم خیال ہیں - ان کے بچے سردی گرمی سے بہت سختی سے بچائے جاتے ہیں - برسات جاڑوں میں کبھی نہاتے نہیں - اور سب سے چھوٹا بچہ بہت زیادہ احتیاط سے رکھا جاتا ہے - اور اس کو بارھویں مہینے نمونیا اور دمہ رہتا ہے - جو کبھی در اصل اور کبھی وہم ہوتا ہے - گرمی برسات میں سینہ سینکا جاتا ہے - گرم گرم دوائیں دی جاتی ہیں - خصوصاً برسات میں ہوا سے بہت زیادہ بچاؤ کیا جاتا ہے - سب طرف کے کواڑ بند کر کے روئی کے بستر اور کپڑوں میں بہ احتیاط تمام والدہ صاحبہ لئے بیٹھی رہتی ہیں - خواہ بچے کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں ہی کیوں نہ ہو جائیں - مگر والدین اپنے خیال سے ایک انچ نہیں ہٹتے ؛

پس میری بہنوں اپنے ننھے بچوں کی تربیت اور پرورش میں بہترین چیز اوسط ہی رکھو - حد سے نہ بڑھو - گرمی سردی کی معمولی حفاظت رکھو

کیونکہ موسم کا تغیر و تبدل فطرت انسانی کے لئے برا نہیں ہے۔ ہاں اس کو برا یا اچھا ہم خود بنا سکتے ہیں۔ برسات میں ہوا سے یا تھوڑے پانی میں بھیگنے سے بھی کچھ نقصان بچے کو نہیں ہوتا۔ میں خود اپنا تجربہ بتاتی ہوں۔ میری ہمشیرہ کے چھوٹے بچے ہوا پانی اور روشنی سے بالکل نہیں بچائے جاتے۔ اور ماشاء اللہ یہ بعض حالات میں اپنے بہت سے ساتھ کے بچوں سے مضبوط توانا ہیں۔ بیماریاں تو بہت ہی کم بلکہ بالکل ہوتی ہی نہیں ہیں۔ ہر موسم میں روزانہ اور جاڑوں میں تیسرے چوتھے روز نہلائے جاتے ہیں۔ اور اکثر روزانہ بھی۔ اب بارش کا موسم ہے ان کی دو سالہ بچی جو میرے پاس ہے۔ برساتی پھنسیوں میں مبتلا ہو گئی۔ میں نے کیوٹی کورا سوپ سے دن میں دو تین مرتبہ نہلا کر کیوٹی کورا اوئنٹمنٹ پھنسیوں پر لگایا۔ کئی مرتبہ خوب زور کی بارش میں نہلایا۔ اس سے اس کی پھنسیاں بالکل اچھی ہو گئیں۔

برساتی پانی کچھ نقصان رساں نہیں ہے۔ البتہ اگر ہمیشہ بچے کو اس سے بہت زیادہ بچایا جائے۔ تو اس سے تھوڑا بھیگنے سے بھی زکام وغیرہ ہو جاتا ہے۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ عموماً گاؤں میں رہنے والے اور نیچے طبقے کے لوگوں کے بچے خوب بارش میں بھیگتے ہیں۔ اور ان کو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ پس ہمیں اپنے بچوں کو شروع ہی سے گرمی سردی کے مقابلے کی عادت ڈالنا چاہئے۔ تمام عمر یہ ہمارے پابند نہیں رہ سکتے۔ اور نہ زمانہ ان کو ہماری مرضی کے مطابق رکھ سکتا ہے۔ ممکن ہے ہمارے چھوٹے اور نازک بچے آیندہ زمانہ کے فوجی لوگ ہوں۔ اس وقت ہم ان کی کیوں کر حفاظت کریں گے؟ اور اگر ہم نے ان کے مزاج زیادہ نازک بنا دئے۔ تو وہ اس قسم کے فرائض ادا کرنے میں کتنی تکلیف اٹھائیں گے؟

یہاں مجھے اپنے ایک عزیز کا خیال آگیا۔ جن کو پانی سے بہت ہی انس ہے۔ یہ ہمیشہ اور ہر موسم میں ٹھنڈے پانی سے نہانے کے عادی ہیں۔ اور وقت بے وقت نہاتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ چچا صاحب قبلہ اور کئی عزیز جن میں یہ بھی تھے نینی تال گئے ہوئے تھے۔ دن چھپے کا وقت تھا۔ اور اگست کا مہینہ خوب بارش ہو چکی تھی۔ اور اس وقت بھی تھوڑی بوندیں باقی تھیں۔ کہ یہ سب ٹہلتے ہوئے ایک چشمے پر پہنچے۔ اور وہاں سب کے روکتے عزیز موصوف ٹھنڈے پانی میں خوب نہائے۔ اور وہاں سے واپسی پر ان کو کچھ بھی نقصان نہیں ہوا۔ جس کا سبب صرف ان کی عادت تھی۔ ورنہ ایسی حالت اور وقت میں ٹھنڈے پانی

سے نہانا کچھ کم خطرناک نہ تھا۔

میرے چھوٹے بھائی ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے نہانے کے عادی ہیں۔ وہ لوگ اسکول کالج جانے کے قبل بارھوں مہینے عموماً ٹھنڈے پانی سے نہاکر جاتے ہیں۔ اور ہم ان کو ایسی باتوں سے بالکل نہیں روکتے۔ ۱۹۲۶ء میں جب مسلم یونیورسٹی کا یو۔ٹی۔سی کیمپ مرادآباد میں ہوا تھا۔ تو کمی وقت کے باعث سب لڑکے ٹھنڈے پانی سے نہانے پر مجبور ہوئے۔ اور ان میں اکثر کو زکام اور بخار کی شکایت ہوئی۔ مگر میرے بھائی کو کچھ بھی نقصان نہیں ہوا۔

اس کا سبب بھی عادت ہی تھی۔ کیونکہ عادت طبیعت ثانی بن جاتی ہے۔ لہٰذا مکرر عرض ہے۔ کہ اپنے بچوں کو نازک نہ بناؤ۔ بلکہ ہر لحاظ سے ان کو مضبوط اور توانا بنانے کی کوشش کرو۔ بیجا وہم کو دل میں جگہ نہ دو۔ خدا سب سے زیادہ طاقت بخش ہے۔ اور اس نے ہی انسان کو ہر ایک طاقت سے زیادہ طاقت بخشی ہے۔ اس طاقت کا صحیح استعمال کرو۔ اور اپنے بچوں کو سکھاؤ۔ آج کے بچے آیندہ کے والدین ہوں گے۔

خاکسار رضویہ خاتون

معاونین تہذیب

جن بہنوں اور بھائیوں نے گزشتہ دنوں نئے خریدار بنائے ہیں۔ ہم ان کے اسمائے گرامی شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

همشیره محمود الحسن صاحب۔ بہیڑی
محترمہ مسز عبدالغنی صاحب۔ جانسی
جناب سید غلام رسول صاحب۔ والٹر
محترمہ مسز ہاشمی صاحب۔ جادرہ
محترمہ مسز معین الدین علی۔ حیدرآباد
محترمہ س۔ ب صاحبہ۔ مظفر نگر
محترمہ مسز ایم ابن خاں صاحب۔ ستارا
محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ۔ رنگون
محترمہ طاہرہ بیگم صاحبہ۔ ایبٹ آباد
محترمہ اہلیہ عبدالستار صاحب۔ کلکتہ

جناب رفیع الدین صاحب
محترمہ مسز بخاری صاحب
محترمہ نصرت بیگم صاحبہ۔ دہلی
محترمہ منظور زہرہ صاحبہ۔ مرادآباد
محترمہ مصری رحمٰن بیگم۔ کوکناڈا
محترمہ احمدی خاتون صاحبہ۔ جونپور
محترمہ محمودہ اختر صاحبہ
دختر خان بہادر رضی الدین صاحب۔ گونڈہ
محترمہ مسز عبدالحق صاحب۔ شملہ

ایثار عظیم

موسم بہار کی سنہری اور خوب صورت دوپہر میں جب سورج کی زر فروش ہلکی ہلکی کرنیں سمندر کے سنہرے پانی میں لعل درخشاں جڑ رہی تھیں سطح پر حسن کا نورانی جوبن بکھرا ہوا تھا۔ ہوا کی ہر نازک لہر میں ایک خاص ترنم ریزی پیدا ہو گئی تھی۔ پر سکون لہروں کے درمیان ایک بڑا اور خوب صورت جہاز نہایت تیزی سے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ مسافر ایک پُر امن طمانیت میں تھے۔ اور شب گزشتہ کے ایک ہلکے سے طوفان کا خوف جس نے دلوں میں ایک ہنگامہ تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اب قریب قریب بالکل ختم ہو چکا تھا۔ کہیں مختلف کھیل ہو رہے تھے۔ اور کہیں سے موسیقی کی دلنواز تانیں باجوں کے ہلکے ہلکے نازک تاروں سے نکل کر اس صاف روشن فضا میں ایک خاص کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔

چند معزز مسافروں کے ساتھ [illegible] ڈاکٹر ظفر اپنے مخصوص متین انداز میں آہستہ آہستہ ٹہل رہے تھے۔ ان کا کشیدہ قامت اور موزوں جسم خوبی و حسن کا مظہر تھا۔ چہرے سے ذہانت و فکر کے اعلیٰ آثار نمایاں تھے۔ رنگ صاف خط و خال دل کش اور بال سیاہ تھے۔ ان کی کشادہ پلکیں ان کی گہری دل نشین آنکھوں کی پردہ دار معلوم ہوتی تھیں۔ غرضکہ یہ ایک ایسا چہرہ تھا۔ جو سب کے لئے یکساں دل فریب تھا اور جو ان کی اعلیٰ نفسی کا پتہ دیتا تھا۔ وہ ایک قابل مشہور فلاسفر تھے۔ اوصاف انسانی کا بہترین سرچشمہ۔ نہایت فیاض با مروت۔ ہمدردی اخلاص ان کے خاص جوہر تھے۔ ہر ایک کے ساتھ نرمی اور توجہ سے پیش آنا ان کی فطرت میں تھا۔ ہر ایک سے جھک کر ملنا ان کی مخصوص عادت تھی۔ جسے شان تواضع یا انداز نیازمندی کہنا کچھ ناموزوں نہ ہوگا۔

انھوں نے یورپ کی اعلیٰ ترین اسناد حاصل کی تھیں۔ ان کی قابلیت کا چرچا عام تھا۔ انھوں نے رفاہ عام کے بڑے بڑے کام کئے تھے۔ کئی مدارس اور یتیم خانے اپنی جیب خاص سے جاری کئے۔ نہ فکر روزگار تھا۔ نہ زمانے کی تنگی۔ دولت و ناموری کا ایک بحر ذخار تھا۔ جو بغیر کوشش حصول کے بڑھتا چلا آتا تھا۔ آج بھی وہ ایک خاص اور اہم ضرورت سے یورپ جا رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنی نظریں عمیق توجہ سے اس کے مضمون پر گاڑ دیتے۔ اور کبھی اپنے ساتھیوں کی گفتگو میں شریک ہو جاتے۔ جہاز میں بھی ہر شخص انہیں قدر کی نگاہوں سے

دیکھتا تھا:۔

چند منٹ کے بعد جب ظفر نے اختیاریت
اپنی نظریں اُٹھائیں۔ انہوں نے دیکھا۔ پروفیسر
وین رائٹ اور کپتان مارٹن آسمان کی طرف
دیکھ رہے ہیں۔ وہ قریب آئے۔ اور کپتان
سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "میرے خیال
میں اب تو کوئی خوف کی بات نہیں۔ مطلع بالکل
صاف ہے۔ اور ہوا ہمارے موافق۔ جہاز بخوبی
منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا"۔

کپتان نے سُلجھے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
"ہاں اگر خدا نے چاہا۔ گزشتہ شب کے طوفان نے
کچھ ایسا ہراساں سا کر دیا ہے۔ کہ اب تک ابر
کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر خوف معلوم ہوتا ہے۔
ابھی شمال میں چند ٹکڑے نظر آتے تھے۔ میں
دوربین سے دیکھ رہا ہوں"۔

ظفر نے ان سے آلہ لیا۔ اور شمال کی طرف
دیکھنے لگے۔ پھر کہا "بظاہر کچھ خوف کی بات معلوم
نہیں ہوتی۔ خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اس
کی جو مرضی ہو۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں"۔

پروفیسر وین رائٹ نے مسکرا کر کہا "ڈاکٹر
ظفر۔ شب کو ہمارے حواس گم تھے۔ آپ نے
اگر مجھے سنبھال نہ لیا ہوتا۔ تو میری خدا جانے
کیا کیفیت ہو جاتی۔ خدا پر بے شک ہر ایک کو
بھروسہ رکھنا چاہیے۔ لیکن بے چارے انسان
کیا کریں۔ ایسے موقعوں پر صبر نا ممکن ہو جاتا ہے۔
میری دعا ہے۔ آپ کا ایسا استقلال ہر ایک کو
دے۔ جو خوفناک سے خوفناک موقعہ پر بھی
اس قدر پریشان نہیں ہوتے۔ کہ حواس ہی
کھو جائیں"۔

ظفر تھوڑا سا متبسم ہوئے۔ کپتان نے
ارادتمندانہ جوش سے ان کا ہاتھ خوب زور
سے دبایا۔ اور تعریف میں چند کلمات ادا کئے۔
اس کے بعد سب نیچے آ گئے۔

جہاز کی روانی حسب سابق اطمینان بخش
رہی۔ اور سہ پہر تک مطلق کسی قسم کے خوف کا
شبہ ہی نہیں کیا گیا۔ مگر خدا کی مرضی میں کون
دخل دے سکتا ہے۔ ہوا کا رخ ایک بارگی پلٹ
گیا۔ پہلے ابر کے ہلکے ہلکے سیاہ ٹکڑے بکثرت جمع
ہونے لگے۔ جنہوں نے بالآخر ایک دوسرے
سے مل کر شفاف نیلگوں سطح کو پورے طور پر
دور دور تک ڈھک لیا۔ اور ہلکی بوندوں کے
بعد بادِ مخالف کے تیز و تند جھونکوں کے ساتھ
ہولناک تیز بارش کا سلسلہ بندھ گیا۔ پانی کی
اُچھلتی ہوئی پُر زور موجیں ایک دوسرے سے
ٹکرا ٹکرا کر مہیب خوف کا شور پیدا کر رہی تھیں۔
سیاہ بادلوں نے ایسا مہیب اندھیرا چھکایا ہوا
تھا۔ کہ دن رات معلوم رہا تھا۔ اور سمندر کے
سطح پر گہری سیاہی دوڑ گئی تھی۔ جس نے اُٹھا ٹھکر

میلوں تک تاریکی پھیلادی تھی۔ آہ ایسے وقت میں دلوں کا کیا حال ہو سکتا ہے! کون جانے خصوصاً جب پُرشور طوفان کا اندیشہ ہو گیا ہو +

کپتان اور جہاز کے دوسرے محافظ نہایت سرگرمی اور کوشش سے اپنے کام کو صحیح طور پر انجام دینے میں مشغول تھے۔ اور حفاظت کے تمام اصولوں پر کاربند ہو رہے تھے +کھیل تماشے بند ہو چکے تھے۔ گانے کی وہ دلکش تانیں جو صاف فضا میں گونج رہی تھیں۔ اب نہیں سنائی دیتی تھیں۔ دلوں میں خوف وہراس جاگزیں تھا۔ اور چہرے پر فکر و پریشانی + طمانیت کا سلسلہ جو چند ہی گھنٹے قبل قایم ہوا تھا۔ پھر مٹ گیا + باقی دن انتظار و فکر میں گزر گیا۔ مگر طوفان کم نہ ہوا + بارش کا سلسلہ بدستور تیزی کے ساتھ جاری رہا۔ ہوا بتدریج تیزی کے ساتھ بڑھتی رہی۔ اور شب کو وہ خوفناک ژالہ باری ہوئی۔ جس نے لوگوں کے دل ہلادئے + مسافروں کی پریشانی و سراسیمگی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب انہیں معلوم ہوا۔ کہ جہاز میں بھی کچھ نقص پیدا ہو گیا ہے + شدید طوفان کا مقابلہ وہ کب تک کرسکتا تھا؟ مستول و بادبان ہزار کوشش حفاظت کے باوجود پارہ پارہ ہو گئے + جہاز میں کئی سوراخوں کے ہو جانے سے جو پانی اندر بھر رہا تھا۔ اسے بہت سے لوگ نکالنے میں مشغول تھے۔ کہ دفعتاً ایک طرف سے پُرزور چیخوں کی آواز سنائی دی +

گو ہر خطرناک سے خطرناک موقع پر بھی ظفر استقلال سے کام لیتے تھے۔ مگر آج اس طوفانی منظر نے ان کا ایسا مضبوط دل بھی ہلادیا + وہ سراسیمہ ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے + معلوم ہوا۔ کہ بادلوں کی تیز و مہیب گرج سے کئی شیرخوار بچے ماں کی گودوں ہی میں سہم سہم کر ختم ہو گئے + آہ وہ کیسا دل خراش وقت تھا! کون جانتا تھا۔ کہ ان معصوموں کا آخری وقت انہیں یہاں لایا ہے۔ اور ان کی زندگی کا خاتمہ ایسی حالت میں ہوگا + مگر آہ یہ غم کرنے والی مائیں بھی کہاں رہیں گی۔ کیا یہ طوفانی حادثہ انہیں چھوڑ بھی سکتا ہے؟

بالآخر اس شدید آفت کا نتیجہ جو ہو سکتا تھا۔ وہی ہوا۔ جہاز کی سلامتی کی کوئی امید باقی نہ رہی + تمام رات کے بے محابا تھپیڑوں نے اس کا خاتمہ کر دیا + محافظوں نے جب دیکھا۔ کہ اب وہ کسی صورت سے اسے نہیں بچا سکتے۔ تو مجبوراً کوشش سے ہاتھ اُٹھا لیا + بہ عجلت حفاظتی کشتیاں اُتاری گئیں۔ تاکہ جس قدر مسافر ممکن ہو اتار لئے جائیں۔ اور بقیہ - آہ ان کو تو اس بے چارے عظیم مگر شکستہ جہاز کے ساتھ غرق آب ہونا ہی تھا +

کشتیاں بہت جلد بھر گئیں۔ مگر مسافروں کا ایک چوتھائی حصہ بھی کم نہ ہوا۔ ہاں ہزاروں آدمیوں کے لئے وہ کب کافی ہو سکتی تھیں؟ سب سے آخری کشتی جہاز کے کنارے پر لگی تھی۔ لفٹنٹ نے

اپنی تیز آواز میں زور زور سے پکار کر کہا۔ "ڈاکٹر ظفر
ڈاکٹر ظفر۔ عجلت کیجئے۔ آپ کیوں نہ اب تک سوار
ہو گئے۔ جلد آیئے"۔

ظفر حالت سراسیمگی میں آگے بڑھے۔ سب بیٹھ
چکے تھے۔ اور اب صرف انہی کے لئے ایک جگہ
باقی تھی۔ انہوں نے اس پر قدم رکھنا ہی چاہا
تھا۔ کہ ایک کم سن عورت اپنے پھول سے پیارے
بچے کو لئے تیزی سے پریشان حال آگے بڑھی۔
اور لفٹنٹ کی جانب دیکھ کر بے کسانہ انداز سے
بولی "میں سوار ہو جاؤں؟"

لفٹنٹ نے کسی قدر لاپروائی سے جواب دیا۔
"نہیں۔ نہیں۔ تم ٹھہرو۔ اس میں جگہ زیادہ نہیں ہے"۔
عورت کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے کسی نے اٹھا کر
زمین پر پہنچا دیا ہو۔ ڈوب جانے کا دل خراش
نقشہ نگاہوں میں پھر گیا۔ اس کی آنکھوں میں اندھیر
چھا گیا۔ گرتے ہوئے بچے کو بمشکل سنبھالا۔ اور چند
قدم سراسیمہ پیچھے ہٹ کر بچہ کو سینہ سے لگا لیا۔
اور آہ سرد کے ساتھ بے تابانہ انداز میں بولی۔
"آہ میرے بچے!...."

ظفر کے دل کو یکبارگی دھچکا سا لگا۔ وہ آہ
سرد عورت کے منہ سے نکل کر انہیں اپنے دل
میں پہنچتی ہوئی معلوم ہوئی۔ انہوں نے یکبارگی
اپنے قدم روک لئے۔ لفٹنٹ نے حیرت سے کہا
"یہ کیوں؟ ڈاکٹر ظفر آپ سوار کیوں نہیں ہوتے؟
جلد آیئے۔ کشتی کو اب عجلت کے ساتھ ہٹانا چاہئے۔
آپ سوار ہوں۔ تو میں رسیاں کاٹ دوں۔ وقت
بہت خطرناک ہے"۔ ظفر نے خود فراموشانہ انداز
سے کہا۔ "اس عورت کو بٹھا لیجئے"۔

لفٹنٹ نے انہیں انتہائی حیرت سے دیکھا۔
اور جواب دیا۔ "ڈاکٹر ظفر میں مجبور ہوں۔ صرف
ایک ہی آدمی کی جگہ ہے۔ اور آپ کو بیٹھنا چاہئے"۔

ظفر کا دل دریائے ہمدردی میں لہریں لے رہا
تھا۔ وہ بے کسی کی مجسم تصویر جو معصوم بچے کو سینہ
سے لگائے سراپا یاس بنی کھڑی تھی۔ ہاں اپنی
جان سے زیادہ اسے اس معصوم کا خیال تھا۔
آہ وہ اس کی امیدوں اور تمناؤں کا مخزن بچہ
تھا۔ کسی طرح سے یہ گوارا کر لینے کو دل نہ چاہتا
تھا۔ کہ اس کی یہ خواہش وہ بے دردی سے رد
ہوتے دیکھیں۔ اور اپنی جان بچانے کی خاطر۔
جذبات گوناگوں سے ان کے دل میں ایک
ہنگامۂ تلاطم برپا تھا۔ ایک طرف جان عزیز کی
کشش کھینچ رہی تھی۔ اور دوسری طرف ہمدردی و
رحم کے پہلو لئے ہوئے جذبے۔ صرف یہی ایک
عورت نہیں۔ جہاز بھر میں کتنی ہی عورتیں ہوں
گی۔ جن کے ننھے روشن چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے
گل ہو گئے تھے۔ کتنے آدمیوں کی زندگیاں اس
ناگہانی آفت میں بے نشان و گمان ختم ہو رہی تھیں۔
یہ صرف خداوندی مصیبت ہے۔ اسے کوئی کب

مٹا سکتا ہے۔ اور بالفرض ایک کی جان وہ بچا بھی لیں۔ مگر سب کی تلافی کیونکر ممکن ہے۔ ان کے خیالات کبھی پلٹا کھاتے۔ اور سوچتے۔ کہ نہیں یہ آئین ہمدردی کے سراسر خلاف ہے۔ وہ ضرور جو کچھ ان کے اختیار میں ہے کریں گے۔ اور اس کی حسب خواہش اس کی جان بچائیں گے۔ وہ خود غرق آب ہو جائیں۔ کچھ غم نہیں۔ ان کی روح خوش ہو گی۔ کہ انہوں نے آخری وقت تک اپنے آئینِ ایثار کو نبھادیا۔ اور اس کا ایسا گرانقدر ثبوت دیا ہے۔ جس کی مثال بہت کم مل سکتی ہے۔

اب استقلال و ہمدردی سے ان کا چہرہ شفاف روشنی کی مانند چمک اٹھا۔ اور انہوں نے پیچھے ہٹتے ہوئے ایک اطمینان بخش لہجے میں کہا۔

"لفٹننٹ۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ آپ میری جگہ اس عورت کو بٹھالیں۔ اور۔۔۔"

لفٹننٹ نے انتہائی گھبراہٹ سے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "ڈاکٹر ظفر ہم کو مطلق دیر نہیں کرنا چاہئے۔ میری بزور التجا ہے۔ کہ آپ جلد سوار ہو جائیں۔ آپ کی جگہ اس عورت کو دیدوں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ کیا ہوں گے؟ کیا ہم آپ کے غرق ہونے کے لئے چھوڑ دیں گے؟ آپ کی زندگی اس قدر بیکار نہیں ہے"۔

ظفر کی آواز کسی قدر گلے میں پھنسنے لگی۔ مگر انہوں نے روحانی قوت سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور بولے "میں آپ کے اس خیال کا بہت ممنون ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔ میری حفاظت میرا خدا کرے گا۔ اور اگر میں اس طوفانی بلا سے کسی طرح بچ گیا۔ تو انشاء اللہ پھر کبھی ملیں گے۔ میں اپنی یہ جگہ اپنی خوشی سے اس عورت کو دے رہا ہوں۔ اور اپنے کو صرف خدا کے بھروسہ پر چھوڑتا ہوں۔ خدا حافظ"۔

دیر کرنے کی مطلق گنجائش نہ تھی۔ لفٹننٹ کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ مگر ظفر اپنے آخری جملے کو ختم کرتے ہوئے ادھر سے ہٹے۔ اس نے مجبوراً اس عورت کو کشتی میں سوار کر لیا۔ اور بعجلت تمام وہ جہاز کے قریب سے ہٹالی گئی۔ عورت ششدر حیران تھی۔ اس نے دونوں کی گفتگو سنی۔ ظفر کا یہ بے مثال ایثار کہ وہ اپنی زندگی تک کسی غیر بے کس کی زندگی بچانے کی خاطر کھو دیں۔ دنیا کے پردے میں شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔ ان کی ذات سے دنیا کو کس قدر فوائد حاصل تھے۔ اور ابھی اور زندہ رہ کر کون جان سکتا ہے۔ وہ اور بھی کیا کچھ نہ کرتے۔ اپنی بامقصد زندگی کو کھو کر کسی گمنام ہستی کو زندہ رکھنا کب قرینِ مصلحت ہو سکتا ہے؟ مگر کون جانے کہ اس دریائے معرفت میں لہریں لینے والے دل میں کیسے مقدس کیسے اعلیٰ اور گرانقدر خیالات موجزن ہوں گے جنہوں

نے اس نادر روزگار ایثار پر مجبور کر دیا۔

عورت کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک چشمہ اُبل رہا تھا۔ وہ اپنے باریک ساری کے آنچل کو ایک طرف رخسار پر جھکائے اپنا چہرہ دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس عجیب واقعہ کا اثر اس کے کمزور قلب پر ایسا گہرا پڑا تھا۔ جس نے اس آسمانی مصیبت کے پریشان کن خیال کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

ان لاتعداد مسافروں کے ساتھ جن کے کنگرۂ عرش کو ہلا دینے والے درد بھرے نالے پانی کے شور میں مل کے ایک ہنگامۂ دل خراش پیدا کر رہے تھے۔ ایسے اوصاف ظفر یاس وحزن کی ایک خاموش تصویر بنے کھڑے تھے۔ ان کی چمکدار روشن پیشانی پر سخت سردی اور بارش کے باوجود جذباتی کشمکش سے پسینہ آرہا تھا۔ جسے وہ بار بار اپنے قیمتی رومال کو نکال کر خشک کرتے۔

اندھیرا جھلکتا آرہا تھا۔ بجلی کی تیز کوند کبھی کبھی تاریک فضا کو روشن کر دیتی تھی۔ بے پایاں سمندر پر اس وقت ظفر کی نگاہیں جا پڑیں۔ پانی زور و شور سے پڑ رہا تھا۔ جس سے اس میں ایک طلاطم مچا ہوا تھا۔ خوفناک لہریں معلوم ہوتی تھیں۔ کہ بلیوں اچھل رہی ہیں۔ اور انہیں اپنے میں غرق کر لینا چاہتی ہیں۔ ظفر نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا۔ اور گردن اس طرف سے پھیر کر انتہائی تردد سے پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ جہاز پانی سے بھر گیا تھا۔ اور اب ڈوبنے کے قریب تھا۔ ہاں بس اب انہیں مرنے پر تیار ہو جانا چاہیے۔ بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ انہوں نے اپنے گردوپیش حسرت بار نگاہوں سے دیکھا۔ اس پُر درد ہنگامۂ نالہ و شیون میں ان کے مُنہ سے ایک آہ سرد تک نہ نکلنا کس قدر حیرت انگیز واقعہ ہے۔ وہ سراسیمہ و مضطرب تھے۔ یہ ایک فطری اثر تھا جسے وہ مٹا نہ سکے۔ مگر دل کو قابو میں رکھنے کی تمامتر کوششیں جو ممکن تھیں۔ انہوں نے صرف کر ڈالیں۔

ڈوبنا بہر صورت ہے۔ اس لئے قوتِ عمل ہی سے کام کیوں نہ لیں؟ یہ خیال کر کے ڈوبتے ہوئے تباہ شدہ جہاز سے اتھاہ سمندر میں کود پڑے۔ موجوں کی تیز روانی اور موسلا دھار بارش میں وہ بڑھے پھر ڈوبے۔ ہوش و حواس گم ہو رہے تھے۔ مگر انتہائی کوشش اور اپنی بے مثل فن پیراکی کو کام میں لا کر بالآخر انہوں نے اپنے پر قابو پا ہی لیا۔ انہیں کو دتے دیکھ کر چند اَور لوگ بھی پھاند پڑے۔ مگر ظفر نے دیکھا۔ وہ سنبھل نہیں سکتے۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بڑھا کر جلدی سے دو قریب کے آدمیوں کو تھام لیا۔ ایک ہلکی سی کمزور آواز سنائی دی۔ "کون؟ . . . . ڈاکٹر ظفر؟"

ظفر نے اپنے داہنی ہاتھ کی طرف دیکھا۔ وہ پروفیسر وین رائٹ کو تھامے ہوئے تھے۔ انہوں

نے اپنی نظریں ان کے چہرے پر گاڑ دیں - اور
حیرت سے بولے "ایں پروفیسر وین رائٹ آپ
یہاں کہاں"؟

پروفیسر نے کمزور آواز میں کہا "آہ .... کیا
بتاؤں ....." اور بے ہوش ہو گئے۔ ظفر پر ان
کے جسم کا سارا بوجھ پڑ گیا - اپنے ہی کو سنبھالنا
دشوار تھا - یہاں ایک دوسرے شخص کا بھی بوجھ
پڑ گیا۔ انہوں نے ہمت کی تھی - مگر اسے نباہنا دشوار
تھا۔ پروفیسر ان کے ہاتھ سے چھوٹنے لگے - انہوں
نے بمشکل انہیں سنبھالا - اور تیرتے ہوئے آگے
رہے۔ چشمک برق سے جب روشنی پھیل گئی -
ظفر نے تباہ شدہ جہاز کی جانب اپنی نظریں
دوڑائیں - مگر آہ اب وہاں کچھ نہ تھا۔ وہ آہ وزاریاں
پانی میں مل گئی تھیں - نالے خاموش تھے - اور
وسیع سمندر میں پانی کی پرشور آوازوں کے سوا
اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ ظفر اپنی ہمت مردانہ کو
کام میں لاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے پروفیسر کو
تھامے بدستور بڑھتے رہے۔ کہیں کہیں کوئی چیز
تباہ شدہ جہاز کے سامان کی انہیں سہارا لینے کو
مل جاتی - ورنہ خدا کے بھروسے کے سوا کوئی ذریعہ
تسکین نہ تھا۔ تھوڑی دیر کی شدید و تیز روانی کے
بعد پانی میں کچھ کچھ سکون پیدا ہونے لگا۔ وہ اب
بالکل شل ہو گئے تھے - آنکھیں بند ہوئی جا رہی
تھیں - اور معلوم ہوتا تھا - کہ تھوڑی ہی دیر کے
بعد اس ناپیدا کنار سمندر میں وہ فنا ہو جائیں گے۔
مگر تب بارش کا سلسلہ رک گیا - اور روشنی
سے سمندر کی وہ مہیب تاریکی دور ہونے لگی - ظفر
کی ہمت از سر نو بندھ گئی۔ وہ بڑھتے رہے - اور
تھوڑی دور آگے پہنچ کے انہیں وہ کشتی مل گئی -
جو لفٹننٹ نے ایک قریب کے چھوٹے سے جزیرہ
میں پہنچ کر اس خیال سے چھوڑ دی تھی - کہ ممکن
ہے - تباہ شدہ جہاز میں کا کوئی شخص زندہ بچ گیا
ہو - اور اس سے مدد لے سکے۔

اس اثناء میں پروفیسر کو ہوش آ چکا تھا۔
دوسرا آدمی ایک ہندوستانی تھا - ظفر نے اسے
بھی کشتی پر بٹھا دیا - اور کھیتے ہوئے لے چلے۔ شام
کے قریب وہ جزیرے پر پہنچ گئے۔ ظفر کی حالت
اس وقت ناقابل بیان تھی۔ آہ! کیا واقعی وہ
کسی سرزمین پر پہنچ گئے؟ اس آسمانی طوفان
اس پرشور لق و دق سمندر ان مہیب ڈراؤنی موجوں
اور دل ہلا دینے والے ہوا کے تیز جھونکوں سے
انہیں نجات مل گئی؟ اور وہ پھر کسی ساحل پر
زندہ و سلامت کھڑے ہیں؟ ان کا سر چکرا گیا۔
انہوں نے اب تک بہ دشواری اپنے جذبات
پر قابو پایا تھا - مگر اس وقت اپنے آپ کو سنبھال
نہ سکے۔ پروفیسر وین رائٹ نے جلدی سے آگے
بڑھ کر انہیں اپنے بازوؤں میں لے لیا - اور وہ
بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

۲

ان واقعات کو ایک زمانہ گزر گیا۔ لوگوں کے دلوں سے اس کی یاد محو ہو گئی + پرانے اخبارات کے انبار میں البتہ اب بھی سمندر کے اس شدید حادثے کی خبریں نظر آجاتی تھیں + ظفر کا ایثار و ہمدردی اور اس طرح کوشش بلیغ سے اپنی اور اپنے ساتھ دو اَور شخصوں کی جان بچانا ایک کارنمایاں تھا + ان کے اظہار اوصاف میں عرصہ تک پُرتحسین مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس واقعہ نے ان کی شہرت و ناموری دو چند بڑھادی۔ ظفر کو اتنی مدت گزر جانے کے باوجود بھی اکثر اس عورت اور خوبصورت پھول سے بچے کا خیال آتا۔ اور اپنی وہ ہمدردی اور ایثار کی کیفیت یاد آجاتی۔ جو خود بخود کسی نوری جذبے سے پیدا ہو گئی تھی + اس کے بعد اپنی اس لا انتہا شدید مصیبت کا نقشہ نگاہوں میں پھر جاتا + پھر اس سے وہ نجات خلاصی لوگوں کی بے شمار تعریفوں کی بوچھاڑ تب فخر و ناز کی زرتار روشنی سے ان کا خوب صورت چہرہ روز روشن کی طرح چمک اُٹھتا + ان کی نرگسی آنکھیں خود بخود خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا آتیں اور وہ جذبات گوناگوں میں کھو جاتے +

مگر ان احساسات کی موجودگی میں انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ اس واقعہ نے اس احسان مند عورت کے قلب پر کوئی ایسا اثر ڈالا ہوگا۔ جس نے اس کی زندگی کا ورق از طریق نو پلٹ دیا ہو +

اسے زندگی کے ان گرانقدر صفات کا پہلی مرتبہ احساس ہوا۔ اور اس نے انسانی اوصاف کا صحیح مفہوم اسی وقت سے سمجھا + اس نے عزم مصمم کر لیا تھا۔ کہ وہ اپنے بچے کو ایسی ہی اعلیٰ تعلیم و تربیت دے کر اس قابل بنائے گی + کہ وہ اوصاف حسنہ کا مکمل نمونہ بن کر دنیا میں زندگی بسر کرے + تخلیق انسانی کا منشا حقیقی کیا ہے۔ وہ اس کا صحیح اصول بتا دینا چاہتی تھی۔ جیسا کہ اس نے کیا + اس نے اپنے بچے کو سارے واقعات بتائے۔ اور اس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کر کے اسے دنیا میں ایک نامور شخص بننے کے لئے چھوڑ دیا +

اقبال نے اپنی مہربان ماں کے حسن تربیت سے اعلیٰ ذہانت پا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر لی تھی۔ کچھ مدت تک ولایت میں تحصیل علم کی۔ اور اب اسے کچھ ہی عرصہ ہندوستان آئے گزرا تھا + اس کی زندگی ظفر کی پاکیزہ ترین زندگی کا نمونہ تھی۔ اور وہ اپنے اعلیٰ اوصاف کے باعث ایک مخصوص شہرت و ناموری کی زندگی بسر کر رہا تھا + اپنے اس عرصہ زندگی میں اس نے ظفر سے ملنے کا بارہا قصد کیا۔ لیکن کچھ اپنی علمی مشغولیتوں اور زیادہ تر ظفر کے ہندوستان میں قیام پذیر نہ رہنے کے باعث کبھی اس کا اتفاق نہ ہو سکا + وہ عرصہ

دراز سے دیگر ممالک کی سیر و سیاحت کر رہے تھے۔ انہوں نے اقبال کی شہرت بہت سنی تھی۔ مگر ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ کہ یہ مشہور و معروف شخص وہی چھوٹا سا معصوم بچہ ہے جسے انہوں نے عرصہ دراز گزرا غرق آب ہونے سے بچایا تھا۔ وہ اس کی تعریفیں سن کر خوش ہوتے تھے۔ داد دیتے تھے۔ مگر اس اسرار سے ہنوز واقف نہ ہوئے تھے۔

ایک روز صبح کا سہانا وقت تھا۔ نومبر کا خوشگوار مہینہ۔ ہلکی ہلکی سردی پڑنے لگی تھی۔ ڈاکٹر ظفر اپنے عالی شان خوب صورت آفس میں بیٹھے کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے۔ ان کا معتمد منشی اور منیجر دل کے پاس کھڑا تھا۔ وہ حال ہی میں ہندوستان واپس آئے تھے۔ اور گو ان کی عمر اب ڈھل چکی تھی۔ مگر ان کا رنگ اب بھی نوجوانوں کے مثل سرخ سفید تھا۔ ان کی صحت بالکل ٹھیک تھی۔ اور وہ اپنی اصلی عمر سے کہیں کم عمر معلوم ہوتے تھے۔ اتنے میں ایک اردلی اجازت لے کر حاضر ہوا۔ اور ایک سنہری حروف کا چھپا ہوا کارڈ پیش کیا۔ ظفر نے اسے غور سے دیکھا۔ اور اردلی سے مخاطب ہو کر کہا۔ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ ہم ابھی آتے ہیں"۔

اس نے جھک کر فرشی سلام کیا۔ اور تعمیل ارشاد کو واپس چلا گیا۔

ظفر ڈرائنگ روم میں آئے۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ ایک خوب صورت نوجوان اپنے ہاتھ میں قیمتی ٹوپی لئے ان کا منتظر ہے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر شیک ہینڈ کرتے ہوئے کہا۔ "مسٹر اقبال میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اور ممنون ہوں۔ کہ آپ نے یہاں تک خاص مجھ سے ملنے کو آنے کی تکلیف گوارا کی"۔

اقبال نے انہیں قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ سے ملنے آنا میرے لئے شرف و عزت کا باعث ہے۔ نہ کہ سبب تکلیف۔ میرا قصد تھا۔ کہ شرف باریابی حاصل کرنے سے قبل اپنے جذبات سے آپ کو خبر دوں۔ نیز وہ عزت و احسان مندی جو زمانہ بچپن سے لے کر آج تک میری مشفق و مہربان ماں نے آپ کی جانب سے میرے دل میں۔ بلکہ جسم کے ہر رگ و ریشہ میں پیوست کر دی ہے۔ اس کا شمہ برابر بھی اگر آپ پر اظہار کر سکوں۔ تو کروں۔ لیکن اب عرصہ دراز کے بعد آنے کا موقع پا کر میں نے اسے لکھ دینا مناسب نہ جانا۔ اور چلا آیا۔ ڈاکٹر ظفر آپ میرے نام سے واقف ہیں۔ مگر آج میں آپ سے اپنا تعارف اس پہلو سے کرانا چاہتا ہوں جس سے آپ میری پوری حقیقت سے واقف ہو سکیں۔ اور جانیں۔ کہ میں کون ہوں۔ کیا آپ اپنی زندگی کے اس گرانقدر و زریں واقعہ کو بھول گئے۔ جب اب سے کئی سال قبل آپ نے ایک ایسا کارنمایاں کیا تھا۔ جس کی مثال دنیا

شاہ ہنگری　　شاہ انام　　شاہ رومانیہ

تین بچے جو بادشاہ ہیں

میں کہیں اُور ملنی دشوار ہے؟ اور گو اس وقت میں محض ایک بچہ تھا۔ لیکن اب آپ ان واقعات کا میرے دل پر گہرا اثر پائیں گے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ وہ عظیم احسان آپ نے اس وقت کیا۔ جبکہ میں پورے طور پر ہر بات محسوس کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔"

ظفر نے اسے حیرت و استعجاب سے دیکھا+ ان کا دور رس دماغ زمانہ گزشتہ کے اس مُؤثر واقعہ کی انتہا تک بہت جلد پہنچ گیا۔ نیز وہ حیرت انگیز شباہت جو اقبال نے اپنی ماں سے پائی تھی۔ چہرہ میں وہی تناسب تھا۔ خط و خال میں وہی موزنیت و دلکشی+ مگر یہ انکشاف ایک عجیب و غریب انکشاف تھا جس کے ظہور پذیر ہونے کا انہیں کبھی خواب میں بھی خیال نہ آیا تھا+ انہوں نے اس کی علمی ترقیوں پر اپنی لاانتہا مسرت کا اظہار کیا+ ہاں وہ اوصاف گرانمایہ جو اقبال میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ ان ہی کی بے مثل خصوصیتوں کا فیض بیکراں تھے+ اس کی ہستی ان کے لئے ایک باعث فخر ہستی تھی۔ وہ اس سے خلوص و قدر سے ملے+ تھوڑی دیر کے بعد اقبال نے جانے کی اجازت چاہی+ ظفر نے پھر آنے کا وعدہ لیا۔ اور کرسی سے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے+ اقبال نے انہیں ارادتمندانہ نگاہوں سے دیکھا۔ اور پھر اشک آلود آنکھوں سے ان کا ہاتھ چوم لیا۔ اور رُکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں+ آپ ہی کی وجہ سے آج اس قابل ہوں۔ ورنہ آج دُنیا میں نام و نشان تک موجود [illegible]ا"

ظفر نے گوناگوں جذبات سے بیخود ہو کر اقبال کو اپنے سینے سے لگا لیا+ آنکھیں ایک حقیقی اور پاکیزہ خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں۔ انہوں نے آہستہ آہستہ سے کہا۔ "میرے عزیز مجھے بار بار اپنے اظہار شکریہ سے اس قدر شرمندہ نہ کرو"+

خاکسار آر۔ کے

+ + +

نہ کرنے کی باتیں

اس قدر کام نہ کرو۔ کہ تم تھکن سے چور ہو کر امور خانہ داری کی اس آراستگی کا لطف اٹھانے کے قابل نہ رہو۔ جس کی تکمیل کے لئے تم نے اتنی محنت کی ہے+

ہر وقت اپنے کام دھندے اور مصروفیتوں کا ذکر نہ کرتی رہو۔ بلکہ دن کے اختتام پر ان خیالات کو دماغ سے بالکل نکال دینے کی کوشش کرو+

ہنسنا ہنسانا

خوش مزاجی اور ظرافت طبعی مجھ سے پوچھو۔ تو ایک بے نظیر قابلیت ہے۔ جو قدرت کی طرف سے انسان کو حاصل ہوتی ہے۔ جس خاندان میں ایک دو فرد خوش مزاج اور ظریف طبع ہوں۔ اسے بہت ہی خوش قسمت خاندان کہنا چاہیے۔ ایک فرد کے لطائف کل خاندان کے پژمردہ مزاجوں میں نئی روح پھونک دیتے ہیں۔ جس سے دل میں فرحت اور طبیعت میں شگفتگی پیدا ہوتی ہے۔ خاندان اور خاندان سے قوم کی حیات میں ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ چند محققین کا قول ہے۔ کہ زندہ دلی عمر کو دراز کرتی ہے۔

ظریف شخص خود بھی ہنستا ہے۔ دوسروں کو بھی ہنساتا ہے۔ اپنی زندگی نہایت خوشی سے گزار دیتا ہے۔ ہر لحظہ وہ اپنی زندگی اس شعر کے مصداق بسر کرتا ہے۔ ؎

زندگی زندہ دلی کا ہے نام۔
مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں۔

میری ایک رشتہ دار کی نانی تھیں۔ جو بہت ہی زندہ دل اور خوش مزاج تھیں۔ ان کی صحبت میں ہم سب ہنستے ہی رہتے تھے۔ وہ لطائف و ظرائف بیان کرتیں۔ تو یہ معلوم ہوتا۔ گویا منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ وہ اپنے ہی خاندان کا ایک واقعہ لطیفہ کے پیرائے میں بیان کیا کرتی تھیں۔ ان کے پھوپی زاد بھائی جو بہت ڈرپوک تھے۔ انہیں عملیات کا شوق ہو گیا۔ ان کے کوئی بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ یہ ان کے پاس گئے۔ اور اپنا شوق ظاہر کیا۔ انہوں نے ہر چند سمجھایا۔ کہ صاحبزادہ آپ ان کاموں کے متحمل نہ ہو سکیں گے۔ لیکن انہوں نے منت سماجت کی۔ اور آخر انہیں راضی کر لیا۔ انہی کے باغ میں ایک سنسان جگہ چلہ کھینچنے لگے۔ چالیس روز کی تعداد مقرر تھی۔ ان ہی دنوں ان کے ہاں ایک شادی ہو رہی تھی۔ انتالیسویں روز ان کے ایک ظریف عزیز بارہ بجے شب میں زیور اور بہترین لباس پہن کر باغ میں ان کے سامنے ہو گئے۔ انہوں نے ان کو شیطان سمجھ کر دوڑنا شروع کیا۔ سارے باغ میں دوڑتے پھرے۔ بے چارے جسیم آدمی تھے۔ دم پھول گیا۔ یہ بھاگ دوڑ صبح کے چار بجے تک جاری رہی۔ آخر ایک جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ صبح کو مالی دیکھ کر اٹھا لایا۔ سب لوگوں نے ہر چند سمجھایا۔ کہ کوئی شیطان بھوت نہیں۔ تمہارے ہی ظریف دوست تھے۔ لیکن انہوں نے کسی طرح یقین نہ کیا۔ گھر بھر ان کی حالت پر ہنسی

دنیا کا سب سے لمبا آدمی
آٹھ فٹ چار انچ

سے لوٹ لوٹ جاتا تھا۔

میرے ایک رشتہ کے ماموں جو بہت ہی ظریف تھے۔ مدراس میں ملازم تھے۔ ہمارے ہاں ہی رہتے تھے۔ شام کو جب آفس سے لوٹتے۔ تو بعض مرتبہ بُرا پریشان چہرہ بنائے ہوئے آتے۔ اگر کسی نے پوچھا "ماموں جان اس قدر پریشان کیوں ہیں"؟ آپ سنجیدگی سے کیا جواب دیتے بھائی کیا کروں۔ ایک بہت عظیم حادثہ ہوگیا۔ ایک مکھی اونٹ کو پاؤں میں پکڑ کر اڑنے لگی ہے۔ سب لوگ اس خوف سے سراسیمہ اور پریشان ہیں۔ کہ اونٹ کہیں مکھی کی ٹانگ سے چھوٹ کر ہم پر نہ آ پڑے۔ اس بھیڑ بھاڑ میں سے بمشکل جگہ بنا کر گھر آیا ہوں۔ نہ معلوم اب تک اونٹ گر کر کتنے لوگ زخمی ہوئے۔ اور کتنے مرے ہیں"

کبھی اپنی پریشانی کی یہ وجہ بیان کرتے۔ کہ آج عجیب واقعہ ہوا۔ کمان دروازہ میں مچھر پھنس کر مر گیا۔ سڑک کا راستہ بند ہوگیا ہے۔ لوگ اس مچھر کو کھینچ نکالنے کی فکر میں ہیں۔ لطف یہ کہ جواب اس سنجیدگی سے دیتے تھے۔ کہ سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ ہو جاتا۔

میرے ایک خالہ زاد بھائی بہت ہی ظریف طبع ہیں۔ ہمیشہ ہمیں ہنساتے رہتے ہیں۔ جب آم کا موسم آیا۔ انہیں ایک نیا مشغلہ ہاتھ آگیا۔ جب یہ کہیں باہر پھر کر آتے۔ تو میری بھاوج کو جلد جلد پکارتے۔ جب بھاوج دریافت کرتیں تو کہتے۔ کہ آپ قریب آئیں۔ تو کہوں۔ آج بازار میں ایک عجیب واقعہ دیکھ آیا ہوں۔ بچوں کے روبرو نہیں کہہ سکتا۔ جب بھاوج قریب جاتیں تو آپ نہایت آہستگی سے کہتے۔ ایک آم دو۔ تو بتاؤں"۔ ہم سب ہنسنے لگتے۔

دو دن سے گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ آسمان ابر آلود تھا۔ تھوڑی تھوڑی پھوار بھی ہوتی تھی۔ تیسرے دن دوپہر میں سورج نظر آیا۔ آپ جلد جلد آئے۔ اور کہنے لگے "دو دن سے چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ آج دیکھئے صبح سے ڈرتے ڈرتے جھانک رہے ہیں۔ اور کیا صورت لے کر آئے ہیں"۔ ہم نے چاروں طرف دیکھا۔ دو دن سے ہمارا چپراسی نہ آیا تھا۔ ہم نے سمجھا۔ وہی ہے۔ آخر دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ سورج کے نظر آنے پر یہ سب کچھ کہا گیا تھا۔

ایک روز ہسپتال دوا لینے گئے۔ ڈاکٹر نہ ملا۔ خالی شیشی میں پانی تین ڈوز بھر لائے۔ میری بہن دوا سمجھ کر ایک ڈوز پی بھی گئیں۔ جب معلوم ہوا۔ کہ دوا نہیں۔ پانی تھا۔ تو گھر بھر ہنسنے لگا۔

مہر النساء ہمشیرہ غلام دستگیر۔ وا لٹر

⁂

دستکاری

پھندنے بنانا

کروشیا یا کشیدہ کاری کی چیزیں مثلاً خوان پوش - میز پوش - کرسی کے تولئے یا خلعت بنانے کے بعد یا تو ان پر جھالر بنا کر ٹانکی جاتی ہے - یا پھندنے ڈال دیئے جاتے ہیں + کسی چیز کو جھالر لیس بنا کر ٹانکنے کی بہ نسبت پھندنے ڈالنا نہایت آسان ہے ٭

پھندنے اونی چیزوں کو اون سے اور دھاگے کی چیزوں کو دھاگے سے ڈالے جاتے ہیں + پھندنے ڈالنے کی کئی قسمیں ہیں - جن میں سے آسان ترکیب ذیل میں تحریر کرتی ہوں ٭

جتنے لمبے پھندنے بنانے ہوں - اتنا چوڑا اور چھ انچ لمبا (کارڈ) لو اس پر خواہ اون ہو یا دھاگا لپیٹ کر قینچی سے اس کے درمیان کتر لو - لپٹا ہوا دھاگا یہاں درمیان سے کتر لو

یہاں سے کتر لو
کارڈ

اب کترے ہوئے دھاگے ٹکڑوں کو چار چار پانچ پانچ یا چھ چھ ملا کر اس ترکیب سے پھندنے ڈالنے چاہئیں

پھندنے ڈالنے کا جول

اب ان دھاگوں کو ب والے سوراخ کے درمیان سے نکال لو - تو نمبر ۲ کے مانند بن جائیگا جب ان دھاگوں کو اور مضبوط کھینچ دیا جائیگا - تو نمبر ۳ کی مانند ہوگا ٭

دھاگے کے چھ چھ ٹکڑوں کو لے کر ان کے دونوں طرف کے سرے اکٹھے کر لو - اور کروشیا ان دھاگوں کے ٹکڑوں کے درمیان لے جا کر خانوں میں سے کھینچ لو + یہ پھندنے تیار ہو گئے ٭

کروشیا
پھندنے کے دھاگے
کنارے پکڑے ہوئے دوہرے دھاگے
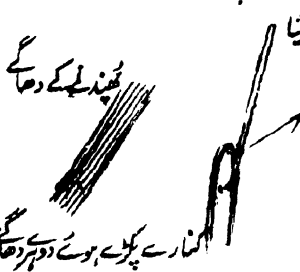
مندرجۂ بالا پھندنے تو میز پوش - کرسی کے تولئے وغیرہ میں کام آتے ہیں + ان کے علاوہ اور ایک قسم کے گیند نما پھندنے ہوتے ہیں - جو بچوں کے موزوں میں لگانے کے کام آتے ہیں - وہ یوں بنتے ہیں :-

اون کے دو دو انچ لمبے ٹکڑے کتر کر اکٹھے کر لو۔

اون کے کترے ہوئے ٹکڑے
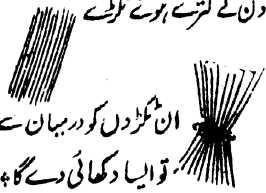
ان ٹکڑوں کو درمیان سے باندھ لو۔

تو ایسا دکھائی دے گا۔

جب مضبوط باندھ دیا جائے۔ تو اچھا گول لٹو بیڈمنٹن کی گیند کی مانند بن جائے گا۔ اس قسم کے پھندنے بچوں کے موزوں کے لئے نہایت اچھے ہوتے ہیں۔

پھندنوں کی ترکیب میں محض اس لئے لکھ رہی ہوں۔ کہ اکثر لڑکیاں یہ سادی سی ترکیب نہ جاننے کی وجہ سے نہایت پریشان ہوتی ہیں۔ خود مجھے یہ ترکیب نہ آتی تھی۔ جس سے نہایت پریشانی اور تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی۔ اب جب کبھی مجھے پہلے کی بنائی ہوئی چیزیں ملتی ہیں۔ تو بیساختہ ہنسی آجاتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ سادی سی ترکیب انجان لڑکیوں کے لئے تحریر کی ہے۔ تجربہ کار خواتین کے لئے نہیں۔ لہذا اگر کوئی بہن اعتراض نہ فرمائیں۔ تو میری حوصلہ افزائی کا باعث ہوگا۔

خاکسار فاطمہ بیگم
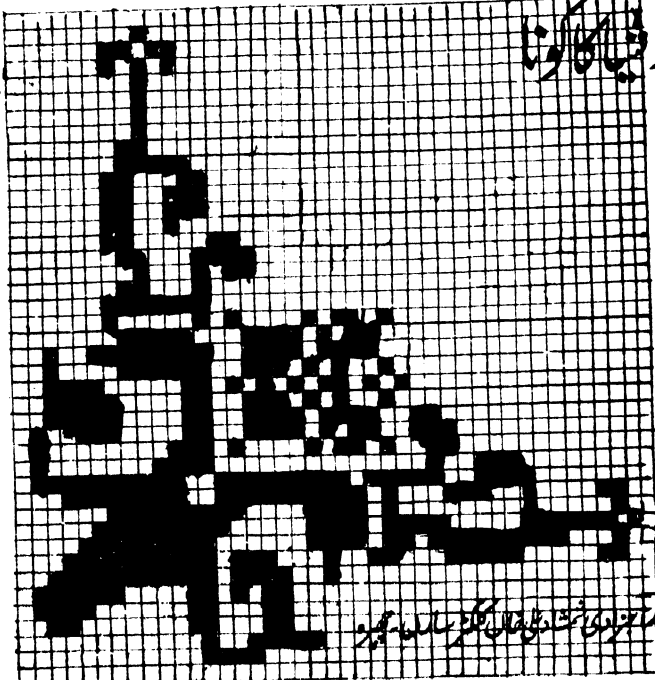
بنت کے محمد حسین صاحب بنگلور

دسترخوان پر

مچھلی کا حلوا

گوشت مچھلی ایک سیر۔ قند سفید آدھ سیر۔ زعفران دو ماشہ۔ کیوڑہ نصف چھٹانک۔ دانہ الائچی چھ ماشہ۔ بادام پستہ ایک ایک چھٹانک گھی ایک پاؤ۔

اول صرف ایک بڑے کانٹے والی مچھلی لے کر اس کی آلائش وغیرہ دور کرکے اور کھال اتار کر گوشت کو کانٹوں سے جدا کر لیا جائے۔ بعد ازاں اس گوشت کو قند سیاہ کے پانی میں حل کرکے سات مرتبہ خوب اچھی طرح مل مل کر دھو ڈالیں اس طرح دھونے سے بُو قطعاً جاتی رہے گی۔

اس کے بعد اس گوشت کو مہین کرکے پیس لیں۔ اب گھی کو دانہ الائچی ڈال کر کڑکڑائیں۔ اور پسا ہوا گوشت گھی میں تل لیں۔ یہاں تک کہ سرخ ہو جائے۔ پھر قند چھوڑ کر باقی سب اشیاء سوائے زعفران و کیوڑہ کے ساتھ ہی ڈال دیں۔ اور دھیمی دھیمی آنچ پر آہستہ آہستہ کفگیر چلا کر پکائیں۔ جب گھی چھوڑنے لگے۔ تو زعفران کیوڑہ میں حل کرکے ڈال دیں۔ اور نیچے اتار کر پرچوں میں جما دیں۔ زیادہ تکلف پسند بہنیں ورق طلائی و نقرئی سے پرچوں کو سجا لیں۔ اور سرد ہونے پر نوش فرمائیں۔ نہایت خوش ذائقہ ہوتا ہے۔

خاکسار گ۔ ن۔ بنت ڈاکٹر ابو الفضل صاحب گیل کھوڑ پرتھلہ

مچھلی کے شامی کباب

مچھلی سرمائی بڑے بڑے کانٹوں والی ایک۔ دہی ڈیڑھ پاؤ۔ سرخ مرچیں دو تولہ لہسن دو تولہ گھی حسب انداز۔ نمک حسب ذائقہ۔ زیرہ دو تولہ۔

مچھلی کا سر اور دُم کاٹ ڈالو۔ پھر اس کا پیٹ چاک کرکے اسے صاف کر لو۔ پھر گیہوں کا آٹا سخت گوندھ کر تمام مچھلی پر تھوپ دو۔ اور گرم گرم بھوبل میں دبا دو۔ مگر آگ تیز نہ ہو۔ ورنہ مچھلی جل جائے گی۔

جب مچھلی کے اوپر کا آٹا سرخی پر آجائے۔ تو اسے آگ میں سے نکال کر اس کے چھلکے اتار لیں۔ اور اندر سے کانٹے نکال کر پھینک دیں۔ پھر اسے سل بٹے پر باریک پیس لیں۔ اور سرخ مرچیں اور لہسن اور زیرہ باریک پیس کر مع دہی کے اس میں ملا لیں۔ اور گول ٹکیاں بنا لیں۔ پھر ان کو شامی کباب کی طرح گھی میں احتیاط سے تل لیں۔

راقمہ س۔ ب۔ از بنگلور

محفل تہذیب

جن تہذیبی بہنوں اور بھائیوں نے والد ماجد کی کیفیت مزاج دریافت فرمانے کی غرض سے مجھے ہمدردانہ خطوط ارسال فرمائے ہیں۔ میں ان سب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں + گزشتہ ہفتہ خدا کے فضل و کرم سے اپریشن کامیابی سے ہو گیا۔ تہذیب کے پرانے سرپرست اور والد ماجد کے بے تکلف دوست خان بہادر میر ہدایت اللہ صاحب ایل۔ایم ایس۔ لکچرار ان سرجری و سپرنٹنڈنٹ میڈیکل اسکول امرتسر از راہ عنایت اس دوران میں کئی مرتبہ لاہور تشریف لائے۔ اور ان کی نگرانی میں اپریشن بھی کیا گیا۔ اب رفتہ رفتہ زخم کا مواد خارج ہو رہا ہے۔ لیکن حرارت اب تک باقی ہے۔ جس سے ضعف کی شکایت بڑھ رہی ہے + مجھے امید ہے۔ تہذیبی بہنیں ان کی صحت کے لئے دعا فرما کر مجھے شکریہ کا موقع دیں گی + سید امتیاز علی تاج
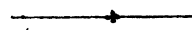
میں نہایت رنج و قلق کے ساتھ لکھتی ہوں کہ میری نہایت پیاری نانی اماں صاحبہ معظمہ و مکرمہ نے کئی روز بخار میں مبتلا رہ کر اس دار فانی سے انتقال کیا۔ اور ہم سب کو روتا چھوڑ کر دوسری دنیا کی راہ لی + مرحومہ بہت اچھی بی بی تھیں۔ خدا مرحو کو جنت میں جگہ دے۔ اور ہم سب عزیزوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے + تہذیبی بہنوں سے التجا ہے۔ کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کریں + ہمشیرہ اسلام مسعود خاں صاحب۔ جنت نشان۔ میرٹھ

مجھے کسی ایسی کتاب کا پتہ مطلوب ہے۔ جس سے فارسی بول چال آسانی سے آسکے + کتاب اردو میں ہو + کوئی بہن یا بھائی مہربانی کر کے بتائیں کہ ایسی کتاب کہاں اور کس قیمت پر مل سکتی ہے۔ میں ان کی بہت ممنون ہوں گی + ایک تہذیبی بہن

میری گود میں پانچ ماہ کی بچی ہے۔ جو بہت ہی کمزور ہے مدد دودھ گلے کا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ میرے دودھ بالکل نہیں ہے + براہ مہربانی کوئی بہن یا بھائی دودھ پیدا ہونے کا علاج بتائیں نام عمر احسان مند رہوں گی +

نیز مجھ کو ایک نعت کی ضرورت ہے۔ جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔ ؎

در نبی پہ پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا

کوئی بہن یا بھائی۔ پوری نعت تحریر فرمائیں۔ مشکور ہوں گی + مسز سید علی اختر۔ مزنگ۔ لاہور

---

۲۸ جون کے تہذیب میں ایک بہن نے کتاب اتالیقِ نسواں کا پتہ دریافت فرمایا ہے۔ ان کی آگاہی کے لئے لکھتی ہوں۔ کہ کتاب مندرجۂ ذیل پتے سے مل جائے گی۔ لیکن میری رائے میں یہ کتاب مضمون نویسی میں کوئی خاص فائدہ نہیں دے سکتی۔ پتہ یہ ہے:۔

لشکر گوالیار۔ اندسٹریل اسکول منشی سمیع علی خاں صاحب۔

۲۔ دہلی کوچہ پنڈت۔ گلی عزیز دین۔ سکندر علی خاں صاحب۔

راقمہ انوری خانم۔ از گکھڑ

بہن زہرہ خاتون صاحبہ نے لڑکیوں کے لئے دینیات کی کتابیں منگوانے کا پتہ دریافت کیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے۔ کہ دینیات کا نصاب مسلم یونیورسٹی کا "بک ڈپو" علی گڑھ سے عمدہ آج کل کہیں نہیں ملتا۔ بہن صاحبہ خط لکھ کر منیجر بک ڈپو سے ایک فہرست منگوا لیں۔ انشاء اللہ ان کے حسب منشاء دینیات کی کتابیں مل جائیں گی۔

۲۔ ۲۸ جون کے پرچے میں ایک تہذیبی بہن نے کپڑا سینے کی مشین نیز ایسی کتاب کے متعلق استفسار کیا ہے۔ جس سے کیک بنانے کی ترکیب اور غلاف تکیہ وغیرہ بنانا آجائے۔ جواباً عرض ہے۔ کہ آج کل سنگر مشین بہت پائیدار ہوتی ہے۔ قیمت اگر نقد خریدی جائے۔ تو ایک سو چالیس۔ ورنہ قسط وار لینے پر ایک سو نوے کو ملے گی۔

کتاب جس میں آپ کی حسب منشاء مضمون مل سکیں "خانہ داری" ہے جسے عُلیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال نے تصنیف کیا ہے۔ خانہ داری کے لئے بہترین کتاب ہے۔ اس کی علیحدہ علیحدہ تین جلدیں ہیں۔ بھوپال۔ دہلی وغیرہ میں قریب قریب ہر کتاب فروش کے ہاں سے دستیاب ہو جائے گی۔ ہمشیرہ ایس ایم ارشد (علیگ) بریلی

تہذیب کے کسی گزشتہ پرچہ میں ایک خاتون نے کسی کتاب کا نام دریافت کیا ہے۔ جس میں واقعات شہادت تفصیل کے ساتھ درج ہوں۔ ان کو معلوم ہو۔ کہ کتاب شہید اعظم ہر دو حصہ بہت مفصل کتاب ہے۔ اور مولوی سید ریاض علی صاحب ساکن چاہ مہان بنارس سے جو اس کتاب کے مؤلف ہیں۔ دستیاب ہو سکتی ہے۔ اہلیہ خواجہ حسین علی۔ چنار

میں ممنون ہونگی۔ اگر کوئی تہذیبی بہن مجھے اس مکمل نعت کی نقل بھیجدیں۔ جس کا پہلا مصرع یہ ہے:۔

عجب رنگ پر ہے بہارِ مدینہ

حاجت مند

انعامی معمّا

۱- صحیح حل بھیجنے والی بہنوں میں سے کسی کو بذریعہ قرعہ اندازی پانچ روپے کا انعام دیا جائے گا۔
۲- معمّے کا حل ۱۸-اگست ۱۹۲۸ء تک ہمیں پہنچ جانا چاہئے۔ اس کے بعد جو حل آئے گا۔ اسے مقابلہ میں شامل نہ کیا جائے گا۔
۳- حل کے ساتھ ایک آنے کا ٹکٹ بھیجنا ضروری ہے۔ ورنہ مقابلے میں شامل نہ کیا جائے گا۔
۴- جس لفافے میں حل بھیجا جائے۔ اس پر لکھ دیا جائے "اڈیٹر معمّا" اور اس لفافے میں حل کے سوا کوئی اور تفصیل طلب بات نہ ہو۔

■		۴	۳	■	■		۲	۱	■
۸	■		■	۷	۶	■		■	۵
	۱۲	■				۱۱	■	۱۰	۹
		۱۶	■		۱۵	■	۱۴		۱۳
■			۱۹	■	■	۱۸		۱۷	■
■			۲۱	■	■			۲۰	■
۲۶		۲۵	■	۲۴	۲۳	■			۲۲
	۲۹	■				۲۸	■		۲۷
	■	۳۲	■		۳۱	■	۳۰	■	
■			۳۴	■	■			۳۳	■

داہنے سے بائیں:-

(۱) خوب صورتی-(۳) ایک قابل نفرت فعل-(۶) شوہر (۹) دنیا کی ایک ضروری مگر خطرناک شے-(۱۱) ایک فوجی افسر-(۱۲) زراعت کے لئے ایک ضروری اوزار (۱۳) فرشتہ (۱۵) کل سے پہلے اور کل کے بعد-(۱۶) نشہ کی چیز-(۱۷) علیحدہ-(۱۹) کمرہ (۲۰) برس-(۲۱) ایک نیک کار آمد چوپایہ جانور-(۲۲) جا-(۲۳) حرف تاسّف (۲۵) تختی-(۲۶) ایک عدد-(۲۸) ہندوستان کا ایک مشہور زنانہ رسالہ (۲۹) مادہ کا مذکر-(۳۰) عادت-(۳۳) لشکر (۳۴) کھانے کو حریار بنانے کا ایک ضروری مصالحہ۔

اوپر سے نیچے:-

(۲) عمر-(۴) انگوٹھی کا ایک حصہ-(۵) پیالہ-(۶) خراب-(۷) غم-(۸) ہندوستان کی ایک مشہور جھیل-(۱۰) جزیرہ برطانیہ میں ایک مشہور شہر-(۱۲) ہندوستان کا ایک مشہور مغل بادشاہ-(۱۸) پھول-(۱۹) بدن کے اندر خون دوڑنے کی نالی-
(۲۲) پیدائش (۲۳) جڑ-(۲۴) جرأت-(۲۶) جنگ-(۳۰) مہک-(۳۲) ہندوستان کا ایک مشہور اور عمدہ پھل۔

مرسلہ شکیلہ خاتون بنت مولوی شاہ محمد توحید صاحب اردلی

ولائتی معلومات

خاص تہذیب کے لئے

ترکی عورتیں اور نئی آزادی

ولایت کے ایک اخبار نے اپنا خاص نامہ نگار ترکی کے موجودہ حالات کا مطالعہ کرنے کے بھیج رکھا ہے۔ اس نے ایک خط میں ترکی عورتوں کی آزادی کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات ظاہر کیے ہیں:۔

جب سے مصطفےٰ کمال پاشا قدیم مشرقی رسم رواج کا قلع قمع کرکے ترکی میں مغربیت کی روح پھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ترکی عورتوں کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

آج کل مسجدوں میں نماز پڑھنے والی عورتوں کی تعداد پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ نماز پڑھنے والی عورتیں نئی تہذیب کی متوالی نہیں۔ بلکہ پرانے رسم ورواج کی دلدادہ ہیں۔ یہ بے چاریاں نئے قوانین کا حال سن کر حیران بلکہ مبہوت سی رہ جاتی ہیں۔ اور اس میں تو ذرا بھی شک نہیں۔ کہ اس نئے انقلاب کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتیں۔

جس انقلاب کے باعث شاہی حرم میں ہُو کا عالم نظر آتا ہے۔ اسی کی بدولت ترکی عورتوں میں نقاب اُتار پھینکنے۔ بال ترشوانے۔ چھوٹے دامن کا لباس پہننے کا رواج بھی دن بدن بڑھ رہا ہے۔ غرض اب ترکی عورتوں نے موٹر کار چلانے اور بعض کھیلوں میں حصہ لینے کے سوا پیرس اور لندن کی عورتوں کی قریباً تمام عادتیں اختیار کر لی ہیں۔ البتہ ابھی ان میں مغربی بناؤ سنگار کے رواج کو کچھ قابل ذکر ترقی نہیں ہوئی آنکھوں میں کاجل لگانے کی ایشیائی رسم اب بھی موجود ہے۔

میرے خیال میں موجودہ آزادی ترکی عورتوں کے لئے مسرت اور راحت کا باعث ثابت ہوئی ہے۔ اور وہ قدیم حالات سے چھٹکارا پانے پر خوش معلوم ہوتی ہیں۔ جبکہ ان کی حیثیت زیور سے لدے پھندے کھلونوں سے زیادہ نہ تھی۔ نوجوان عورتوں کی اکثریت مصطفےٰ کمال پاشا کی سرگرمیوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اور غازی موصوف کی ممنون نظر آتی ہے۔ ان خواتین کے نزدیک شادی اور طلاق کے متعلق نئے قوانین پسندیدہ اور قابل تعریف ہیں۔

اب چونکہ مذہب کو حکومت سے الگ کردیا

گیا ہے۔ اس لئے تمام تر اہمیت سول میرج ہی کو حاصل ہے۔ لیکن اگر طرفین کی خواہش ہو۔ تو وہ مسجد میں جا کر بھی رسوم شادی ادا کر سکتے ہیں۔ اب کسی ترک کو چار بیویاں کرنے کی اجازت نہیں۔ آج کل کا قانون ایک ترک اور ایک بیوی ہے۔

ترکی میں طلاق کے متعلق نیا قانون سوئٹزرلینڈ کے قانون پر مبنی ہے۔ اب کوئی ترک صرف ایک گواہ کے سامنے بیان دے کر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا۔ بخلاف اس کے اب جو شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا خواہش مند ہو۔ اُسے باقاعدہ دعویٰ دائر کر کے عدالت میں طلاق دینے کے لئے معقول وجہ پیش کرنی پڑتی ہے۔

قانون کی نظر میں میاں اور بیوی کو طلاق کے متعلق یکساں حقوق حاصل ہیں۔ ترک عورت اگر اپنے میاں سے الگ ہونا چاہے۔ تو اسے خلع کرانے میں اتنی ہی آسانی ہے۔ جتنی لندن کی عورتوں کو حاصل ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ اس اعتبار سے ترکی عورتوں کی حالت لندن کی عورتوں سے بھی بہتر ہے۔ طلاق کے متعلق نئے قوانین نے ان کی آزادی کو مکمل کر دیا ہے۔

انہی خیالات میں الجھا ہوا میں محل سرائے کے باغ کی سیر کو گیا۔ اور پھرتا پھرتا اس مقام پر جا نکلا۔ جہاں کبھی شاہی خواجہ سرا رہا کرتے تھے۔ آج کل استنبول میں ایک بھی خواجہ سرا نظر نہیں آتا۔

ترکی عورتیں ہمیشہ سے فرانسیسی تمدن کی دلدادہ رہی ہیں۔ بڑی بوڑھیاں بھی فرانسیسی تمدن کو تمام یورپی اقوام کے تمدن پر ترجیح دیتی تھیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ اب آزادی حاصل ہو جانے پر ترکی عورتیں فرانس کا فیشن اختیار کر رہی ہیں۔ اور ان کی کوشش یہی ہے۔ کہ حتی الامکان بالکل پیرس کی عورتوں جیسی بن جائیں۔ ان کی یورپی وضع کی ٹوپیاں۔ دن اور رات کو پہننے کے کپڑے۔ موزے اور جوتے غرض ہر چیز پیرس کی عورتوں کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ اور عورتوں میں نقل اُتارنے کی اہلیت اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ کہ اگر ترکی عورتیں بناؤ سنگار میں بھی مغربی عورتوں کی تقلید کرنے لگیں۔ تو قسطنطنیہ اور پیرس کی فیشن پرست عورتوں میں تمیز کرنا ناممکن نہیں۔ تو محال ضرور ہو جائے۔

تاہم جب سے نقاب کا استعمال ترک ہوا ہے۔ اور بے پردگی کے دیگر لوازم جمع ہو گئے ہیں۔ اس وقت سے وہ حیرت و تجسس نابود ہو چکا ہے۔ جو ترکی عورتوں کو دیکھتے وقت ہر ایک یورپین کے چہرے پر عیاں ہوا کرتا تھا۔

شاہی محل کی وہ شان و شوکت جاتی رہی لیکن ابھی بالکل نابود نہیں ہوئی۔ ترکی کے

حرم سلطانی میں عورتوں کی چہل پہل رہتی تھی۔ جب مصطفےٰ کمال پاشا اس سنہری پنجرے کے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ اور انہوں نے ان فردوسی پرندوں کو نکل جانے کی اجازت دیدی۔ تو حرم سرائے ان عورتوں سے خالی ہو گئی۔ لیکن خاندان عثمانیہ کے جواہرات کا وہ ذخیرہ ابھی تک موجود ہے۔ جسے دیکھ کر بڑے بڑے کروڑ پتیوں کو غش آجائے۔

انسان کی زندگی میں اکثر لمحے ایسے بھی آجاتے ہیں۔ جب وہ الف لیلہ کی کہانیوں کو بالکل درست سمجھنے لگتا ہے۔ قسطنطنیہ میں مجھے بھی ایک ایسا ہی موقع پیش آیا۔ میں ایک کمرے میں داخل ہوا۔ تو پورے دو کروڑ پونڈ کی مالیت کے ایسے جواہرات نظر آئے۔ جن سے تاریخ اب تک واقف نہیں۔

شاہی محل میں دو قسم کے جواہرات ہیں۔ ایک وہ جنہیں تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اور دوسرے وہ جن کے متعلق تاریخ کو کچھ واقفیت حاصل نہیں۔ تاریخی اہمیت کے جواہرات کی مالیت کا اندازہ اب تک نہیں کیا گیا۔ لیکن دوسری قسم کے ہیرے۔ موتی۔ لعل۔ زمرد وغیرہ کی قیمت دو کروڑ پونڈ بتائی جاتی ہے۔ یہ جواہرات بہت جلد پیرس یا لندن میں فروخت کر دئے جائیں گے۔ اور اس طرح جو روپیہ حاصل ہوگا اس سے ترکی میں ایک نئے سرکاری بنک کی بنیاد رکھی جائے گی۔

وطن سے روانہ ہوتے وقت میرا ارادہ تھا کہ یلدیز محل ضرور دیکھوں گا۔ کیونکہ قسطنطنیہ سے اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ کہ یہاں یورپین طرز کا قمار خانہ قایم کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں آکر معلوم ہوا۔ کہ وہ قمار خانہ اپنی مختصر زندگی کے دن ختم کر چکا ہے۔ کمال پاشا کا خیال تھا۔ کہ غیر ملکی لوگ اس کی سرپرستی کریں گے لیکن جب غیر ملکی لوگ اس سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ اور ان کی بجائے ترک مرد عورتیں وہاں جانے لگیں۔ تو مصطفےٰ کمال پاشا نے وہ لائسنس منسوخ کر دیا۔ جو اس قمار خانہ کے لئے ایک اطالوی کو دیا گیا تھا۔ اور اس طرح یہ قصہ پاک ہو گیا۔

یونانی عورتوں کی سرگرمیاں

دنیا بھر میں حقوق نسواں کے لئے جو جدوجہد ہو رہی ہے۔ آخر اس سے یونان کی عورتیں بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہیں۔ چنانچہ حال میں انہوں نے "انجمن حقوق نسواں" کے نام سے ایک انجمن قایم کی ہے۔ اور اس انجمن کی طرف سے ایک زنانہ پرچہ بھی شائع ہو رہا ہے۔ اس پرچہ کا نام عورتوں کا حق رکھا گیا ہے۔ اس کے آدھے سے زیادہ

صفحے یونانی زبان میں ہوتے ہیں۔ اور باقی فرانسیسی میں۔ پرچہ کا نام نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس وقت یونان میں عورتوں کو کچھ بھی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ فی الحال اس انجمن کی تمام تر توجہ عورتوں کے لئے میونسپل انتخابات میں رائے دہندگی کا حق حاصل کرنے پر مرکوز ہے۔ تین سال ہوئے حکومت نے انہیں یہ حق دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ابھی تک یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا۔ کہ یونان کی گورنمنٹ یونانی عورتوں کو غیر ذی روح ہستیاں سمجھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ عورتوں کو چند ایک حقوق حاصل تو ہیں۔ لیکن ان حقوق کا حلقہ اثر بہت ہی محدود ہے۔ عورتیں زنانہ اور مردانہ گورنمنٹ اسکولوں میں اُستانی کی حیثیت سے کام کرسکتی ہیں۔ سول سروس کے دروازے بھی ان کے لئے کھلے ہیں۔ کم از کم یونان کے آئین حکومت میں ان کا یہ حق تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ کہ یونان کے شہری پبلک سروس میں لئے جا سکتے ہیں۔ اور لفظ شہری کی تشریح کرتے ہوئے صاف الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ اس کا اطلاق مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قانون اس امر کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔ کہ بیوی کی جائداد فروخت کرنے سے پہلے خاوند کے لئے اس کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔

مگر دوسری جانب عورتوں کی آزادی پر نہایت عجیب و غریب اور بہت ہی سخت قانونی پابندیاں عائد ہیں۔ مثلاً یونان میں بڑی سے بڑی حیثیت کی عورت بھی کسی وصیت پر بطور گواہ دستخط نہیں کرسکتی۔ اور اگر کوئی کردے۔ تو وہ وصیت جائز تسلیم نہیں کی جاتی۔ بچوں کی سرپرستی کلیتہً باپ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ ماں کو اس سلسلے میں معمولی اختیارات بھی حاصل نہیں۔ اگر کوئی بیوہ دوبارہ شادی کرنا چاہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ پہلے کسی شخص کو اپنا سرپرست مقرر کرے۔ یہ تو خیر کسی قدر اہم معاملے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی عورتوں کے حقوق اور آزادی کا بے طرح گلا گھونٹا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں دو تین باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ بنک کے چک پر اگر عورت کے دستخط ہوں تو اس چک کی حیثیت معمولی وعدہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اور اس وقت جو قانون نافذ ہے۔ اس کی رُو سے کوئی عورت اپنے خاوند کی رضامندی اور اجازت کے بغیر کسی قسم کے تجارتی کاروبار میں حصہ نہیں لے سکتی۔ کوئی دو سال ہوئے ایک قانون کی رو سے عورتوں کو وکالت کا کام کرنے کی اجازت کا حق مل گیا ہے۔ لیکن اس کے متعلق کئی پابندیاں عائد ہیں

خبریں اور نوٹ

خبر ہے۔ کہ حکومت ترکی "پاشا" "ہز ایکسیلنسی" اور اس قسم کے دوسرے اعزازی خطابات کا طریقہ منسوخ کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ حکومت کے نزدیک جمہوری اصول کے خلاف ہے۔

پچھلے دنوں ترکی پولیس نے ایک سازشی شخص کو گرفتار کیا ہے۔ جس کا نام صبری بک ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ آل عثمان کے جلاوطن لوگوں سے اس کا تعلق ہے۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔ مکمل تحقیقات کے بعد معاملہ عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ ابھی تک تمام باتیں راز میں ہیں۔

ترکی قومی مجلس کے اس فیصلے پر جس کی رو سے مذہب اور حکومت جدا کر دئے گئے ہیں۔ ابھی تک رنج و افسوس کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں۔ کہ منصب خلافت کے منسوخ ہونے سے عالم اسلام پر ترکوں کی مذہبی و دنیوی سیادت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اب مذہب و حکومت کی تفریق کا یہ فیصلہ دنیائے اسلام سے رابطہ و تعلق پر آخری ضرب ہے۔

اس سلسلے میں ترکی وزیر عدالت نے لوگوں کے اطمینان کے لئے جو تصریح کی۔ اس کے دوران میں فرمایا۔ کہ مذہب اور سیاست کی آمیزش تمام اقوام کی تاریخ میں سخت سے سخت مصائب کا موجب رہی ہے۔ تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو تمہیں معلوم ہو گا۔ کہ اکثر ہولناک حوادث مذہب اور سیاست کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔

ترکی میں حکومت اور مذہب کو آمیز کرنے والوں کا یہی مقصد تھا۔ کہ ملک کو خوب لوٹیں۔ ان کے مال و دولت کو غصب کریں۔ اور مذہب کے پردہ میں اپنی مستبدانہ قیادت قایم رکھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حکومت میں ضعف آ گیا۔ غرض کہ ان لوگوں نے جس طرح چاہا اس سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ لیکن اب ہم نے اس ذہنیت کا بالکل قلع قمع کر دیا ہے۔

ترکی وزارت تعلیم عنقریب ایک وفد افغانستان بھیجنے والی ہے۔ اس وفد میں تعلیم و تربیت کے ماہرین ہوں گے۔ جو افغانستان کی تعلیمی حالت کا معائنہ کریں گے۔

ترکی اور افغانستان کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے۔ اس کی دفعہ ۳ میں درج ہے۔ کہ مسئلہ تعلیم و تربیت اور فوج کی تنظیم میں اگر افغانستان کو ضرورت پیش آئے گی۔ تو اسے ترکی حکومت پورا کرے گی۔ چنانچہ معاہدہ مذکور کی پابندی میں یہ وفد افغانستان آئے گا۔

مصری پارلیمنٹ کے تین سال کے التوا پر وکلا نے تین دن کی ہڑتال کا جو اعلان کیا تھا۔

حکومت نے اس تحریک کو سختی سے روکا- اور ججوں کو حکم دیدیا- کہ وہ مقدمات کو ملتوی نہ کریں- اگر فریقین میں سے ایک مقدمہ ملتوی کرنے پر تیار ہو- اور دوسرا رضامند نہ ہو- تو مقدمہ ملتوی نہ کیا جائے- لیکن اگر دونو فریق مقدمہ کا التوا چاہتے ہوں- تو عدالت کو انکار کردینا چاہئے- اور وکلاء کو بتلانا چاہئے- کہ وہ کام جاری رکھیں۔ اس پر اگر وکلاء رضامند نہ ہوں- تو عدالت انہیں تحریری عذر پیش کرنے کا موقع دے- اور فیصلہ کو ملتوی کردے- یا مقدمے کو سراسر منسوخ کردے۔

مصری طلباء کے لئے بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں- اور وزیر تعلیم نے حکم دیا ہے- کہ جو طالب علم مجلس طلباء میں شامل ہوکر سیاسیات میں حصہ لیں گے- وہ ایک سال کے لئے اسکول یا کالج سے خارج کردئے جائیں گے- اور حقوق امتحان سے خارج سمجھے جائیں گے۔

بیگم صاحبہ زاغلول پاشا نے جو ان دنوں حصول صحت کی غرض سے یورپ میں ہیں- مصطفےٰ نحاس پاشا سابق وزیر اعظم کے نام پیغام بھیجا ہے جس میں آپ نے لکھا ہے- کہ میں اپنے قابل اور لائق بچوں کی اپنے ملک کے لئے جدوجہد آزادی میں شریک ہوں- ہمیں چاہئے- کہ ہم اپنے ملکی حقوق کا شدومد کے ساتھ ہمیشہ مطالبہ کرتے رہیں- خدا تعالیٰ ضرور ہماری مدد کرے گا۔

یروشلم کا تار- عرب کانگریس کی انتظامیہ کمیٹی نے برطانی کمشنر لارڈ پلومر کو ایک تحریری بیان پیش کیا ہے- جس میں ذمہ دار پارلیمنٹری حکومت کا مطالبہ کیا ہے- جس کے وہ حکم داری کی شرائط کے ماتحت حق دار ہیں۔ اس عرضداشت میں یہ بھی لکھا ہے- کہ ہمیں ایسی ہی سیاسی آزادی دی جائے- جیسی ترکی حکومت کے زمانے میں حاصل تھی۔ فلسطین کی اقتصادی حالت سے ظاہر ہے- کہ نوآبادیات جیسی حکومت ان کے ملک کے لئے موافق نہیں۔

لارڈ پلومر نے یہ عرضداشت نوآبادیات کے دفتر میں بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔

فلسطین کے عربوں کی تعلیمی کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے- کہ طلباء یورپین لباس پہنا کریں- اور اپنے کمروں کے اندر ننگے سر بیٹھا کریں۔

بغداد میں عرب خواتین کا ایک ڈرامیٹک کلب قائم ہوا ہے۔ اس کلب کی طرف سے شکسپیر کے ڈرامے اسٹیج پر دکھلائے جائیں گے۔ اس کلب کی صدر ایک معزز خاتون ہے- جو کسی عرب شیخ کی بیوی ہے- اور سکرٹری بغداد کی ایک عیسائی لیڈی ہے۔ اس کلب میں تیس خوب صورت خواتین شامل ہیں۔

شیخ سعدیؒ کی قبر کا ایک پتھر امتداد زمانہ کے باعث مدت سے غائب تھا- اور اس کا پتہ نہ چلتا

تھا۔ بالآخر اس کا سراغ ایک مقبرہ چہل درویش میں لگا۔ لیکن پتھر کا کتبہ مٹی وغیرہ بھر جانے سے خراب ہوگیا تھا۔ اور اس کے اشعار پڑھے نہ جاتے تھے۔ وزارت معارف ایران نے گورنر فارس کو برقی پیغام بھیجا ہے۔ کہ اس پتھر کو درست کرا کے شیخ سعدی کی قبر پر نصب کر دیا جائے۔

حکومت برطانیہ جدید برطانی اور ایرانی معاہدہ کے مطابق عنقریب ایران میں ہوائی جہازوں کے چھ اسٹیشن قایم کرے گی۔

یمن کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ امام یمن جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ امام کے کارندے مدافعت کی تیاری میں فوجیں جمع کر رہے ہیں۔ حدود کے بہت سے لوگ اپنے اپنے مکان چھوڑ کر محفوظ مقامات کی طرف جا رہے ہیں۔

سرکاری اطلاع میں اخبار فارورڈ اور دوسرے اخبارات کے اس بیان کی تردید کی گئی ہے۔ کہ گورنمنٹ ہند نے تنخواہ دار ایجنٹ افغانستان میں بھیجے ہیں۔ تاکہ رسم پردہ اُٹھائے جانے کے خلاف اشتعال انگیز پروپیگنڈا کر کے افغان گورنمنٹ کے خلاف بغاوت کرائی جائے۔ اس تردیدی اعلان میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس افواہ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو دوستدار سلطنتوں کے درمیان بے اعتمادی اور نفاق پیدا کیا جائے۔

شاہ افغانستان نے چار ماہر قالین سازوں کو کابل بلایا ہے۔ تاکہ افغانستان کی صنعت قالین سازی کو ترقی دی جائے۔ یہ لوگ پشاور پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے کابل جائیں گے۔

لندن میں ۱۷ جولائی کو ڈاکٹر بسنٹ کا لکچر ہونے والا تھا۔ لیکن یکایک طبیعت خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ تشریف نہ لاسکیں۔ اور ان کی بجائے خواتین ہند کی انجمن کی وائس پریزیڈنٹ مسز جن راج داس نے تقریر کی۔ آپ نے دوران تقریر میں ہندوستانی عورتوں کے متعلق فرمایا۔ کہ ہندوستانی عورتیں مغربی رنگ میں نہیں رنگی جاسکتیں۔ ہندوستان کی ترقی کا راز اس ملک کی عورتوں کی تربیت اور ان کی طرف سے اپنے وطن کی قدیم تہذیب کو اپنانے میں پنہاں ہے۔ اور یہ امر قابل افسوس ہے۔ کہ ہندوستانی لڑکیوں کو مناسب تعلیم نہیں دی جاتی۔ صغرسنی کی شادی کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ اسے روکنے کے لئے جلد از جلد قانون بننا چاہئے۔ اور ایسے قانون کی کوئی معقول شخص مخالفت نہیں کرسکتا۔

بنگال میں عورتوں کی طرف سے رائے بہادر ہربلاس شاردا کے بل کی زبردست حمایت ہو رہی ہے۔ مسز پی کے رائے نے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ بچپن کی شادی ہماری ترقی کی راہ میں حائل ہے۔ اور دنیا ہمارے تمدن پر ہنس رہی ہے۔

باردولی کے ستیہ گرہ کا معاملہ دن بدن نازک صورت اختیار کر رہا ہے۔ ستیہ گرہ کے رہنما مسٹر ولبھ بھائی پٹیل نے تار دے کر مہاتما گاندھی کو احمد آباد سے بلایا ہے۔ اور مہاتما جی اپنے پرائیوٹ سکرٹری اور اہلیہ محترمہ سمیت سورت ہوتے ہوئے باردولی پہنچ گئے ہیں۔

صوبجات متحدہ کی گورنری کے متعلق فیصلہ ہوگیا۔ پنجاب کے گورنر سر میلکم ہیلی یو پی کے گورنر بنا دئے گئے۔ اور ان کی جگہ آنریبل سر جو فری ڈی مونٹ مورنسی جو پنجاب گورنمنٹ کے ممبر خزانہ تھے۔ پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے ہیں۔ سر جو فری کی جگہ مسٹر اسٹو سابق چیف کمشنر دہلی حکومت پنجاب کے وزیر خزانہ بنائے گئے ہیں۔

اودھ کے کسانوں کو وہاں کے بڑے بڑے زمینداروں اور اکثر سرکاری عہدہ داروں سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ شکایت رہتی ہے۔ ان آئے دن کی سختیوں سے تنگ آکر ۲۰ جولائی کو ضلع پرتاپ گڑھ کے چند دیہات سے قریباً ایک سو عورتیں وفد کی صورت میں صاحب کمشنر بہادر کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ کمشنر صاحب بڑی خوش خلقی سے پیش آئے۔ انہوں نے وفد کی شکایات نوٹ کرلیں۔ اور ہمدردانہ تحقیقات کا وعدہ فرمایا۔

اب کے سال بنارس یونیورسٹی میں عورتوں کے لئے ایک کالج کھول دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق چند مذہبی رسوم ۱۸ جولائی کو ادا کی گئیں۔ اس موقع پر پنڈت مالوی جی نے ایک مختصر سا اڈریس پڑھا۔ اس کالج کی رسم افتتاح نومبر کے مہینے میں ادا کی جائے گی۔

خواجہ حسن نظامی کے خسر کے قتل کے متعلق مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا۔ جج بہادر نے اسیسروں کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ملزم ظہیر کو بری کر دیا۔

ضلع میرٹھ میں بیگم آباد ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ وہاں ایک کنواں کھودا گیا۔ اس میں سے ایسا پانی نکلا ہے۔ جس کے پینے سے بہت سے بیمار اچھے ہوگئے۔

ایک ہندوستانی ہواباز رام کور اٹکر اپنے ہوائی جہاز "سٹی آف حیدر آباد" میں انگلستان سے حیدر آباد تک پرواز کرنے والے ہیں۔ آپ کے والد حیدر آباد میں ہائی کورٹ کے جج رہ چکے ہیں۔

پنجاب کے مشہور لیڈر ڈاکٹر ستیہ پال کی صاحبزادی پنجاب یونیورسٹی کے امتحان ہندی رتن میں سب سے اوّل رہیں۔

میلا پور (مدراس) آگ لگ جانے سے پچاس مکانات جل گئے۔

اڈیٹر محترمہ **اصف جہاں بیگم**:- مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور سید ممتاز علی مالک و مہتمم دفتر تہذیب نسواں نے شائع کیا۔

سب سے پہلا زنانہ ہفتہ وار اخبار
تہذیب نسواں
ماہوار ایڈیشن
۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء
دار الاشاعت پنجاب لاہور

نمبر ۴۰	لاہور ہفتہ ۶ اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء	جلد ۳۱

تہذیب نسواں

لاہور ہفتہ ۲۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۷ھ

فہرست مضامین

ہم خود

محفلِ تہذیب کے لئے استفسارات و جوابات تحریر کرنے میں نامہ نگار بہنیں از راہ عنایت مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔ تو ہماری اور ان کی نیز کئی دوسری ضرورت مند بہنوں کی سہولت کا باعث ہو:

۱- جن امور کے متعلق خود آسانی سے معلومات حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان کے متعلق اخبار میں استفسار بھیجنے سے احتراز کیا جائے مثلاً کتابوں کے ملنے کا پتہ دو ایک مشہور کتب فروشوں کو ایک ایک کارڈ لکھ کر دریافت کیا جا سکتا ہے۔

۲- ہر ہفتے کی محفل تہذیب دیکھ کر معلوم کر لیا جائے۔ کہ جو سوال خود لکھا جا رہا ہے۔ یہ ان ہی دنوں کوئی اَور خاتون تو اخبار میں شائع نہیں کروا چکیں۔ عام طور پر جو جواب کسی دوسری بہن کو ملتا ہے۔ اسی سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ بلکہ اَور بہنیں بھی خود اپنی طرف سے سوال چھپوانا ضروری سمجھتی ہیں۔ مثلاً ایک ہفتے میں سر کے بال بڑھنے کا کوئی نسخہ چھپتا ہے۔ اور دوسرے ہفتے کوئی بہن پھر اسی قسم کا سوال شائع کرنے کے لئے ارسال فرما دیتی ہیں۔ ایسی ضرورتوں کے موقعوں پر تہذیب کے کسی گزشتہ پرچے سے فائدہ اٹھانا مناسب ہے۔

۳- ہر اطلاع۔ استفسار اور جواب لکھنے میں بے حد اختصار سے کام لینا چاہیئے۔ اپنی ضرورت اور خوشی کے ساتھ اس امر کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ تہذیب پر دوسری خواتین کا بھی حق ہے۔

۴- حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ استفسار کے ساتھ اپنا پتہ بھی دیا جائے۔ تاکہ اس کا جواب براہ راست پہنچ جائے۔ اور اسے اخبار میں شائع کرنا ضروری نہ رہے۔ بعض بہنیں غزلوں کا ایک مصرعہ روانہ فرما کر پوری غزل طلب کر لیتی ہیں۔ اور ان کے بیسیوں جواب دفتر تہذیب میں آ جاتے ہیں۔ ہم اپنی مصلحتوں کے باعث ان غزلوں کو اخبار میں شائع نہیں کر سکتے۔ چنانچہ استفسار کرنے والی اور جواب بھیجنے والی بہنوں کو ہم سے شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔

ہمیں امید ہے۔ بہنیں آیندہ ان امور کا خیال رکھ کر ہمیں شکریہ کا موقع دیں گی۔ اور اخبار کی ترتیب میں ہمارے لئے سہولت پیدا کریں گی۔

مضامین کی کثرت کے باعث اس ہفتے معما شائع نہیں کیا جا رہا ہے جس کے لئے ہم ان بہنوں سے جو معما حل کرنے میں دلچسپی لیتی ہیں معافی چاہتے ہیں۔ منیجر

معلّقہ

(از جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب)

بی بی کو معلقہ چھوڑ دینا یعنی نہ اس کو اپنے گھر میں آباد کرنا۔ اور نہ اسے طلاق دے کر اس کی گلو خلاصی کرنا۔ بلکہ ادھر میں لٹکائے رکھنا۔ ایک ایسی لعنت ہے۔ جو ہندوستان کے بہت سے گھرانوں پر مسلط ہے۔ عورتوں پر مردوں کے ظلم کی یہ ایسی خونیں داستان ہے۔ کہ اگر اپنے چشم دید واقعات لکھنے لگوں۔ تو ایک کتاب بنتی ہے۔ بچپن سے لے کر اس عمر تک جو پچاس سال سے متجاوز ہے۔ میری ان آنکھوں نے ایک دو نہیں بیسیوں خوش شکل اور نیک سیرت عصمت و عفت کی دیویاں تمام عمر جل جل کر اور گھل گھل کر تمام ہوتی ہوئی اور ان کی جوانیاں نہایت خاموشی اور بیدردی کے ساتھ خاک میں ملتی ہوئی دیکھیں۔ کہ یاد کر کے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ان کے شوہر گلچھرے اڑایا کئے۔ بہت سے خود غرض اور بے غیرت لوگوں نے انہی ظالم اور بے درد مردوں کو نکاح ثانی کے لئے اپنی لڑکیاں پیش کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔ غرض شوہروں کے گھر لوٹ دولے آتے رہے۔ اور بیچاری بیبیوں کے جنازے اٹھتے رہے۔ بہت سے لوگ ہوں گے۔ جن کی بیٹیوں اور بہنوں پر یہ مصائب بیت گئے ہوں گے۔ اور وہ کلیجہ مسوس کر رہ گئے ہوں گے۔ مگر کبھی نہ سوچا کہ آخر ان مصائب کے وجود کیا ہیں۔ کیا اسلام نے نعوذ باللہ عورتوں پر ایسے قیود لگا دئے ہیں۔ کہ عورتیں بے بس ہو کر رہ گئی ہیں؟ یا ہمارے ملک کے رواج نے ہندوؤں کے اثر سے متاثر ہو کر عورتوں پر یہ ظلم ڈھا رکھا ہے؟

اسلام کی سن لو۔ قرآن شریف صاف لفظوں میں فرماتا ہے۔ کہ لاتذروھن کالمعلقۃ یعنی عورتوں کو معلقہ مت چھوڑو۔ پھر فرماتا ہے۔ کہ ولاتمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔ عورت کو اپنی زوجیت میں نقصان پہنچانے کے لئے مت روک رکھو۔ تاکہ تم ان پر ظلم کرو۔ یہ آیت فیصلہ کن ہے۔ تمام آئمہ محدثین و مجتہدین کے نزدیک سوائے فقہ حنفی کے۔ اس آیت کی رو سے اگر شوہر کسی بی بی کو اپنی زوجیت میں محض تنگ کرنے کے لئے رکھتا ہے۔ اور حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا۔ تو وہ نکاح باطل ہے۔ نہ کسی طلاق کی ضرورت ہے۔ نہ خلع کی۔ ہاں قاضی یعنی مجسٹریٹ کے سامنے یہ معاملہ پیش ہونا چاہئے۔ وہ اگر اس بات کو ثابت شدہ پاتا ہے۔ کہ شوہر حقوق زوجیت ادا نہیں

کرتا۔ اور بی بی کو معلقہ رکھا ہوا ہے۔ تو وہ عورت
کو اجازت دے سکتا ہے۔ کہ نکاح ثانی کرلے۔
کیونکہ اسلام میں نکاح ایک معاہدہ ہے۔ جب
ایک فریق معاہدہ کی پابندی نہیں کرتا۔ تو وہ نکاح
باطل ہے ۔ مگر بدقسمتی سے یہ آزادی چونکہ فقہ حنفی
میں نہیں۔ اس لئے ہندوستان کی مروجہ شرع
محمدی میں بھی نہیں ۔

اس کا دوسرا علاج خلع تھا۔ کہ عورت مرد سے
طلاق حاصل کرلے ۔ یہ بھی مروجہ شرع محمدی میں
نہیں۔ اس لئے عورتیں بے بس ہیں۔ ہاتھ کٹے
ہوئے ہیں۔ کوئی کرے۔ تو کیا کرے ؟ جب تک
کہ حکومت انگریزی کی مجلس قانونی میں یہ مسئلہ پیش
ہو کر اس کے متعلق کوئی قانون پاس نہ کرا لیا جائے۔
عورتوں کی مصیبتیں دور نہیں ہوسکتیں ۔

محترمہ ظفر جہاں بیگم صاحبہ نے ۲۵۔ اگست کے
تہذیب میں خلع کے متعلق جو کچھ خیالات ظاہر کئے
ہیں۔ وہ نہایت معقول اور قابل قدر ہیں۔ میں ان
کی قیمتی ہدایات کا مشکور ہوں ۔ اس معاملے میں میرا
مطلب خواتین کو مخاطب کرنے سے صرف اس قدر
ہے۔ کہ وہ اپنی مجلس میں اس کے متعلق رزولیوشن
پاس کرکے ایک طرف علماء کو اور دوسری طرف
گورنمنٹ کی مجلس قانونی کے ممبروں کو تحریک
کریں ۔ ایک انجمن یا جماعت کی تحریک زیادہ اثر
رکھتی ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ انفرادی طور پر کچھ
کوشش کی جائے ۔ میں نے بعض ممبران کونسل وغیرہ
سے بہت دردناک پیرایہ میں ذکر بھی کیا۔ اور اس
وقت وہ بزرگ اس درد میں محو نظر آئے۔ وعدے
کر گئے۔ مگر دروازہ سے باہر نکل کر وہ نشہ اتر گیا۔
آج کل دنیا حشر کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف
نفسی نفسی پڑی ہوئی ہے ۔

اب جمعیتہ العلماء کو بھی مخاطب کرکے دیکھ لیتا
ہوں ۔ آج کل یہ بزرگ لکھنؤ میں نہرو کمیٹی کی رپورٹ
پر رائے زنی میں مصروف ہیں۔ وہاں سے فارغ
ہولیں۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ تجربہ بھی کرکے دیکھ
لیتا ہوں۔ گو مجھے امید بہت کم ہے ۔ سیکڑوں عورتیں
مرتد ہوئی چلی جارہی ہیں۔ مگر یہ بزرگ ٹس سے
مس تک نہیں ہوئے۔ جب خود ان کے اپنے
دل میں اسلام اور اس کی بیٹیوں کا درد نہ اٹھا۔
تو کسی ایک فرد واحد کی شور پکار ان کے عظمت و
جلال کے دربار میں کیا اثر کرسکے گی ؟ مگر بہر حال
میں نالہ و فریاد کرکے بھی دیکھ لیتا ہوں ۔ کفر کے
فتووں سے مجھے ڈر نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی ہر ایک
تحریک کے کامیاب ہونے کے لئے علماء کے فتاوے
کفر میرے نزدیک کھاد کا حکم رکھتے ہیں ۔ مگر مشکل
تو یہ ہے۔ کہ وہ بزرگ اگر میری عرضداشت کو قبول
بھی کرلیں۔ تو پھر کیا ہوگا؟ جمعیتہ العلماء نے سیکڑوں
رزولیوشن پاس کرلئے ۔ اور عمل ایک پر بھی نہ ہوا۔
تو آئندہ کیا توقع ہوسکتی ہے۔ کہ کسی امر کو شرف قبولیت

عطا کرکے پھر اس پر عمل بھی کیا جائے گا؟

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ آمدم برسر مطلب، اوپر میں قرآن سے دکھا چکا ہوں۔ کہ اسلام تو اس بات کا سخت مخالف ہے۔ کہ عورت کو معلقہ رکھا جائے اور ایسی حالت میں وہ نکاح کو باطل قرار دیتا ہے تو پھر یہ مصیبت سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں رکھتی۔ کہ ہماری اپنی سوسائٹی کے رواج نہایت بُرے اور خلاف اسلام ہیں۔ اگر ان کی اصلاح ہو جائے۔ تو یہ باتیں صرف شاذ و نادر طور پر ہی پیدا ہو سکتی ہیں۔ ورنہ نہیں۔ اس معاملے میں جن باتوں سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے چند موٹی موٹی درج کرتا ہوں۔

سب سے پہلے تو یہ کہ رشتہ کرنے میں اکثر یہ مدنظر ہوتا ہے۔ کہ برادری یا خاندان کا لڑکا ہو۔ خواہ لائق ہو یا نالائق۔ بڑی بوٹی کو ڈھونڈتے رہتے ہیں لیکن بعض دفعہ آنکھوں دیکھتے مکھی نگل لیتے ہیں۔ صرف اس وجہ سے کہ بھائی کا بیٹا ہے۔ یا بہن کا لڑکا ہے۔ اسے چھوڑ کر کس طرح باہر جائیں۔ اس کی نالائقی اور بدوضعی کی قطعاً پروا نہیں کی جاتی۔ یہاں تک بھی کسی قدر خیریت تھی۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ خاندان اور برادری میں رقابت اور حسد اندر ہی اندر کام کر رہا ہوتا ہے۔ اور میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ بعض دفعہ کسی خاندانی انتقام لینے کی وجہ سے بیوی کو میکے میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ کہ نہ بسائیں گے۔ نہ چھوڑیں گے۔ اور ساری عمر جلائیں گے۔ گویا کوئی پرانا خاندانی بدلہ ایک بے گناہ لڑکی سے لیا جاتا ہے۔ جہاں پرانے جھگڑے اور رقابتیں خاندان میں چلی آتی ہوں۔ وہاں رشتہ کرنا صریح طور پر لڑکی کو کوئیں میں دھکیل دینا ہے۔ ایسے والدین خدا کے سامنے قابل مواخذہ ہیں۔

دوسرے خاندانی رشتہ یا دولت و امارت کے سامنے لڑکے کے چال چلن کی مطلق پروا نہیں کی جاتی۔ حالانکہ سب سے ضروری چیز یہی تھی۔ جس کا لحاظ رکھنا ایک مومن مسلمان کا فرض تھا کیونکہ قرآن کریم کی رُو سے ایک مومن مرد کا نکاح ایک بدچلن عورت سے اور ایک مومن عورت کا نکاح بدچلن مرد سے حرام ہے۔ نکاح کے وقت لڑکی کے چال چلن کو تو بڑی تحقیق کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر لڑکے کے چال چلن کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اور کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ کیا ہرج ہے۔ مرد بچہ ہے۔ شادی ہو جائے گی۔ تو آپ درست ہو جائے گا۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ بگڑی ہوئی عادتیں سنورنی بہت مشکل ہوتی ہیں۔ شادی کے چند روز تو نئے نئے شوق میں اچھے گزرتے ہیں۔ لیکن بعد میں جب نیا شوق پورا ہو جاتا ہے۔ تو اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ پرانی عادتیں یکے بعد دیگرے اُبھرنے اور پھوٹنے لگتی ہیں۔ یہاں تک۔ کہ میاں

پھر انہی بیہودگیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ جن میں پہلے تھے۔ اور بیوی تمام عمر کے لئے جلنے اور سلگنے کو رہ جاتی ہے۔ اگر زیادہ شور و شغب کیا۔ تو میکہ بٹھا دیا۔ کہ پڑی سڑتی رہو۔ پس وہ والدین جو دولت کو دیکھ کر یا برادری کے بیچ میں آکر آنکھیں بند کر کے لڑکی کو ایک ایسے شخص کے ساتھ باندھ دیتے ہیں۔ جو نہ کوئی اصول رکھتا ہے۔ نہ عمدہ چلن رکھتا ہے۔ اور پھر جب پیچھے اپنی لڑکی کی تکلیف کو دیکھتے ہیں۔ تو ایک ایک کے آگے روتے پھرتے ہیں۔ اور تقدیر کو کوستے ہیں۔ میرے نزدیک وہ اسی سزا کے قابل ہیں۔ جس سزا کا مستوجب وہ ظالم شوہر ہے۔

تیسرے طلاق اور نکاح ثانی کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ اس مصیبت کے وارد ہو جانے کے بعد بھی اس کا ایک علاج تھا۔ مثلاً اگر کسی لڑکی کا رشتہ کسی ایسے شخص سے ہو گیا۔ جو شادی سے قبل بظاہر نیک اور شریف نظر آتا تھا۔ اور تحقیقات سے بھی اس کے خلاف کوئی بات نہ مل سکتی تھی۔ اور بعد میں واسطہ پڑنے سے وہ بہت برا آدمی ثابت ہوا۔ اور میاں بیوی میں بجائے محبت کے نفرت اور بیزاری پیدا ہو گئی۔ تو فرمایئے۔ اس کا علاج کیا ہو؟ مرد کے لئے تو آسان ہے۔ کہ بی بی کو میکہ بٹھا دیا۔ اور خود دوسرا نکاح کر لیا۔ مگر بیوی کیا کرے؟ اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہ تھا۔ کہ خلع کرا کے یعنی طلاق لے کر عورت کا بھی دوسرا نکاح کر دیا جائے۔ اسلام میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔ بڑی بڑی پیغمبر زادیوں نے ایسا کیا۔ حضرت اُم المومنین زینب جو حضرت نبی کریم صلعم کی پھوپی کی بیٹی تھیں۔ ایک غلام کے نکاح میں آئیں۔ اور جب آپس میں نہ بنی تو طلاق ہو گئی۔ اور اس مطلقہ سے خود نبی کریم صلعم نے نکاح کیا۔ حضرت عمر کی صاحبزادی حفصہؓ مطلقہ تھیں۔ اور حضرت نبی کریم سے نکاح ہو کر ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں۔ خود اہل بیت اور دیگر مسلمان خواتین صالحات سلف میں ایسے بہت سے نظائر موجود ہیں۔ جن کو میں طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتا ہوں۔ مگر ہمارے ہندوستان کے مسلمان جو انہی بزرگوں کی نسل سے ہیں۔ یا ان کے نام لیوا اور امت کہلاتے ہیں۔ اپنے ان بزرگوں کی وضع کی اگر آج تقلید کریں۔ تو شرافت میں بٹہ لگتا ہے۔ ہم چشموں میں ناک کٹ جاتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ عذاب ہے۔ جو آج ہماری بہنوں بیٹیوں پر مسلط ہے۔ اپنی بیٹی یا بہن کو جلتے کلپتے دیکھتے ہیں۔ اور اپنی ناک کو پکڑے بیٹھے رہتے ہیں۔ کہ کہیں یہ بغیر چھری کے نہ کٹ جائے۔ بغیر چھری کے اس لئے کہ ایک مظلوم کے لئے لڑنا اس کی حمایت کرنا۔ اور ایک ظالم کو سزا دلوانا۔

عین جوانمردی۔ شرافت اور قابل عزت چیز ہے ایک
مظلوم لڑکی آگ کے گڑھے میں گری ہوئی ہے
وہ معلقہ پڑی ہوئی ہے۔اس کی جوانی خاک میں
مل رہی ہے۔اس کی عمر برباد ہو رہی ہے۔باپ
ہیں۔کہ سرد آہیں بھر رہے ہیں۔اماں۔کہ شکل
دیکھ دیکھ کر روتی ہیں۔بھائی ہیں۔کہ غصے میں
کانپتے ہیں۔لیکن اگر یہ کہو۔کہ چلو ذرا عدالت کا
دروازہ کھٹکھٹاؤ۔اس ظالم پر مہر کا نان نفقہ کا
دعوےٰ کرو۔اس پر دباؤ پڑے گا۔تو یا تو بیوی
کو گھر میں لبسائے گا۔یا طلاق دینے پر راضی ہو
جائے گا۔ تو فوراً شرافت آڑے آجاتی ہے۔
اور تیور پر بل پڑ جاتے ہیں۔کہ حضرت آپ نے
ہمیں کوئی کمینہ سمجھ رکھا ہے۔خاندان کی ناک
نہ کٹ جائے گی!

میری سمجھ میں نہیں آتا۔کہ مظلوم کی حمایت کرنا
اُسے مصیبت سے نکالنا تو ناک کٹنے کا موجب
ٹھہرے۔اور ظالم ظلم کر کے بھی ناک مُنہ پر سلامت
لئے پھرے۔ درحقیقت خاندان کی ناک کاٹنے
والے تو وہ مرد ہیں۔جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں۔
اور انہیں معلقہ چھوڑ کر دندناتے پھرتے ہیں۔اور
کسی مظلوم خاتون کے حقوق دلانے کے لئے اگر
کوئی اخلاقی جرأت کر کے اُٹھے۔تو میرے خیال
میں یہ اس کے لئے شرافت کی ایک سند ہونی
چاہئے۔ یہ سب ہماری سوسائٹی کا قصور ہے جس
نے اپنا مطمح نظر ایسا غلط اور خلاف اسلام بنا رکھا
ہے۔ کیوں اس شخص کو پرلے درجے کا شریف
اور قابل عزت نہ سمجھا جائے۔جو ایک مظلوم عورت
کے حقوق دلانے کے لئے کسی جھوٹی شرم کو پاس
نہیں آنے دیتا؟ اور کیوں اس شخص کو حد درجے
کا کمینہ نہ سمجھا جائے۔جو ناحق ایک کمزور جنس کے
حقوق کو غصب کرتا ہے۔میرے خیال میں وہ
شخص یقیناً بائیکاٹ کرنے کے قابل ہے۔مگر ساتھ
ہی اس کے وہ باپ اور بھائی بھی پرلے درجے
کے بزدل اور شرافت سے عاری ہیں۔جو اپنی لڑکی
یا بہن کو جلتے اور خاک میں ملتے دیکھتے ہیں۔اور
پھر عملی ہمدردی نہیں کرتے۔اور محض آنسو
بہاتے رہتے ہیں۔ ان کی یہ بزدلی درحقیقت
ایک تیز چھری ہے۔جو ان کی ناک کو جڑ سے
اڑا رہی ہے۔ وہ مرد کہلاتے ہیں۔اور مسلمان
کہلاتے ہیں۔اور خدا اور رسول کے حکم کے مطابق
اپنی مظلوم لڑکی کو اس کے جائز حقوق دلانے
میں کوتاہی کرتے ہیں۔صرف اس طرح ان کی فرضی
ناک قایم رہتی ہے۔ اور پھر یہ کس قدر ظلم ہے۔کہ
مرد تو نکاح پر نکاح کرتے چلے جائیں۔اور عورت
کا ایک دفعہ نکاح کر کے ہندوؤں کی طرح اسے
ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ گویا عورت کے
لئے ہمارے رواج کا فتویٰ یہ ہے۔کہ شوہر سے
نہیں بنتی۔تو نہ بنے۔جس طرح بنے زندگی گزارو۔

چلو- مرو- جو چاہے کرو- مگر طلاق لے کر دوسرا نکاح غضب ہے۔ جس طرح ظالم شوہر خدا کے نزدیک قابل سزا ہے- اسی طرح یہ ظالم والدین خدا کے غضب کے نیچے ہیں- جو اپنی لڑکی کے نکاح ثانی کو خلاف شرافت سمجھتے ہیں۔ خدا اور رسول تو اجازت دیں- نہیں بلکہ حکم دیں- کہ بے شوہر کے عورت نہ رہنے پائے- مگر یہ ہندوستانی شریف اسے خلاف شرافت سمجھیں۔

جن دنوں میں میڈیکل کالج لاہور میں پڑھتا تھا- انارکلی میں رہا کرتا تھا۔ ایک خاندان سے ہمارے خاندان کے مراسم تھے۔ ان کی ایک لڑکی کا نکاح ہوا۔ پہلی خاصی منگنی اس لڑکی کے پھوپھی زاد بھائی سے ہو چکی تھی- مگر وہ نظر انداز کر دی گئی- کہ منگیتر غریب تھا- ایک دولت مند وکیل صاحب سے شادی کر دی۔ وہ شرابی آدمی بیوی سے بہت بدسلوکی سے پیش آیا- نشہ میں تھا- کچھ وکیل صاحب کی اماں بلائے بے درماں تھیں- ان کے سکھانے پڑھانے نے آگ پر تیل ڈالا- یہاں تک کہ چوتھی کی دلھن کو بجائے پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنے کے بید سے دُھنا گیا۔ غرضکہ بڑا شور قیامت مچا- ارد گرد کے بڑے بوڑھے شریف بزرگ سب اکٹھے ہوئے سمجھایا بجھایا گیا- مگر وکیل صاحب سنورنے والی آسامی نہ تھے۔ میں ان وکیل صاحب سے خود واقف تھا ان کو سمجھانا لاحاصل تھا۔ اس لڑکی کے پہلے منگیتر سے بھی میری واقفیت تھی- وہ بے چارہ بہت غریب مزاج آدمی تھا- میں نے اس سے پوچھا- کہ تم اپنی پرانی منگیتر سے نکاح کرنے پر راضی ہو؟ وہ فوراً راضی ہو گیا- بلکہ اپنی سابقہ منگیتر کے مصائب سُن کر رو پڑا- غرضکہ جب محلہ کے تمام سال خوردہ بزرگ ہار کر ایک جگہ سر جوڑے ہوئے بیٹھے تھے- اور لڑکی کے بزرگ گریہ وزاری میں مصروف تھے- تو میں یہ خوش خبری لے کر پہنچا- کہ مشکل حل ہو گئی ہے- آپ لوگ اس ظالم سے طلاق دلوا دیں- لڑکی کا پہلا منگیتر نکاح کے لئے تیار ہے۔ بس پھر کیا تھا وہ سارے بزرگ مجھے درندوں کی طرح لپٹ گئے اور مجھے صاف کہا گیا- کہ انگریزی پڑھ کر تمہارے دیدوں کا پانی ڈھل گیا ہے- نہ شرم رہی نہ حیا رہی بھلا شریفوں میں بھی طلاق اور نکاح ثانی ہوا ہے میں نے کہا- کہ جو کچھ ہو رہا ہے- یہ کونسی شرافت کا نمونہ ہے؟ مگر نقار خانہ میں طوطی کی آواز- بھلا کون سنتا تھا؟ جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔ یہ ہے وہ لعنت جو عورتوں کے مصائب کی سب سے بڑی کرتا دھرتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے- کہ لڑکے اور لڑکی کی مرضی جب تک اچھی طرح دریافت نہ کر لی جائے- کبھی شادی نہ کرنی چاہئے۔ اگر کسی وجہ سے لڑکی انکار کر دے- تو ہرگز والدین کو ضد نہیں کرنی چاہئے- اور اس کی مرضی کو مقدم کر لینا

چاہئے۔ اسی طرح لڑکے بے چارے چلاتے رہتے ہیں۔ اور والدین محض اپنے کسی رشتہ دار کے تعلق اور محبت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک لڑکی کو پسند کرکے لڑکے کے گلے باندھ دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ نااتفاقی اور بیزاری۔ دیہات میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ لڑکا کسی کالج سے ڈگری حاصل کرکے آیا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ بی بی چاہتا ہے۔ مگر ماں باپ اپنے خاندان کی کسی جاہل لڑکی سے زبردستی شادی کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ اکثر نکاح ثانی ہوتا ہے۔ اس میں لڑکے کسی قدر حق بجانب ہوتے ہیں۔ اور ظلم کے مرتکب لڑکے کے والدین ہوتے ہیں۔ ہمیشہ لڑکے اور لڑکی کی تعلیم۔ مذاق اور رجحان طبع کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ بعد میں ناموافقت طبعی امر ہے۔

پانچویں شادی کے موقع پر فریقین کو چاہئے۔ کہ ایک دوسرے سے کوئی بات مخفی نہ رکھیں۔ شادی سے قبل اپنی حیثیت کو بڑھا چڑھا کر دکھانا۔ اور بعد میں بیچ میں سے ڈھاک کے تین پات نکلنے۔ بری کی گرانقدر فرمائشیں اور جہیز کی فضول نمائش اور دیگر بیہودہ رسم ورواج۔ یہ سب بعد میں بہت بدمزگی اور رنجش پیدا کرنے کا موجب ہو جاتے ہیں۔

چھٹے۔ مہر مرد کی حسب حیثیت ہونا ضروری ہے۔ نہ اتنا زیادہ ہو۔ کہ گھر میں کبھی کوڑی نہ ہو۔ اور لاکھوں کا مہر بندھے۔ اور مرتے وقت بخشوایا جائے۔ اور نہ اتنا کم ہو۔ کہ مرد عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھ کر جب چاہے نکال پھینکے۔ بتیس روپے کے شرعی مہر کا شریعت اسلام میں کوئی وجود نہیں یہ خدا جانے کہاں سے آیا۔ اور کیوں شرعی مہر کہلانے لگا۔ مہر کا مطلب ہے عورت کے حقوق کی حفاظت۔ اس لئے اس قدر ہونا چاہئے۔ کہ مرد اس کو ادا کر سکے۔ اور اگر مرد بُرا سلوک کرے۔ تو عورت اس کا مطالبہ کرکے اپنے حقوق کی کسی قدر تلافی کر سکے۔

ایک اشارہ

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ سیاہ یا نیلے رنگ کے گرم کپڑوں پر کسی سفید کپڑے کا رُواں ہلکا ہلکا کچھ اس طرح چمٹ جاتا ہے۔ کہ جتنا بُرش سے صاف کرو۔ اتنا ہی وہ کپڑے کے ساتھ اَور چپاں ہو جاتا ہے۔ ایسے موقعے پر برش کے بالوں کے سروں کو تھوڑا سا پانی میں بھگو لینا چاہئے۔ اور اس بھیگے بُرش سے کپڑے کو ہلکے ہلکے صاف کر لیا جائے۔

احمد شاہ
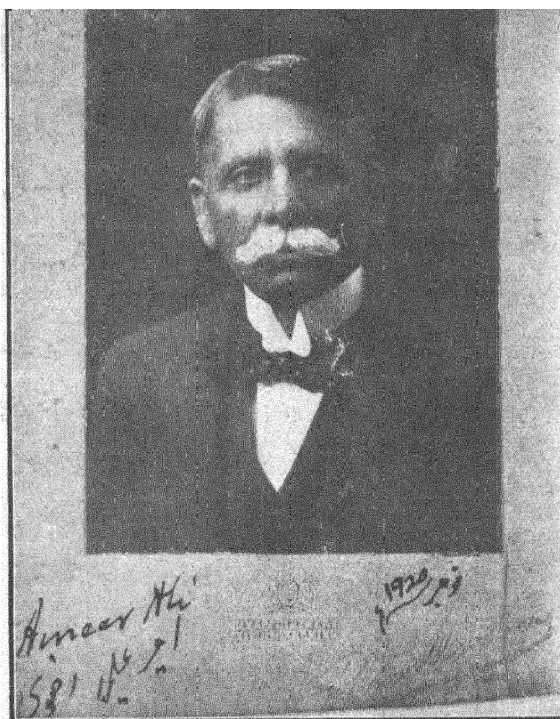
رائٹ آنریبل ڈاکٹر سید امیر علی مرحوم

جس قدر بے پردہ تعلیمیافتہ انگریز پارسی اور ہندو عورتوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان میں اب تک مجھے کوئی ایسی عورت نہیں ملی۔ جو اپنے شوہر کے ساتھ خود بھی روپیہ کماتی ہو۔ دوسرے اس ہمارے مفلس ملک میں جب مردوں کو روزگار میسر نہیں آتا۔ اور لاکھوں مرد بے شغل اور بے روزگار مارے مارے پھرتے ہیں۔ تو جب عورتیں بھی کمانے والوں میں شریک ہو جائیں گی۔ تو کام کرنے والوں کی تعداد دوچند ہو جانے سے شرح اُجرت نصف رہ جائے گی۔ اب ایک عہدہ کے لئے پچاس امیدوار ہوتے ہیں۔ اور اس عہدہ کی تنخواہ چالیس روپے ماہوار ہے۔ تو جب سو امیدوار ہوں گے۔ تو تنخواہ یقیناً بیس رہ جائے گی۔ ملازمت کے علاوہ یہی حال آمدنی کے اور صیغوں میں ہوگا۔ غریب مسلمان جن کے گھروں میں اس وقت پردہ ہے۔ ان کی عورتیں جب باہر نکلیں گی۔ تو مزدوری کی شرح گھٹ جائیگی۔ مردوں اور عورتوں میں جب باہم معاشی مقابلہ ہوگا۔ اس وقت کا خیال کرتے ہوئے بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔

اب رہ گیا تندرستی کا معاملہ کہ پردہ میں عورتوں کی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میرا یہ سوال ہے۔ کہ مرد تو پردہ نہیں کرتے۔ اور مردوں میں تعلیم و تہذیب بہت زیادہ ترقی کر گئی ہے۔ کیا کوئی دعویٰ سے کہہ سکتا ہے۔ کہ ملک کے اندر جس تعلیمی ترقی کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اور جس تعلیمی ترقی سے عورتوں کے محروم رہنے کا ہر وقت نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ اس ترقی نے ہمارے ملک کے مردوں کی صحت و تندرستی پر عمدہ اثر کیا ہے؟ اور کیا پیشتر کی نسبت حال کے تعلیم یافتہ مردوں کی صحت و تندرستی بہتر ہے؟ میں نے تو اخباروں میں یہی شکایت دیکھی ہے۔ کہ نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کی تندرستی خراب ہوتی جارہی ہے۔ اور برابر گورنمنٹ کو اسی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ کہ حفظ صحت کے بہتر انتظام کی سخت ضرورت ہے۔ جب مردوں کا یہ حال ہے۔ تو عورتیں صرف تعلیم پاکر کیونکر زیادہ تندرست بن جائیں گی؟

اب رہ گیا افغانستان اور ٹرکی کا نمونہ۔ سو اوّل تو پرائے ملک کی ریس کرنا کوئی عمدہ بات نہیں۔ دوسرے وہ ملک آزاد ہیں۔ رعایا اور حکمراں ایک قوم کے ہیں۔ دونوں کا نفع نقصان متحد ہے۔ ہمارے ملک میں وسائل معاش محدود ہیں۔ اور ان کی توسیع امرِ اختیاری نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ پردہ کا مسئلہ دراصل معاشرتی اور اقتصادی مسئلہ ہے۔ جب تک اس پہلو کو مدنظر رکھ کر اس مسئلہ پر بحث نہ ہوگی۔ اس کا حل بہت دشوار ہے۔

✤ ✤ ✤

نشاط باغ کشمیر

The Victoria Press,
Ry., Road, Lahore.

عجیب تجہیز و تکفین

(از محترمہ ذکیہ کاظم علی صاحبہ ایلور)

ملک چین میں تجہیز و تکفین کا نظارہ حیرت انگیز ہوتا ہے۔ امیر ہوں یا غریب تجہیز و تکفین پر بیحد خرچ کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ جس قدر زیادہ خرچ کیا جائے۔ اسی قدر مردہ دوسری دنیا میں زیادہ بآرام رہے گا۔ اور اس کو ثواب دارین حاصل ہوگا۔

شیرخوار بچہ مر جائے۔ تو قبر پر ماں کے دودھ کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ پندرہ سال کی عمر تک کسی کا انتقال ہو جائے۔ تو اس کی تجہیز و تکفین میں رسموں کی کوئی قید نہیں ہوتی۔

جب یہ یقین کامل ہو۔ کہ کوئی شخص یا بیمار قریب المرگ ہے۔ تو اس کے لئے مکان کے دالان کے عین وسط میں ایک پلنگ بچھا دیتے ہیں۔ اور اسے کفن پہنا دیتے ہیں۔ کفن بڑے اہتمام سے قبل از وقت ہر ایک اپنے لئے خود تیار کر رکھتا ہے۔ کفن پہنانے کے بعد بیمار کو پھر پلنگ پر لٹا دیا جاتا ہے۔ بیمار کا اپنے ہی پلنگ پر اور روزمرہ کے لباس میں مرنا منحوس خیال کیا جاتا ہے۔

چین کے متمول لوگوں کو دفن کرتے وقت ان کے بیش بہا زیورات بھی ان کے ساتھ ہی دفنا دئے جاتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں سنا گیا کہ وہاں یہ زیورات کسی نے کبھی قبر سے چوری کئے ہوں۔ جیسا کہ ہم اکثر ہندوستان میں سُنا کرتے ہیں۔ ادھر کفن چور بہت عام ہیں۔ چین کی یہ رسم نہایت قابل افسوس ہے۔ ہزاروں چینی تو بڑی تنگی ترشی سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور صرف قدیم رسم ورواج کی پابندی کے خیال سے روزمرہ مُردوں کے ساتھ اتنی ساری دولت دفن کر دی جاتی ہے!

ایک اور عجیب وغریب رسم یہ ہے۔ کہ بہت سا روپیہ ان چیزوں پر صرف ہوتا ہے۔ جو مُردے کے ثواب کی خاطر جلائی جاتی ہیں۔ ایک بوڑھی چینی عورت کا ذکر ہے۔ کہ اس نے ایک دفعہ بہت بڑی ضیافت کی۔ اور اس میں اپنے تمام دوست واقارب کو جمع کیا۔ تقریب یہ تھی۔ کہ اپنا ایک بڑا کاغذی مکان (ملک چین میں اکثر کاغذی مکان ہوتے ہیں۔) مع اعلیٰ فرنیچر کے نذر آتش کرنا تھا۔ صرف اسی عقیدہ پر کہ اپنی موت پر اس کے لئے دوسری دنیا میں

اس سے بہتر مکان تیار ہوگا۔ اور اس گھر کا جلانا گویا ثواب عظیم حاصل کرنا ہے۔

چینی لوگ مردے کے جسم کو کفن میں لپیٹ کر اس کے دونوں پاؤں آپس میں مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ اور پھر اس پر موٹے موٹے لحاف لپیٹے جاتے ہیں۔ آخری پوشش کسی قیمتی ریشم یا بھاری ساٹن کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ لاش کسی بڑے صندوق میں رکھ دی جاتی ہے۔ اور اس میں خوشبوئیں بھرنے کے بعد ڈھکنا لگا دیا جاتا ہے۔ ڈھکنے پر مردے کی ایک تصویر چسپاں کی جاتی ہے۔ پہلی شب میں اس صندوق کے ہر دو طرف سوکھی گھانس لگا دی جاتی ہے۔ اور ایک جانب سب مرد اور دوسری جانب سب عورتیں گویا اس کی حفاظت کو سوتی ہیں۔

مردے کے سب رشتہ دار سوگ کے زمانے میں صرف کفن کی وضع کا لباس استعمال کرتے ہیں۔ اُبلے چاول ان کی غذا ہوتی ہے۔ اور ۹۰ دن تک مرد داڑھی اور مونچھ کی حجامت نہیں کرتے۔ چینی لوگوں کا خیال ہے۔ کہ مرنے کے بعد نوے دن تک مردے کی روح اسی جگہ رہتی ہے۔ چنانچہ اس کی تعظیم کے لئے ضروری ہے۔ کہ حسن و سنگار سے بے پروائی برتی جائے۔ اور غذا میں سادگی سے کام لیا جائے۔ جو کفن مدت سوگ میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہ اس مدت کے بعد بڑی احتیاط سے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ اور کسی موقع پر کام آسکے۔

مقتول لوگوں کی لاش نوے دن تک بغیر دفنائے گھر ہی پر رکھی جاتی ہے۔ ایک خاص دن مقرر کیا جاتا ہے۔ جب دوست و اقارب آکر اس کو دیکھتے ہیں۔ رواج یہ ہے۔ کہ ایسے موقع پر ہر شخص حسب حیثیت مردے کے لئے کوئی چیز تحفتاً لے جائے۔ خواہ وہ زیور کی صورت میں ہو۔ یا پیسے کی صورت میں۔ یا کوئی اور چیز مثلاً مصنوعی آدمی۔ گھوڑا۔ گاڑی۔ موٹر کار وغیرہ۔ اکثر لوگ ریشمی تولئے لے جاتے ہیں۔ جن میں اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ کہ ان کا رنگ صرف سیاہ سفید۔ اودا یا سرمئی ہو۔ اور اوپر سنہری یا سیاہ حروف میں کوئی عمدہ مقولہ تحریر ہو۔ ان لوگوں کا پسندیدہ مقولہ ایسے موقع پر اکثر یہ ہوتا ہے۔ کہ "روح مغربی آسمان کو جاتی ہے"۔

کسی دوسرے وقت کوئی ملاقاتی آجائے۔ تو دربان ایک عجیب وحشت خیز باجے سے گھر کے لوگوں کو اس کی آمد کی اطلاع دیتا ہے۔ مہمان اندر پہنچ کر مردے کی تصویر کے آگے دو زانو ہوتا اور اس کی تعظیم کو تین بار جھکتا ہے۔

مدت سوگ تین سال ہے۔ پہلے سال سفید لباس اور سفید جوتے پہنے جاتے ہیں۔ اور سفید ہی کپڑے کی گرہ ٹوپی پر لگائی جاتی ہے۔ دوسرے دو سال سیاہ یا اودا رنگ استعمال کیا جاتا ہے۔

ان ایام میں کسی قسم کا ریشمی کپڑا نہیں پہنا جاتا - نہ کسی کو دعوت دی جاتی ہے - اور نہ کسی کی دعوت قبول کی جاتی ہے + تاش اور دوسرے کھیل بھی نہیں کھیلے جاتے عورتیں زیور نہیں پہنتی ہیں - کانوں میں ایر رنگ کے عوض سفید دھاگا باندھتی ہیں -

موت کے سو دن بعد سے آخری مدت تک چاندی کے زیور پہنے جاتے ہیں - اور سونے سے قطعی طور پر پرہیز کیا جاتا ہے +

مردے کو دفنانے سے ایک دن قبل وہ سب تحفے تحائف جو اسے موصول ہوتے ہیں - بڑی دھوم کے ساتھ پوجاریوں کے منتروں کے ساتھ دور کسی کشادہ مقام پر جلا دئے جاتے ہیں + اس دوران میں ایک شخص ایک لمبی لکڑی لئے اس کو دیوانہ وار اِدھر اُدھر مارتا ہے - جس سے ان لوگوں کا خیال یہ ہے - کہ اگر دوسری بد ارواح اس میں شرکت کی غرض سے آئیں - تو مار کے ڈر سے دور ہو جائیں + ان ارواح کو اُدھر طرف رجوع کرنے کے لئے تھوڑے سے چاول بھی ابال کر پھینکے جاتے ہیں + کاغذ کے مصنوعی سکے بھی ہوا میں اسی غرض سے اڑائے جاتے ہیں - کہ یہ روحیں ان کے چھیننے میں مشغول رہیں - اور ان جلتی ہوئی سب اشیاء کا ثواب تنہا اس ایک ہی روح کو پہنچے +

جنازہ بڑی شان و شوکت اور دھوم دھام سے اٹھایا جاتا ہے + عام طور پر چونسٹھ آدمی اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں - لیکن اٹھانے والوں کی تعداد کم سے کم بتیس اور زیادہ سے زیادہ اسی ہوتی ہے + جنازہ زریں ریشم سے ڈھانپا ہوتا ہے +

جنازہ جب مکان سے قبر کی طرف کو روانہ ہوتا ہے - تو گویا ایک شاندار جلوس ہوتا ہے - جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے + سب سے آگے بینڈ باجے کی ٹولی ہوتی ہے - اس کے پیچھے مردے کی خاص گاڑی یا موٹر کار - جس میں ان کا خیال ہے - کہ مردے کی روح بیٹھی رہتی ہے + اس کے بعد ایک بڑی سی خوب صورت کرسی پر مردے کا فوٹو رکھا ہوتا ہے - کبھی کبھی کرسی پر رکھنے کی بجائے چار آدمی فوٹو کو اٹھا لیتے ہیں + خوب صورتی کے خیال سے اس کے چوطرف پھول اور سبز پتے فریم کے طور پر لگا دئے جاتے ہیں + پھر عین درمیان میں سوگواروں میں سے کوئی خاص مرد ہوتا ہے - اور اس کے چاروں طرف قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں + اس سوگوار کے ہاتھ میں ایک بڑا جھنڈا لہرا رہا ہوتا ہے - جس پر مردے کا نام لکھا ہوتا ہے + اسی مجمع میں ایک لڑکا کاغذ کا بنا ہوا ایک مندر اٹھائے رہتا ہے - جو بعد دفن مردے کی قبر کے قریب جلا دیا جاتا ہے + ان خاص سوگوارو

کے پیچھے پیچھے مردے کے عزیز اور دوست آشنا ہوتے ہیں۔ ان کے بعد بدھ پجاریوں کا گروہ عجیب عجیب آواز والے باجوں کے ہمراہ منتر پڑھ رہا ہوتا ہے۔ اور ان کے عقب میں وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں کرائے پر رونے پیٹنے اور مردے کا ماتم کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ ان سب کے پیچھے جنازہ ہوتا ہے۔ جنازہ کے ساتھ ساتھ ایک آدمی دو چھوٹی لکڑیوں کے آواز سے جنازہ اٹھانے والوں کو چال اور قدموں کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا رہتا ہے۔ عجیب بات ہے۔ کہ لوگ اس کے اشارے پر اتنا بڑا جنازہ بغیر کھڑے ہوئے ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر تبدیل کر لیتے ہیں۔ جنازے کے پیچھے عورتیں چھکڑوں کی گاڑیوں میں جاتی ہیں۔ ان گاڑیوں پر سفید چادر منڈھی ہوئی ہے۔

جلوس کے ساتھ ساتھ آخر تک دونوں طرف مرد اور لڑکے سفید ریشمی جھنڈیاں۔ جھنڈے۔ قندیلیں اور پھول لئے ہوئے چلتے ہیں۔ درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں سے ڈراؤنی اور عجیب عجیب شکلیں بھی بنا کر یہ لوگ ساتھ رکھتے ہیں۔ یہ سب اشیا مردے کو دفنانے کے بعد نذر آتش کر دی جاتی ہیں۔

جنازہ کسی تونگر شخص کا ہو۔ تو جلوس کے ہمراہ چائے کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ راستے میں کئی ایک جگہ چھوٹے چھوٹے ڈیرے لگا دئے جاتے ہیں۔ جہاں چائے بنتی ہے۔ اور لوگ پیتے ہیں۔ مردے کی اولاد ہو۔ تو بڑے بیٹے کا فرض ہے۔ کہ مقررہ ایام میں یعنی چند ہفتوں تک قبر کے بازو میں ایک جھونپڑی میں رہے۔ اور ہمیشہ مردے کے نام پر عود اور لوبان جلائے۔ اور گئی ہوئی روح کی پوجا پاٹ کرے۔

ہر دولت مند خاندان اپنے قبرستان کے لئے ایک خاص جگہ کا انتظام رکھتا ہے۔ اور اس کو خوب بناتا سنوارتا اور مزین کرتا رہتا ہے۔ ایسی جگہوں میں جا بجا فوارے ہوتے ہیں۔ نہریں دوڑتی ہیں۔ نہروں کے کنارے بڑے بڑے سایہ دار درخت ہوتے ہیں۔ جن کے پُرسکون سائے میں نشستیں پڑی رہتی ہیں۔ ایک چھوٹا سا بنگلہ بھی اس میں بنا دیا جاتا ہے۔ ہر سال مہینے دو مہینے کے لئے عزیز یہاں آ رہتے ہیں۔ اور اس مقام کی نگہداشت کے لئے ایک نگہبان مقرر رکھتے ہیں۔ غرض قبرستان کیا ہوتا ہے۔ ایک پُرفضا جگہ یا گھر۔ بلو باغیچہ سمجھنا چاہئے۔

ہر شخص جو صاحب زر ہو۔ اپنی جمع کردہ دولت سے کچھ حصہ الگ اس لئے رکھ چھوڑتا ہے۔ کہ بعد مُردن اس کے کام آئے۔ اس کی اولاد یہ رقم اس کی تجہیز و تکفین اور پوجا پاٹ پر خرچ کرے۔ جس سے اس کو ثواب حاصل ہو۔

اہل چین کا خیال ہے۔ کہ آدمی کی تین روحیں

ہوتی ہیں۔ بعد مرنے کے ایک تو دوسری دنیا کو چلی جاتی ہے۔ جہاں اس کے اعمال کی پرسش ہوتی ہے۔ دوسری روح قبر میں ہوتی ہے۔ اور تیسری اپنے آبا و اجداد کی روح کے ہمراہ ہوتی ہے + ہر چینی گھر میں ایک عبادتگرہ اس غرض سے رکھا جاتا ہے۔ کہ اس میں اپنی وہ پاک کتاب رکھیں۔ جس میں سب خاندانی مُردوں کے نام درج ہوں + خاتون خانہ کی یہ خاص ذمہ داری ہوتی ہے۔ کہ ہر روز صبح یہاں ان کے نام پر عود لوبان جلایا کرے +

ہر سال موسم بہار میں روحوں کی پوجا ہوتی ہے۔ اور یہ مُردوں کی عید کہلاتی ہے یہ ایسی متبرک عید ہے۔ کہ غریب تک اسے منانا ضروری سمجھتے ہیں + اس موقع پر قبر کی ضروری مرمت بھی کروائی جاتی ہے۔ اور قبرستان کی صفائی بھی ہوتی ہے چینی موت سے ڈرتے نہیں۔ بلکہ اسے مبارک تصور کرتے ہیں +

+ + +

معاونین تہذیب

یہ امر موجب مسرت ہے۔ کہ تہذیبی بہنیں اپنے اخبار کی اشاعت بڑھانے میں مسلسل کوششوں سے ہمارا ہاتھ بٹا رہی ہیں + ہر مہینے معاونین تہذیب کی جو فہرست شائع ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تہذیب کی صوری و معنوی بہتری کے متعلق ہماری کوششیں نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی ہیں بلکہ بہنوں نے اس پسندیدگی کا عملی صورت میں اظہار کر کے ہمیں شکرگزاری کا موقع دیا ہے + ذیل میں ان معاونین کے اسمائے گرامی شکریہ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے گزشتہ مہینے میں تہذیب کے نئے خریدار بنائے ہیں:-

جناب حاجی ابوبکر حاجی ایوب صاحب۔ کراچی

مس ایس اسد اللہ صاحب۔ شملہ

محترمہ مسز خانصاحب محمد لطف۔ شملہ

محترمہ مسز ہاشمی۔ جاورہ

مس سکینہ صاحبہ۔ چتور

محترمہ اخلاق فاطمہ صاحبہ۔ کانپور

محترمہ ہمشیرہ صاحبہ عبدالحق صاحب۔ جموں

محترمہ زکیہ خاتون صاحبہ۔ مالیرکوٹلہ

محترمہ مسز سمیع اللہ شاہ صاحب۔ حیدرآباد

جناب محمود الحسن صاحب۔ بہیڑی

محترمہ ہمشیرہ آل ضامن صاحب۔ بیتول

جناب شیخ احمد صادق صاحب۔ امرتسر

چائے

(از محترمہ گ۔ ن صاحبہ بنت شیخ ابوالفضل صاحب وکیل کپورتھلہ)

سنہ ۱۹۲۴ء میں چائے کی کاشت و پیداوار کے متعلق تہذیب کی ایک دو اشاعتوں میں مختصر سے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن میں چائے کے منافع و مضار پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے متعلق مکمل واقفیت بہم پہنچانا چاہتی ہوں۔ تاکہ بہنیں اس کے صحیح طریق استعمال کی طرف راغب ہوں۔ ہندوستان کا کوئی شہر کوئی قصبہ اور کوئی گاؤں ایسا نہیں۔ جہاں چائے عام نہ ہو چکی ہو۔ اس کی مقبولیت و ہر دلعزیزی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اہل ہند و اہل یورپ کی کوئی مجلس کوئی اجتماع اور کوئی تقریب اس کے بغیر پُر رونق نہیں کہلا سکتی۔ اس میں شک نہیں۔ کہ چائے اکثر طبائع کو بہت موافق آتی ہے۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ بعض مزاجوں کے لئے یہ زہر کا کام کر جاتی ہے خصوصاً اس وقت جبکہ اس کا استعمال افراط سے کیا جائے۔

چائے متعدد ناموں سے مختلف مقامات میں زبان زد خاص و عام ہے۔ مگر چینی پیداوار ہونے کے لحاظ سے مروجہ نام رکھنے کا سہرا چینیوں ہی کے سر باندھا جا سکتا ہے۔ دور اوّلین میں چونکہ ملک چین کے صوبہ خطا کی چائے مشہور اور عمدہ ہوتی تھی۔ اور ابتداءً یہیں اس کے پودے پائے گئے تھے۔ اس لحاظ سے چائے کے ساتھ خطا کی نسبت لگا کر چائے خطائی بولی جانے لگی۔ چین کے بعض پرگنوں میں چائے کو "لاٹائے" بھی کہتے ہیں۔ اس کا انگریزی نام "ٹی" اسی لفظ "ٹائے" کی بدتر یا بہتر صورت ہے۔ لاطینی اسے "تھی" کہتے ہیں۔ اور اہل عرب نے پہلے تو چائے کو "صائے" کہا۔ اور اب کثرت استعمال سے "شائے" کہا کرتے ہیں۔

چائے کی پیداوار ابتداءً صرف ملک چین میں ہی ہوا کرتی تھی۔ لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اس ملک میں کب سے رائج ہے۔ اس کی ابتدائی تجسس و تحقیق کی نسبت بہت سی دلچسپ اور مختلف روایات بیان کی جاتی ہیں جن میں سے چند ایک ہدیہ ناظرین تہذیب ہیں:۔

چین کے ایک بادشاہ نے ۲۷۰۰ سال قبل مسیح میں اس کی تاثیرات کو اس طرح دریافت کیا تھا۔ کہ اپنے کسی درباری پر ناراض ہو کر اسے شہر بدر کر دیا تھا۔ وہ بیچارہ پہاڑوں اور جنگلوں کی آوارہ گردی کی تکلیف سہ کر غذا نہ ملنے کی وجہ

سے بہت کمزور وناتواں ہو گیا تھا۔ چہرہ زرد۔ جسم لاغر۔ اعضاء سخت کمزور ہو گئے تھے۔ ایک دن شدت اشتہا میں اس نے اس چائے کی پتی کو نادانستہ طور پر کھالیا۔ کھانے کے بعد اسے سیری معلوم ہوئی۔ اب اس نے روزانہ یہی معمول کر لیا۔ کہ جب اشتہا غالب ہوتی۔ ان پتیوں سے شکم سیری کر لیتا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے اپنے بدن میں غیر معمولی تغیر و تبدل پایا۔ اس اثناء میں اتفاقاً بادشاہ کے کسی مصاحب سے اس کی ملاقات ہوئی۔ جب اس مصاحب نے خلاف توقع اس کو قوی و توانا دیکھا۔ تو اس نے متعجب ہو کر اس کی وجہ دریافت کی۔ واقعہ معلوم کر کے اس مصاحب نے بادشاہ کے حضور میں عرض حال کیا۔ بادشاہ نے معتوب کو بلا کر جب اس بیان کی تصدیق کر لی۔ تو طبیبوں کی ایک جماعت بنا کر اس کی تحقیق کرائی۔ چنانچہ اسی وقت سے چائے کا رواج عام ہونے لگا۔

۲-بدھ مذہب کے ایک بزرگ جن کی وفات ۹۴۵ء میں ہوئی۔ چائے کی ابتدائی تحقیق کے متعلق جاپانیوں کا یہ افسانہ بیان کرتے ہیں۔ کہ زمانہ قدیم میں عابد لوگ جب دن رات ریاضتیں کیا کرتے تھے۔ تو اکثر نیند حارج ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک بزرگ نے اسی بنا پر اپنی آنکھیں نکال ڈالیں۔ مگر نیند کو آنکھ کی عدم موجودگی سے

کیا نسبت ہے۔ غنودگی اور نیند نے اسے پھر پریشان کرنا شروع کیا۔ آخر میں اس نے صدق دل سے دعا مانگی۔ تو ایک دیوتا نے اسے چائے کا استعمال کرنا سکھایا۔ اور پھر رفتہ رفتہ اس کے خواص ظاہر ہو کر عام ہو گئے۔

۳-صوبۂ خطا کا ایک گروہ سیر و سیاحت میں مصروف تھا۔ ایک روز جنگل میں کھانا پکا کر نادانستہ اسی چائے کی پتی اور شاخ سے اسے ڈھک کر دوسری ضروریات میں محو ہو گئے۔ جب تناول طعام کے لئے تیار ہوئے۔ تو کھانے کو نہایت گلا ہوا اور خوشبودار پایا۔ اس واقعہ کا اظہار اطباء و حکماء کے نزدیک کیا گیا۔ ان لوگوں نے امتحان کر کے اسے ہاضم طعام قرار دیا۔ اور بتدریج اس کا رواج ہونے لگا۔ مندرجہ بالا روایات تاریخی اعتبار سے کہاں تک قابل اعتبار ہیں۔ اور ان میں کسی حد تک صداقت ہے۔ اس کے متعلق کچھ عرض نہیں کیا جا سکتا۔

سطور بالا سے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی ہو گی۔ کہ چائے کے فوائد کس طرح لوگوں پر ظاہر ہوئے۔ اور اسے کیونکر دنیا نے مفید اور کارآمد شے تصور کیا۔ جب اس کی اہمیت دلوں میں محسوس ہونے لگی۔ تو لوگوں نے اس کی زراعت کی طرف عام توجہ شروع کر دی۔ ورنہ چین کے بعض مقامات پر اس کے

درخت خودرو ہوتے تھے۔ اور انہیں کوئی آنکھ
اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ محققین یورپ نے
کیمیائی طور پر جب چائے کا امتحان کیا۔ تو اس
میں بے شمار مفید اجزا پائے گئے۔ پھر کیا تھا۔
اس سے جلب منفعت کے لئے تدابیر سوچی جانے
لگیں۔

چونکہ چین سے دوسرے ممالک میں چائے
نہایت کم اور سخت پابندیوں کے ساتھ جاتی تھی
اس لئے اہل یورپ نے اسے عام کرنے کا تہیہ
کر لیا۔ چنانچہ ۱۸۲۶ء میں چائے کا ایک وسیع
باغ "جاوا" میں لگا دیا۔ اور پھر ہندوستان
کی سرزمین کو اس کی زراعت کے لئے موزوں
پا کر مختلف مقامات مثلاً آسام۔ سیلون نیلگری
دہرہ دون۔ کانگڑہ اور شملہ وغیرہ میں اس کی
کاشت کی بنیاد ڈال دی گئی۔ چنانچہ اب ہندوستانی
چائے نہایت قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھی
جانے لگی ہے۔

چائے کے پودے کو لاطینی زبان میں
کیملیا تھیلا کہتے ہیں۔ پتے ایک انچ سے دو
انچ تک لمبے انار و مہندی کے پتوں کے مشابہ
مگر دندانہ دار اور گہرے سبز رنگ کے ہوتے
ہیں۔ پھول سفید رنگ کے چنبیلی کے پھول کے
مانند ہوتے ہیں۔ البتہ بیچ میں زرد رنگ کی کیسی
ڈنڈیاں ہوتی ہیں۔ ہر پھول سے ایک پھل پیدا
ہوتا ہے۔ جس میں تین بیج کرنجوہ کے برابر اور اس
کے ہم رنگ ہوتے ہیں۔ جن پر چھلکا نہایت باریک
اور ہلکا ہوتا ہے۔ درخت قد آدم اونچا انار و مہندی
کی طرح ہوتا ہے۔ عام طور پر درخت سے ایک ایک
پتی شاخ توڑتے ہیں۔ اور کافی احتیاط رکھتے
ہیں۔ کہ پتیاں ٹوٹنے نہ پائیں۔ کیونکہ درمیان سے
ٹوٹ جانے کے باعث ذائقہ اور خوشبو میں کمی واقع
ہو جاتی ہے۔

ماہرین طب مغرب نے چائے کی کیمیائی تحلیل
کر کے بیان کیا ہے۔ کہ چائے میں جتنے اجزا پائے
جاتے ہیں۔ ان میں تھی ئین اور ٹے نن دو چیزوں
کی مقدار نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔ عمدہ چائے میں تھی ئین
زیادہ ہوتی ہے۔ اور خراب چا میں ٹے نن۔ سبز
اور کالی چائے میں مقابلتہً اول الذکر بہتر ہے۔
کیونکہ اس میں جوہر تھی ئین اور خوشبو زیادہ مقدار
میں پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اعصاب میں
تحریک اور قویٰ میں تقویت زیادہ پہنچتی ہے۔ اور
سیاہ چائے میں ٹے نن زیادہ پایا جاتا ہے جس
کی وجہ سے یہ قابض ہو جاتی ہے۔ تحقیق جدیدہ
کی رو سے اگر اعتدال سے اس کا استعمال کیا
جائے۔ تو نظام عصبی میں تحریک کر کے طبیعت
کی سستی۔ کاہلی اور تکان کو رفع کر دیتی ہے۔ دل
اور نبض کی حرکت کو تیز کرتی ہے۔ دوران خون
تیز ہو جانے سے حواس اور قویٰ چست اور طبیعت

بشاشت ہوجاتی ہے۔ پسینہ کھل کر آتا ہے۔ تقوی قلب بھی ہے۔ سردی کے اثر سے محفوظ رکھنے میں بے مثال ہے ÷

پُرانی اور ناقص چائے ہرگز استعمال نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ مرطوب ہوا لگنے سے اس کی خوشبو نیز مفید اجزا اُڑ جاتے ہیں۔ اور تاثیر بھی بدل جاتی ہے۔ اس لئے چائے استعمال کرنے والوں کو چاہئے۔ کہ پُرانی چائے ہرگز استعمال میں نہ لائیں۔ اور زیادہ دیر تک رکھ کر استعمال نہ کریں ÷ ہاں اگر پُرانی یا مدت سے کھلی ہوئی چائے کو چند منٹ کہیں برتن میں ڈال کر اور گرم کر کے ڈبہ میں بند کر کے رکھ لیں۔ تو اکثر ٹھیک بھی ہوجایا کرتی ہے ÷

چائے کو زیادہ جوش دینے سے اس کے مفید اجزا جل جاتے ہیں۔ یا تحلیل ہو کر بخارات کی شکل میں اُڑ جاتے ہیں۔ اور اس میں اصل خواص نہیں رہتے۔ اس لئے چاء کو زیادہ پکانا نہ چاہئے۔ ورنہ قبض کی شکایت ہوجاتی ہے ÷ جو لوگ چائے پینے سے قبض کی شکایت کرتے ہیں۔ اس کا یہی سبب ہے۔ کہ وہ چائے کو زیادہ جوش دے کر استعمال کرتے ہیں ÷ چائے ہمیشہ انگریزی طریق سے پکا کر استعمال کرنی چاہئے۔ یعنی کم جوش دیکر۔

چائے کا زیادہ استعمال صفراوی مزاج والے اشخاص کے لئے مضرت رساں ہے۔ البتہ بلغمی مزاج والے اشخاص دارچینی۔ بادیان خطائی دانہ الائچی کلاں کے ہمراہ نوش کریں۔ تو نہایت مفید ثابت ہوتی ہے۔ اگر پیاز لہسن وغیرہ کے کھانے کے باعث منہ سے بدبو آتی ہو۔ تو ایسی حالت میں بھی اس کا استعمال نفع مند ہے ÷ بلغمی کھانسی کے لئے گل بنفشہ۔ اصل السوس کے ہمراہ چائے کو بھی جوش دے کر اگر استعمال کیا جائے۔ تو نہایت فائدہ رساں ہے ÷ ڈاکٹر جاڑوں کے موسم میں تپ پیدا کرنے والی ہوا کی سمیت کو دفع کرنے کے لئے بلغمی مزاجوں کے لئے چائے کو نہایت عمدہ غذا اور دوا تجویز کرتے ہیں ÷ سطور بالا کے تحریر کرنے سے چاء کے فوائد وغیرہ تو ناظرین تہذیب کو معلوم ہوچکے ہیں۔ اب یہ بتا دینا بھی مناسب ہوگا۔ کہ چائے نوشی کے نقصانات اور مضر اثرات کیا ہیں۔ تاکہ چاء کے دلدادہ اس کے کثرت استعمال سے بچنے کی کوشش کریں۔ بلکہ اعتدال سے بصحیح طریق پر استعمال کریں ÷

چائے کے مضر اثرات یہ ہیں ÷ چائے اپنی حدت کے سبب دانتوں اور مسوڑوں کی بعض رطوبات کو کم کر کے انہیں ضعیف و کمزور بنا دیتی ہے ÷ (۲) جو غدود منہ میں لعاب پیدا کرتے ہیں۔ چائے کی حدت کے باعث کم اور خشک ہوجاتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ لعاب جو ہضم میں اعلیٰ معین و مددگار ہوتا ہے۔ اپنی قلت کی وجہ سے اپنا فعل پوری طرح انجام نہیں دے سکتا ÷

۳۔ معدے پر چائے کا یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ جہاں چائے معدے میں گئی۔ تو بوجہ مخالفت مزاج کے معدہ فوراً سکڑ جاتا ہے۔ تاکہ اس کے ضرر کا مقابلہ کرے ۔ یہ بات اس کو اپنے فعل سے باز رکھتی ہے۔ اور فعل ہضم و تصرف غذا میں سخت نقص واقع ہوتا ہے۔ اور جب فعل میں کمی ہوئی۔ تو غذا بھی جاتا رہے گا۔ لہذا اشتہا یعنی بھوک بھی جاتی رہتی ہے۔ (۴) انتڑیوں پر بھی معدہ ہی جیسا اثر پڑتا ہے۔ ان کی قوت جاذبہ و دافعہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اور بعض اوقات دائمی قبض و پیچش جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ (۵) جگر پر بھی چائے کا مضر اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ اس کی کثرت یرقان، ضعف و صلابت جگر وغیرہ امراض کا باعث ہوتی ہے۔ (۶) گردے بھی اس کے اثر بد سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ علاوہ کئی اور امراض کے مصائب کے دق جیسا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ وغیرہ بالخصوص مستورات اور بچوں پر مذکورۂ بالا اثرات کے علاوہ یہ اثر بھی پڑتا ہے۔ کہ بچوں میں نمو کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لہذا بچوں کے لئے تو ہرگز اس کا استعمال نہ کرنا چاہئے۔ عورتوں کو کئی ایک نسوانی امراض کی شکایات بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ غرضکہ ایک گرم ملک کے رہنے والوں اور اور گرم مزاج اشخاص خصوصاً جوان لوگوں کو چائے کا کثرت استعمال بہت سے امراض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ فرانس کے ایک مشہور ڈاکٹر نے حال ہی میں کثرت چائے نوشی کے متعلق اپنی تحقیقات اس طرح حوالہ قلم کی ہے۔ کہ جو لوگ بکثرت چائے نوشی کرتے ہیں۔ ان کے دماغ کی نازک رگیں کمزور اور قوت سامعہ خفیف ہو جاتی ہے۔ دل دھڑکتا ہے۔ اور چہرہ کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد بخار اور روحی تکالیف ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ مزاج تشکی اور وہمی ہوتا ہے۔ جب یہ علامات رونما ہوتی ہیں۔ تو جس طرح افیونی وغیرہ ہر مرض کی دوا افیون کو جانتے ہیں۔ اور اس کے استعمال میں کثرت کرتے ہیں۔ چاء نوش بھی اسی خیال سے چائے کو زیادتی کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ جب یہ مرض مزمن ہو جاتا ہے۔ تو امراض قلب میں زیادتی اور اعصاب میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔"

فرانسیسی ڈاکٹر کی مذکورہ بالا تحقیق سے چائے کے مضر اثرات کی پوری پوری طرح تائید ہوتی۔ اس لئے ہمیں اس کے صحیح اور مناسب طریق استعمال کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ تندرست۔ جوان معتدل اشخاص کے لئے ۲۴ گھنٹے میں دو مرتبہ اور سخت سردی میں پانچ پانچ چھ چھ گھنٹے کے وقفے کے ایک ایک پیالی پی لینا کچھ مضر نہیں ہے۔ عمدہ چاء کی پہچان اور اس کی اقسام کے متعلق کسی آیندہ اشاعت میں روشنی ڈالی جائے گی۔

دیگچی میں سر

(از جناب حامد اللہ صاحب افسر بی اے۔ میرٹھی)

سلیمن کا گھر چیلوں کے کوچہ میں تھا۔ دروازہ پر ایک پرانا ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جس کے نیچے کا حصہ گل کر گر چکا تھا۔ کہیں سے کم کہیں سے زیادہ۔ ایک دالان تھا۔ ایک کوٹھڑی۔ چھوٹے صحن میں ٹین ڈال کر باورچی خانہ بنا لیا تھا۔ چولہے کی مٹی اکھڑی ہوئی۔ ادھر اُدھر دو ایک تانبے کے باقی مٹی کے بے دھلے برتن پڑے ہوئے۔ مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ صحن کے بیچوں بیچ الگنی پر ایک چھینٹ کا پاجامہ پڑا ہوا۔ پورب کی طرف والی دیوار کے نیچے اینٹوں کی ایک گھڑونچی تھی۔ دو گھڑے رکھے تھے۔ جن کا رنگ میل سے کالا ہو گیا تھا۔ ایک کی جگہ خالی تھی۔ ایک گھڑے پر تانبے کا کٹورا بے قلعی کا۔ دالان میں پچھم کی طرف والے در کے پاس ایک جھلنگا پڑا ہوا۔ اس پر ایک پرانا گدا بے دھنکے پن سے لپٹا ہوا۔ جگہ جگہ سے گودڑ نکلا ہوا۔ اس کے پاس ایک میلا دوپٹہ آدھا۔ جھلنگے پر آدھا زمین پر۔ پلنگ کے بیچ میں ایک مٹی کی رکابی کناو ٹوٹی۔ جس کی دال انگلیوں سے چاٹی گئی تھی۔ ستون کے پاس طوطے کا پنجرہ رکھا ہوا۔ خالی۔ دو تیلیاں ٹوٹی ہوئی۔ پنجرے کے اوپر آٹھ نو برس کے بچے کا میلا کرتا پڑا ہوا۔ جس کی ایک آستین غائب۔ کوٹھڑی کے ایک کواڑ پر ڈیلون کے لٹھے والی تصویر لگی ہوئی۔ کوٹھڑی کے اندر جگنو کباڑی کی دکان کا نقشہ۔ مگر ایسا گویا بندر ابھی اسے چھوڑ کر گئے ہیں۔

سلیمن بیوہ تھی۔ اس کے میاں امام خاں سادہ کار کو مرے ہوئے چار برس ہو گئے تھے۔ گوٹا بن کر پیٹ پالتی۔ بوڑھی ماں ساتھ رہتی تھی۔ آٹھ نو برس کا ایک بچہ "ٹما" گھر کا چراغ تھا۔ بڑا بے ڈھنگا۔ الھڑ اور خود رائے۔ صبح ہوئی۔ بے منہ دھوئے رات کی باسی روٹی کھائی۔ کبھی ننگا۔ کبھی ایک کرتا گلے میں ڈالے باہر چلدیا۔

دن کے دس بجے کا وقت تھا۔ سلیمن کی ماں کوٹھڑی میں کپڑے بدل رہی تھی۔ سلیمن آٹا گوندھنے کے لئے پانی لینے جا رہی تھی۔ دیکھتی کیا ہے۔ ٹما دروازہ سے روتا چلا آ رہا ہے۔ سر پر دیگچی اوڑھے ہوئے جو گردن تک آ کر پھنس گئی ہے۔ پانی چھوڑ کوستی کاٹتی اس کے پاس پہنچی "گھر گیا۔ مرنا پھرے ہے۔ اس لڑکے نے ناک میں دم کر دیا۔ منہ جھلسے یہ دیگچی میں سر کیوں ٹھونس دیا"۔ سلیمن نے بہتیرا کوشش کی۔ دیگچی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ گھبرائی

ہوئی ماں کے پاس پہنچی۔" اری اماں! دیکھ تو سہی۔ ٹما نے کیا کر لیا!" ماں بولی۔" آگ لگے ٹما کی صورت کو۔ مہینہ بھر میں تو دھوبن کپڑے لائی ہے۔ بدلنے بیٹھی۔ تو ٹما ٹما کہتی سر پر آ چڑھی منہ کالا کر مجھے نہ ستا۔"

سلیمن بولی۔" بھاڑ میں جائیں تمہارے کپڑے۔ ذرا دیکھو تو سہی۔ بچے کے سر میں دیگچی پھنس گئی۔ گھر گیا۔ مر جائے گا۔"

ماں۔ دیگچی پھنس گئی۔ تو نکال کیوں نہیں دیتی میری جان کو رونے کیوں آ مری؟

سلیمن بڑبڑاتی ہوئی پھر دیگچی والے سر پہنچی جس کے اندر سے برابر رونے کی آواز آ رہی تھی لاکھ کوشش کی۔ مگر اس نے بھی نکلنے کا نام نہیں لیا۔ ہائے میرے اللہ اب کیا ہو! اب میں اپنے ٹما کا منہ کیوں کر دیکھوں گی؟

اتنے میں بوڑھی ماں بھی کوٹھڑی سے نکل آئی دونوں نے مشورہ کر کے ایک لکڑی دیگچی کے اندر ڈالی۔ مگر اس سے کچھ نہ ہوا۔ لڑکا اَور زیادہ رونے لگا۔ لکڑی اس کی ناک میں جا کر لگی تھی۔ جتنا وہ دیگچی کو کھینچنے اور اوپر اٹھانے کی کوشش کرتیں اتنی ہی اس کے اندر کی آواز بڑھتی جاتی۔ سلیمن بے تاب ہو کر رونے لگی۔ بوڑھی ماں نے بھی بھرائی ہوئی آواز میں بیٹی کا ساتھ دیا۔ پاس پڑوس کے گھروں میں آواز پہنچی۔ ایک ایک کر کے بیس پچیس پڑوسنیں جمع ہو گئیں۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دینی شروع کی۔ گھر طرح طرح کی آوازوں سے بھر گیا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک بولی بچے نے صبح سے کچھ کھایا نہیں ہے۔ مٹ گیا بھوکا ہوگا۔ دوسری بولی۔ میرے یہاں کیلے رکھے ہیں۔ چنو کے ابا رات لائے تھے۔ ان کی عادت ہے۔ رات دن پھل پھلاری لاتے رہتے ہیں۔ بہن مجھے تو ایسا شوق ہے نہیں۔ زبان کی چاٹ بری۔ دال روٹی خدا دے جائے۔ تو بہت ہے۔ میں تو جانوں دیگچی میں کیلا جا سکتا ہے۔ نرم سا۔ دیکھنے کے لئے آتی ہوں۔ ایک آدھ کیلے کی بات ہی کونسی ہے؟ چیز ہو۔ تو کام میں آ ہی جاتی ہے"۔

بولی۔" اتنی جگہ نہیں ہے۔ کہ اس کے منہ تک کیلا پہنچ سکے۔ ابھی ابھی دیگچی کے اندر لکڑی ڈالنی چاہی تھی۔ کچھ نہ ہوا۔"

عبد اللہ بساطی کی بیوی بولی۔" اسے ہے بیچارہ پیاسا ہوگا۔ چیختے چیختے گلا سوکھ گیا ہے"۔ بوڑھی ماں بولی۔" میں تو جب ہی سے کہہ رہی ہوں۔ کہ اسے پیاس بہت لگی ہے۔ پر میری سنتا کون ہے" سلیمن نے کہا۔" اپنی ہی کہے جاتی ہیں۔ بھلا اتنی دیگچی میں پانی کیونکر ٹھہرے گا"؟ کھڑکی والی بی بی بولیں۔" پانی تو پلانا ہی چاہئے۔ اسے لٹا کے پانی ڈالو۔ اور جو یوں بھی کام نہ چلے۔ تو تھوڑی دیر کے لئے ٹانگیں پکڑ کر الٹا کر دو۔ تب پانی ڈالو۔ دو چار

بوند تو حلق میں پہنچے ہی گا"۔

سلو ماما نے کہا۔ میں ٹانگیں پکڑ کے اُٹھائے لیتی ہوں۔ آؤ کوئی پانی ڈالو۔ ابھی آٹھ دن ہوئے ہیں میں نے اکیلی نے گوٹی لوہار کی لاش کو نہلانے کے لئے تختے پر نہیں لٹایا تھا۔ خدا میرا جانے وہ ڈیل ڈول تھا۔ کہ دیکھا کرے"۔

سلیمن بولی" دور پرے میرے بچے کو ہاتھ لگایا۔ تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ تو ج تو اس کے بدن کو چھوئے۔ میں خود نہ اٹھالوں گی"۔

جمن بولی" کیا کر رہی ہو۔ کچھ عقل بھی ہے بچے کے دماغ میں خون آجائے گا۔ پھر اس کا بچنا دو بھر ہو جائے گا"۔

دھنو گدن نے کہا۔" ہٹو بھی مجھے ایک ڈنڈا دو۔ میں ابھی دیگچی کو توڑے دیتی ہوں"۔

سلو ماما" اور سر میں جو چوٹ آئے گی؟"

دھنو۔ آں ں۔ . . بڑی چل کے آئی۔ سر میں چوٹ آئے گی۔ ہر کام میں ٹانگ اڑانے کو موجود ہے۔ بڑی چتر اہے۔ تو نکال نہ دے۔ چوٹ آئے تو آؤ۔ جان تو بچ جائے گی"۔

سلو ماما۔ اے واہ۔ میں تیرے منہ نہیں لگتی ہوں لگائی۔ چترا ہوگی تو۔ تیرے باپ ہوئے۔

بوڑھی دادی بولی" نہیں ری۔ ڈنڈا ونڈا کچھ نہیں آتا۔ میری تین روپے کی دیگچی ٹوٹ جائیگی۔ بچے کے تھوڑی بہت چوٹ تو کچھ ایسی بات نہیں آرام ہو جائے گا۔ دیگچی پھر کس گھر سے آئے گی؟"

اتنے میں پڑوس والے منشی جی نے ڈیوڑھی سے آواز دی۔ وہ دیگچی پھنسنے کا قصہ سن کر آئے تھے۔ انہوں نے کہا" ذرا تم سب ہٹ جاؤ۔ تو میں دیگچی نکال دوں گا" چھپنے والی عورتیں ہٹ گئیں۔ سلیمن گھونگٹ نکالے ایک طرف کھڑی رہی سلو دھنو۔ اور دو ایک موجود رہیں۔

منشی جی اندر آئے۔ بوڑھی دادی آنکھوں میں آنسو بھر کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی" بھیا اللہ ہی ہے۔ جو اب ٹما کی جان بچے" منشی جی نے مسکرا کر کہا" تم اطمینان رکھو۔ میں ابھی اس کی جان بچائے دیتا ہوں۔ بوڑھی بولی" بھیا یہ خیال رکھنا دیگچی ہاتھ سے نہ جائے"۔

منشی جی نے دو چار منٹ کی کوشش ہی میں دیگچی نکال دی۔ سلیمن حیرت سے دیکھ کر بولی" اے توبہ یہ ٹما تھوڑا ہی ہے۔ نہ جانے مُوا کس کا ہے۔ اور اماں دیگچی بھی تو ہماری نہیں ہے۔ خاک پڑے کیا عقل پہ پتھر پڑ گئے تھے"۔

پیرس سے خط

ہمارے بھائی براج کل پی ایچ ڈی کی غرض سے انگلستان میں ہیں۔ وہ چھٹیوں میں پیرس گئے تھے۔ وہاں سے انہوں پیرس کے حالات لکھے ہیں۔ جو بہنوں کی دلچسپی کے لئے لکھتی ہوں ٭

ش - ف

آپ کو معلوم ہے۔ کہ میں تیرہ جولائی کو یہاں پہنچا۔ پیرس مجھے بہت پسند آیا۔ لندن سے اچھا ہے۔ آجکل موسم بھی بہت خوب ہے۔ میرے آنے کے دو تین دن بعد تک تو بہت گرمی تھی۔ لیکن اب موسم بدل گیا ہے٭ رات کو ہوا بہت اچھی ہوتی ہے٭ ہم دو تین ہندوستانی اس ہوٹل میں ہیں۔ رات کو کھانے کے بعد ٹہلنے نکل جاتے ہیں۔ اکثر دریا کے کنارے کنارے سیر کرتے ہیں٭ دریا میں رنگ برنگ کی روشنیوں کا سایہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جگہ جگہ پل بنے ہوئے ہیں۔ اکثر پل پر کھڑے ہو کر سیر دیکھتے رہتے ہیں٭ اس کا افسوس ہے۔ کہ فرانسیسی نہیں بول سکتا۔ ورنہ زیادہ اچھی طرح سیر کر سکتا۔ تاہم کسی نہ کسی طرح کام چلا لیتا ہوں٭ تھوڑی بہت جو پہلے سے جانتا تھا۔ اس سے کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔ ورنہ مجھے بھی وہی کرنا پڑتا۔ جو سنا ہے۔ ایک صاحب نے کیا تھا٭ وہ کھانے کے لئے ایک ہوٹل میں گئے۔ مرغی کھانا چاہتے تھے۔ بہت کوشش کی۔ کہ کسی طرح ویٹرس کو اپنا مدعا سمجھائیں۔ مگر اشارہ سے کام نہ چلتا تھا۔ آخر تنگ آ کر انہوں نے بہت زور زور شور سے اپنی باہیں ہلانا شروع کیں۔ جیسے کوئی پرندہ بازو پھڑپھڑاتا ہے۔ اور زور سے کہا۔ ککڑوں کوں٭ روایت ہے۔ کہ ویٹرس ان کا مطلب سمجھ گئی۔ اور مرغی انہیں کھانے کو مل گئی ٭

یہاں کے لوگ بہت سی باتوں میں ہندوستانیوں سے ملتے جلتے ہیں٭ بات کرنے کا طریقہ۔ آواز اور لہجہ بھی بہت مشابہ ہے٭ سودے والے بالکل اسی طرح آواز لگاتے ہیں۔ جیسے ہندوستان میں بعض دفعہ صبح کو جب میری آنکھ کھلتی ہے۔ اور بازار میں کسی سودے والے کی آواز آتی ہے۔ تو تھوڑی دیر کے لئے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ میں ہندوستان ہی میں ہوں۔ اور کوئی آدمی "خالی بوتل - حلوہ گرم یا پنیر کا مزہ تو سوں میں لو کہتا ہوا جا رہا ہے٭ امریکہ کے لوگ یہاں بہت آتے ہیں۔ شہر کے ایک حصہ میں انہی کی وجہ سے تقریباً سب دکاندار انگریزی سمجھتے ہیں۔ اور بول سکتے ہیں٭ کئی دکانوں پر لکھا رہتا ہے۔ کہ یہاں انگریزی بولی جاتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے۔ کہ ادھر کی طرف اکثر پولیس کے سپاہیوں کی بانہہ پر ایک فیتہ سا بندھا ہوتا

ہے۔ جس پر انگریزی میں لکھا رہتا ہے - کہ انگریزی میں گفتگو کرسکتا ہے۔ لندن میں تو کہیں بھی کوئی فرانسیسی بول کر کام نہیں چلا سکتا ؛

یہاں کی دل چسپ جگہیں قریباً سب میں دیکھ چکا ہوں ۔ پیرس بہت بارونق شہر ہے۔ یہاں ہر شخص خوش - بے فکر اور بیکار معلوم ہوتا ہے۔ لوگ بازاروں میں یونہی اِدھر اُدھر سیر کرتے پھرتے ہیں۔ برخلاف لندن کے جہاں ہر شخص مشغول اور منزل مقصود کی طرف سرعت سے جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ پیرس کے لوگ بازار کو ہی گھر سمجھتے ہیں۔ لڑکے لڑکیاں گلی کوچوں میں کھیلتے پھرتے ہیں۔ عورتیں اپنے گھروں کے سامنے بیٹھی دکھائی دیتی ہیں۔ کوئی بچے کو بہلا رہی ہے۔ کوئی کشیدہ کاڑھ رہی ہے۔ کوئی گپ زنی میں مشغول ہے۔ جگہ جگہ قہوہ خانوں میں روشنی کی چکا چوند اور گاہکوں کا ہجوم رہتا ہے۔ سب قسم کے آدمی ادنیٰ - اعلیٰ - امیر غریب - بوڑھے جوان سیر تماشے کے دلدادہ اور شریف گھر والے اکیلے بیٹھے محو خیال یا اپنے ساتھیوں سے ہاتھ ہلا ہلا کر باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ فرانسیسی بہت ملنسار لوگ ہیں۔ وہ ہر جگہ ہر کسی سے باتیں کرنے میں تامل نہیں کرتے۔ اور انگریزوں کی طرح سرد مہر اور الگ تھلگ رہنے والے نہیں ۔ پہرے پر کھڑے ہوئے پولیس کے سپاہی بھی کسی آتی جاتی خوش شکل لڑکی سے چند منٹ بات چیت کے نکال لیتے ہیں۔ اور میں نے بس اور ٹریم چلانے والوں کو دیکھا ہے کہ مسافروں سے بات چیت اور ہنسی مذاق کرتے جاتے ہیں۔

پیرس میں اجنبی بڑی تعداد میں مقیم ہیں ۔ گہرے رنگ والی سب قوموں کے آدمی اہل عرب - الجیریا کے رہنے والے حبشی - سیامی وغیرہ وغیرہ ۔ اگرچہ ہندوستانی یہاں بہت کم موجود ہیں ۔ یہ سب لوگ فرانسیسی باشندوں کے ساتھ برابری سے رہتے ہیں۔ اور یہاں رنگ کا امتیاز بالکل نہیں پایا جاتا ۔ ٹیونس - الجیریا اور مراکش کے باشندوں کی تعداد یہاں کی شرقی آبادی میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ لوگ اکثر بہت گورے چٹے ہوتے ہیں۔ اور ان میں اور فرانسیسیوں میں زیادہ تر لباس کی وجہ سے امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ شکل و شباہت کے لحاظ سے دونوں قوموں میں چنداں فرق نہیں۔ اور فرانسیسی عام طور پر ایسے اُجلے بھی نہیں ہوتے۔ جیسے انگریز۔ مراکش وغیرہ کے باشندے رات کے وقت قہوہ خانوں میں خوب صورت رئیس اور ادنیٰ غالیچے ۔ شالیں اور رنگ برنگ کے ہار لیکر آتے ہیں۔ اور گاہکوں سے شستہ فرانسیسی میں بڑی ہوشیاری سے باتیں کرتے ہیں ؛

پیرس کے قابل دید مقامات میں وہ مسجد بھی شامل ہے۔ جس کے متعلق چند سال ہوئے ہم نے

پیرس کی مسجد

سنا تھا۔ میں چار مرتبہ اس مسجد میں گیا ہوں۔ یہ
شہر کے نسبتاً ایک خاموش اور الگ تھلگ حصہ
میں واقع ہے۔ اور میری جائے قیام سے کچھ زیادہ
دور نہیں، باہر سے دیکھنے میں یہ مسجد کچھ آنکھوں
میں نہیں جچتی۔ سامنے کھڑے ہو کر دیکھو۔ تو ایک
دیوار۔ ایک مصری قطع کا مینار اور خوب صورت
منقش لکڑی کا دروازہ نظر آتا ہے۔ مگر اندر داخل
ہونے پر آپ ایک دل کش صحن میں پہنچ جاتے
ہیں۔ جس میں قسم قسم کے پھول اور پودے لگے
ہوئے ہیں۔ موسائی فرش میں فوارہ لگا ہوا ہے۔
جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ وہ ایک بڑا سا ہال
ہے۔ جس کے بیچ میں ایک گنبد ہے۔ اور ایک
کھلا صحن۔ جس کے دو طرف مسقف درے ہیں
ہال میں ایک خوب صورت ممبر ہے۔ اور چھت
میں ایک بجلی کی روشنی کا جھاڑ آویزاں ہے۔ اس
مسجد میں لکڑی کی جالیاں بہت خوب صورت
ہیں۔ اور پچیکاری و منبت کاری بہت عمدہ کی گئی
ہے۔ مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا باغ ہے۔ جس کے
قریب ایک عرب کا قہوہ خانہ ہے۔ اس قہوہ خانے
میں بالکل مشرقی رنگ ہے۔ وہاں آپ لذیذ عربی
کھانے کھاتے ہوئے منبجیرے۔ تنبورے اور تالیوں
کی آواز سے محفوظ ہوتے ہیں۔ کھانے کے بعد آرام
سے دیوان پر بیٹھ کر آپ نارگیلا نوش فرما سکتے ہیں
اور اپنے تخیل میں عہد ہارونی کے بغداد کی سیر
کر لیتے ہیں۔

میں تھوڑی تھوڑی فرانسیسی سیکھ رہا ہوں۔
سُننے سنانے روز ایک دو فقرے یاد کر لیتا
ہوں۔ یہاں کے دکاندار اکثر اپنی مادری زبان
کے علاوہ جرمن اور انگریزی بھی بول سکتے ہیں
اس وجہ سے ہم لوگوں کو آسانی رہتی ہے۔
انگلستان کے دکان دار ایسے زباں داں نہیں
اس وجہ سے اگر کوئی انگریزی نہ جانتا ہو۔ تو
انگلستان میں اس کا گزارہ مشکل ہو جاتا ہے۔

یہاں سب چیزیں تقریباً لندن سے سستی
ہیں۔ صرف سگرٹ بہت مہنگے ہیں۔ انگریزی
سگرٹ تو کوئی ڈیڑھ گنے یا دو گنے داموں پر
ملتے ہیں۔ فرانسیسی سگرٹ کسی قدر سستے ہیں۔ مگر
بہت برے ہوتے ہیں۔ کالا تمبا کو ہوتا ہے۔ اور
بہت تیز۔ برخلاف اس کے شراب ایسی سستی
ہے۔ کہ کوئی پانی نہیں پیتا۔ جب کہیں ہم کھانا
کھانے جاتے ہیں۔ تو پہلا سوال یہی ہوتا ہے۔
کہ پینے کے لئے کیا چاہئے۔ اور جب پانی مانگتے
ہیں۔ تو بہت تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ پانی یہاں
ایسا صاف بھی نہیں ہوتا۔ جیسا لندن میں۔

دستکاری

ساڑھی کے لئے خوبصورت بیل

مجھے یقین ہے۔ کہ بیل کی مندرجہ ذیل ترکیب کو تہذیبی بہنیں پسند فرمائیں گی۔ اس کی ترکیب سہل ہے۔ خرچ بھی زیادہ نہیں آتا۔ اور ساڑی پر بنی ہوئی بہت خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔

۱- اشیاء ضروری۔ مہین گنجی دار جالی Stiff fine net. ۲ گز

۲- سنہری بٹی ہوئی کلابتون ایک تولہ

۳- چمکدار سنہری سلمہ ۲ تولہ

۴- سادی سلمہ ایک تولہ

۵- سینل سبز ایک سکین۔ گلابی ایک سکین Embroidery Chenille grass green.

۶- سنہری تاگے کی ریل نمبر ۵۰

دو انچ چوڑا بنت کا فیتہ حسب ضرورت (یہاں ساڑی یا دوپٹہ کے لئے عموماً ۸ گز بنائی جاتی ہے۔) کاٹ لیں۔ اور ایک دوسرے سے باہم جوڑ کر دوہرا کر لیں۔ اب چوڑان صرف ایک انچ رہ جائے گی۔ پھر نیچے خاکہ رکھ کر پنسل سے نقشہ کھینچ لیں۔ اکثر بہنیں تو ہاتھ میں تھام کر کاڑھتی ہیں۔ لیکن اس طرح صفائی بہت کم ہوتی ہے۔ میرے خیال میں اس کی نسبت فریم (چوکھٹا) پر کاڑھنے سے صفائی کے علاوہ کام بھی بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ نقشہ نمبر ا دیکھو۔

پہلے ذر کو (یعنی تار لپٹی ہوئی کلابتون) تار کی طرح بیل کی ڈنڈی پر ٹانک لیں۔ نقشہ نمبر ۲

نمبر ۴ کی سوئی سے پھول کی پنکھڑیوں میں گلابی سینل کے دو یا تین ٹانکے لگائیں۔ تاکہ پنکھڑی کا درمیانی حصہ سینل سے ڈھک جائے۔ دیکھئے نقشہ نمبر ۳

اسی طرح پتی کو بھی سبز سینل سے بھر دیں۔ پھول پتی کی بیرونی لکیر پر چمکدار سلمہ ٹانکیں۔ نقشہ نمبر ۴

نیز ڈنڈی پر اس انداز کا لمبا ٹکڑا کاٹ کر سوئی کو نمبر ۶

نقشہ نمبر ا

مس بالیسي دستور کرسٹ جي پیدري

انجمن مذاہب عالم منعقدہ لندن میں ہندوستان کی نمائندہ خاتون

The Victoria Press,
Ry. Road, Lahore.

کے پاس نکال لیں۔ سلمہ کے ٹکڑے کو اسی سوئی
کی مدد سے ٹانکے رکھیں۔ اور دوسری سوئی
سے ٹانک لیں۔

اب پھول کی ڈنڈی کے پاس جو نشان
(۱۱) ہے۔ اس پر سادی سلمہ کے ننھے چھوٹے
چھوٹے ٹکڑے لگائیں۔ اس بیل کو گلابی یا سبز
ساڑی پر لگائیے۔ از حد زیب دے گی۔
(نوٹ) سیاہ مخمل کے فیتے پر بھی یہ بیل بن سکتی
ہے۔

میرے پاس اس بیل کے تین نمونے موجود
ہیں۔ کسی تہذیبی بہن کو دیکھنے کی خواہش
ہو۔ تو طلب کریں۔ بخوشی روانہ کردوں گی۔
بشرطیکہ جلد واپس کردیں۔ تاکہ اور بہنوں
کو بھی فائدہ پہنچ سکے۔

خدیجہ باتی۔ بمبئی
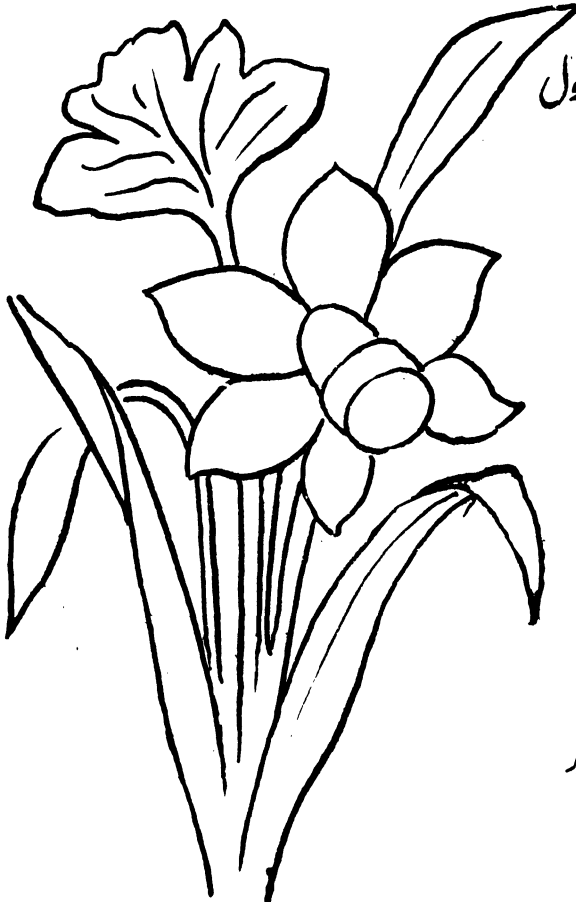
رومال کا پھول

یہ پھول خوان پوش
اور تکیہ کے غلاف کے
لئے نہایت موزوں
ہے۔ اوپر کا پھول پھیکا
نیلا یا گلابی بناؤ۔ پتیاں
پھیکی اور گہری سبز۔
نیچے کا پھول۔ پنکھڑیاں
گہری گلابی۔ اور درمیانی
حصہ ایسے ہی موزوں
رنگوں کا۔ ڈنٹھل چاکلٹ
یا سیاہی مائل سبز۔

فاطمہ بیگم بنگلور

دسترخوان پر

شاہی پلاؤ

ایک عمدہ کبابی مرغ لو۔ اس کا پیٹ چاک کر کے اور آلائش نکال کر صاف کر لو۔ پھر دہی گرم مصالحہ اور پسا ہوا نمک خوب اندر باہر ملو۔ اور کانٹوں سے چبھو کر مصالحہ اندر تک پہنچا دو۔ پھر گوشت خصی کا قیمہ کر کے اور چنے کا ستو قیمہ میں ملاکر اور انڈے کی سفیدی ڈال کر چھوٹی چھوٹی کلیاں بنا رکھو۔ انڈے کی زردی میں دھنیا اور پیاز ملاکر گھی میں بھون لو۔ پھر تھوڑا تھوڑا قیمہ کی کلیوں میں بھر کر اور کوفتہ سا باندھ کر دہی اور ادرک کے پانی میں پکاکر گھی میں بھون لو۔ اور ان کوفتوں کو مرغ کے پیٹ میں بھر کر اوپر سے سلائی کر دو۔ پھر مرغ کے بازو ٹانگوں اور سر کو ایک جا کر کے باندھو۔ اور سیخ پر چڑھا کر دہی کا چھینٹا دیتی جاؤ۔ جب کباب تیار ہو جائے۔ تب اس کو علیحدہ کر چھوڑ دو۔ (مرغ کے پیٹ میں آلو کے بھرتے اور پیاز بریاں کی ہوئی اس کے ساتھ بھری جاتی ہے۔)

پھر ایک سیر گوشت کی یخنی نکال کر دو حصے کر کے ایک حصے میں پاؤ بھر باسمتی چاول پکاؤ۔ اور دوسرے میں ایک پاؤ بھی مٹر کی دال پکاؤ۔ نمی اس قدر ڈالنا چاہئے۔ کہ صرف چاول اور دال چھپ جائیں۔ یخنی میں چند لونگ یا پانچ چھوٹی الائچی۔ ۲ ٹکڑے دارچینی۔ تھوڑی گول مرچ۔ تھوڑا نمک اور ذرا سا دھنیا ایک کپڑے میں باندھ کر ڈال دو۔ جب یخنی تیار ہو جائے۔ تو دھنیا نکال کر پھینک دو۔ اب پکی ہوئی دال اور پکے ہوئے چاول اکٹھے کر کے ایک دیگ میں دم پر چڑھاؤ اور پاؤ بھر گھی اوپر سے گرم کر کے ڈال دو۔ ڈھکنے بند کر کے اوپر تلے انگارے رکھ دو۔ اور بار بار دیگ کو ہلاتی رہو۔ کہ جل نہ جائے۔ جب تیار ہو جائے۔ تو ایک رکابی میں مسلم مرغ پہلے رکھو۔ مگر اس کے پاؤں کھول دو۔ پھر اوپر سے پلاؤ رکھ کر گھلا ہوا زعفران اور گلاب چھڑک دو۔

خاکسار ام الحلیمہ مریم۔ کلکتہ

خربوزہ کا لذیذ حلوہ

اول ازدہ خربوزہ لے کر اس کے چھلکے اتار ڈالئے۔ پھر اس کو کدوکش پر خوب باریک گھس ڈالیں۔ اس کے بعد دودھ میں پکالیں۔ جب خوب گھل جائے۔ تو اس میں قوام تیار کر کے ڈال دیں۔ پھر کیوڑہ اور زعفران پیس کر ڈالیں۔ نہایت لذیذ ہوتا ہے۔

مس منظور احمد رزاقی

محفل تہذیب

میری والدہ محترمہ مشتاق فاطمہ صاحبہ اہلیہ خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم نے ۵۰ سال کی عمر میں چھ مہینے علیل رہنے کے بعد اس دار ناپائدار سے رحلت کی۔ اور ہم سب بہن بھائیوں کو تڑپتا چھوڑ گئیں۔ مرحومہ نہایت نیک خلیق۔ متواضع اور رحم دل بی بی تھیں۔ تمام عمر کسی شخص کی دل آزاری نہیں کی۔ یتیم بچوں پر ہمیشہ شفقت کی نظر رکھتی تھیں۔ صوم و صلوۃ اور امور شرعیہ کی بیحد پابند تھیں۔ تہذیبی بہنیں دعا کریں۔ کہ خدا مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور بھائی بہنوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ۵/ روپے ارسال ہیں۔ کسی نادار بہن کے نام ایک سال کے لئے تہذیب جاری کر دیں۔ غمزدہ سیدہ خاتون ہمشیرہ خواجہ غلام السیدین محلہ سادات۔ پانی پت

ایک بہن نے ایسی کتاب کا پتہ پوچھا ہے۔ جس میں ترکاری اور پھل دار درختوں کی پیدا کرنے کی ترکیب درج ہو۔ ان کو چاہئے۔ کہ ایک فہرست سیڈ اسٹورز نزد راما تھیٹر دہلی سے طلب فرمائیں۔ اس میں چند کتابیں باغبانی و کاشت کے متعلق لکھی ہیں۔ جو بہن صاحبہ کے شوق کو پورا کرنے کو کافی امداد دیں گی۔ حفصہ بیگم ملیح آباد

میرے دونوں کانوں میں دو ڈھائی سال سے سخت تکلیف ہے۔ دونوں کانوں میں پہلے خوب خارش ہوتی ہے۔ بعد میں درد شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹری اور یونانی سب علاج کرا رہی ہوں۔ مگر کچھ آرام نہیں ہوتا۔ درد پندرہ روز کے واسطے بند ہو جاتا ہے۔ پھر وہی تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ برائے مہربانی کوئی بہن یا بھائی اس مرض کی دوا بذریعہ تہذیب بتائیں۔ ممنون ہوں گی۔ نیز میرے لڑکے کی آنکھیں ہر وقت خون کی طرح سرخ رہتی ہیں۔ اس کی بھی کوئی دوا بتائیں۔ جس سے سرخی کٹ جائے۔ مسز برکت اللہ انسپکٹر تھانہ پاٹن سی پی پولیس۔

نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں۔ کہ بتاریخ ۹ ربیع الثانی میری بڑی ہمشیرہ کو خدا نے چاند سی بیٹی عطا فرمائی ہے۔ بہنیں اس لڑکی کی درازی عمر کے لئے دعا فرمائیں۔ بنت سید شفیق احمد سب ڈویژنل افسر۔ لشکر گوالیار

میری لڑکی کے کان اور گال پر پیدائشی سیاہ داغ ہے۔ کوئی بھائی یا بہن بذریعہ تہذیب دوا بتائیں۔ آمنہ

ولائتی معلومات

(خاص تہذیب کے لئے)

خاوند کی تربیت

ویسٹ اینڈ کے ایک کارخانہ میں عورتوں نے میاں بیوی کے تعلقات پر بحث و مباحثہ کی غرض سے ایک جلسہ منعقد کیا۔ جس میں متاہل زندگی کے تمام پہلوؤں پر بڑی مفید اور نتیجہ خیز بحث ہوئی۔ بحث کے دوران میں اس رائے کا اظہار کیا گیا۔ کہ شادی شدہ مرد کنوارے مردوں کی نسبت بہت زیادہ بے پروا اور غیر محتاط ہوتے ہیں۔ جہاں تک کہ بعض اوقات نہایت قیمتی دستاویزات اور نوٹ وغیرہ کوٹ کی جیب میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کپڑے دھوبی کو دیتے وقت گھر والی کو خاص احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔

اس پر بحث کرتے ہوئے مشہور و معروف ناول نویس مسز بیلی رینالڈس نے کہا۔ کہ جو بیوی اپنے خاوند کو مناسب طرز عمل پر کاربند دیکھنے کی خواہش مند ہو۔ اسے چند چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔ مثلاً

۱- خاوند کی حد سے زیادہ اصلاح کی کوشش نہ کرے۔

۲- ایک کمرہ ایسا ہونا چاہئے۔ جس کی صفائی کا خیال رکھنے کے لئے خاوند پر کوئی پابندی نہ ہو۔ اور جس میں وہ حسب دلخواہ کاغذ کی کترنیں اور اس قسم کا اور کوڑا کرکٹ پھینک سکے۔ اس کی صفائی اور سامان کی ترتیب کے متعلق میاں کے طرز عمل پر اعتراض نہ کرنا چاہئے۔

۳- کفایت شعاری میں خاوند کی مدد کرے۔ اور ضرورت پڑے۔ تو روپیہ پیسہ کی دیکھ بھال اور آمد و خرچ کا حساب تیار کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائے۔

۴- اگر ممکن ہو۔ تو خاوند کی ظاہری صورت بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مسز موصوفہ نے فرمایا۔ بیوی کی شخصیت کا میاں پر کیا اثر ہوتا ہے؟ کیا وہ اپنے میاں کے طرز زندگی میں اصلاح کر کے اسے بہتر بنا دیتی ہے؟

"میرے خیال میں جو عورت اپنے خاوند کے عادات و اطوار میں حد سے زیادہ تغیر پیدا کرنے کی خواہش مند ہو۔ اس کی ذہنیت قابل رحم

ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنے میاں سے اس امر کی توقع رکھ سکتی ہے۔ کہ میاں سارے گھر کو کباڑ خانہ نہ بنائے۔ بلکہ صرف ایک کمرے کی صفائی کا ستیاناس کرنے پر اکتفا کرے۔ اور باقی گھر کی صفائی اور سامان کی ترتیب بیوی کی مرضی پر چھوڑ دے + میرا عقیدہ ہے۔ کہ کوئی عام انسانوں کا سا مرد اس وقت تک خوش نہیں رہ سکتا۔ جب تک اسے ایک کمرہ اپنی مرضی کے مطابق صاف یا کوڑے کرکٹ سے بھرا ہوا رکھنے کی آزادی نہ ہو۔ جہاں وہ حسب دلخواہ سامان کی ترتیب میں تغیر و تبدل کر سکے +

"میاں بیوی کو ہمیشہ داد وستد کے مقولہ پر عمل کرنا چاہئیے۔ یعنی میاں تو بیوی کے جذبات کا خیال رکھے اور بیوی اپنے میاں کو ہر معاملے میں ٹوکنے سے احتراز کرے + میرے خیال میں متاہل زندگی کے تلخ اور ناخوشگوار ہو جانے کی سب سے بڑی وجہ عام طور پر یہ ہوتی ہے۔ کہ بیوی اپنی رائے کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے لگتی ہے۔ اور سب کو اسی رائے کی پیروی پر مجبور کرنا چاہتی ہے +

"کوئی بیوی خاوند کو حد سے زیادہ صاف ستھرا رہنے پر مجبور نہیں کر سکتی + اگر میاں کو فطرۃً صفائی سے محبت نہ ہو۔ تو بیوی کا اس کے رویّہ میں حد سے زیادہ تغیر و تبدل کی کوشش کرنا اس کی

طبیعت پر گراں گزرے گا۔ جس سے بیچارے کی زندگی خواہ مخواہ اجیرن ہو جائے گی +

"اگر میاں کو بیوی سے محبت ہو۔ تو وہ خود ہی کفایت شعار بننے کی کوشش کرے گا + عام طور پر اس قسم کا مرد اگر اپنی بیوی کو گھر کے اخراجات کے معاملے میں سمجھ دار اور سلیقہ شعار پائے۔ تو روپیہ پیسہ کے قصّے اسی پر چھوڑ دیا کرتا ہے۔ اور اکثر حالات میں بیوی یہ کام میاں سے بہتر طریق پر سرانجام دے سکتی ہے +

"بعض بیویاں اپنے خاوندوں کی ظاہری صورت بہتر بنانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ اور نہیں مناسب لباس پہنے بغیر باہر نہیں جانے دیتیں لیکن مجھے ایسے کئی واقعات معلوم ہیں۔ جن میں بیوی کو میاں کے مقابلہ میں شکست نصیب ہوئی کیونکہ بعض خاوندوں کا بے ڈھنگا لباس پہننے اور ظاہری آراستگی سے بے پروائی کا مرض لاعلاج ہو چکا ہوتا ہے + اس معاملہ میں بھی میاں بیوی کی باہمی محبت سب سے زیادہ بروئے کار آتی ہے +

"بخلاف اس کے بعض خاوند غیر معمولی طور پر صفائی پسند ہوتے ہیں۔ اور بیوی کی بے پروائی سے ان کا ناک میں دم آ جاتا ہے + اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس معاملے میں بعض بیویاں اپنے خاوند کی زندگی ناخوشگوار بنا دیتی

ہیں۔

"شادی ایک بالکل ذاتی معاملہ ہے۔ اس لئے یہ ناممکن ہے۔ کہ میاں یا بیوی میں سے کوئی ایک اپنی جبلی عادات ترک کرکے ہر موقع پر دوسرے کی تقلید کرے۔ میرے خیال میں جہاں تک گھر کی صفائی اور سامان کی ترتیب وغیرہ کا تعلق ہے۔ آج کل کے لڑکے اور لڑکیاں اپنے اسلاف کی نسبت زیادہ قابلیت کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ان کے گھروں میں کوڑا کرکٹ کم ہوتا ہے اور عام طبقہ کے نوجوان عموماً سادہ زندگی کو پسند کرتے ہیں"۔

بچوں کی نشو و نما

ننھے بچوں کے بڑھنے پھولنے کا زمانہ اکثر والدین کے لئے بے حد فکر و تشویش کا زمانہ ہوتا ہے۔ ان دنوں میں بچوں کے دماغ اور جسم میں جلد جلد تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ جس کا اندازہ ماں باپ کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ اور وہ ذرا ذرا سی بات پر فکر مند ہو جاتے ہیں۔

ان ایام میں سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ کہ بچہ حد سے زیادہ تکان زدہ نہ ہونے پائے۔ جو بچہ جلد جلد بڑھ رہا ہو اگر وہ جلد تھک جائے۔ تو والدین کو گھبرانا نہیں چاہئے۔ نشوو ارتقا کے عمل سے اس کے جسم کو ایک غیر معمولی کشمکش برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اور جسم کو اس کشمکش کا عادی ہونے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے۔ اس وقت تکان کا بہترین علاج یہ ہے کہ بچے کو اچھی خوراک ملے۔ اور آرام کرنے کا زیادہ موقع دیا جائے۔

اگر سکول کی دماغی و جسمانی محنت کے بعد چھٹیوں پر گھر آکر بچہ عین وقت پر سیر کے لئے جانے کی بجائے پلنگ پر لیٹا نظر آئے۔ تو اسے کاہل مت سمجھو۔ یہ ایک فطری امر ہے۔ کام کے بعد آرام کی سب کو خواہش ہوتی ہے۔ اور جب دماغ پر سے افکار کا بوجھ کسی قدر کم ہو جائے۔ تو آرام نسبتاً زیادہ خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ ان دنوں میں بچے اوسط سے زیادہ معنی خیز یا بے ڈھنگی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ والدین کو اس پر زیادہ توجہ نہ دینی چاہئے۔ کیونکہ اس طرح فائدہ کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ عام طور پر یہ حالت عارضی ہوتی ہے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد خود بخود درست ہو جاتی ہے۔

بہت سی مائیں ان دنوں میں اپنے بچوں کے پاس تک بیٹھنے سے گھبراتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہمیں بچوں کو یہ سمجھانے میں کسی طرح بھی کامیابی نہیں ہوتی کہ آج کل تمہارا جسم ارتقائی منازل طے کر رہا ہے اس لئے بچوں کو خود نئی نئی باتیں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یا پھر یہ ہوتا ہے کہ ماں بچے کو ایک طرف

لے جاتی ہے۔ اور بڑے غور و خوض کے بعد ازحد متانت سے آنے والی تبدیلیوں کا تذکرہ مجہول انداز میں کرنے لگتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ بچہ اس ملاقات کے بعد کچھ خوف زدہ سا معلوم ہوتا ہے۔ اور یا اپنی ماں کو یہ کہہ کر حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔

ان ایام کے متعلق سب سے زیادہ یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ بچہ کے لئے قدرتی طور پر اس کی جسمانی حالت کے مطابق ماحول اور حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ بشرطیکہ بڑے بوڑھے اور دوسرے بچے ان حالات کو غیر قدرتی نہ بنا دیں۔ یا نامناسب کتابوں کا مطالعہ اس کے خیالات کی رَو کو کسی اور طرف منتقل نہ کر دے۔

اس زمانہ میں بچوں میں تحقیق و تجسس کی عادت ہوتی ہے۔ اور وہ نئی نئی معلومات حاصل کرنے کے لئے سوال پر سوال کیا کرتے ہیں۔ بعض لوگ بچوں کو یہ کہ کر ٹال دیا کرتے ہیں۔ کہ تیرہ چودہ سال کی عمر میں یہ باتیں خود بخود تمہاری سمجھ میں آ جائینگی۔ لیکن یہ طریقہ مناسب نہیں۔ والدین کو چاہئے کہ بچوں کو تیرہ چودہ سال کی عمر تک پہنچنے کے انتظار پر مجبور کرنے کی بجائے ابتدا ہی سے ان کے چھوٹے چھوٹے سوالوں کا جواب دے کر ان کی تسلی کر دیا کریں۔ مگر یاد رہے۔ کہ جواب دیتے وقت نہایت سیدھا اور درست راستہ اختیار کرو۔ گول مول اور جھوٹ موٹ جوابات سے بچوں کو الجھن میں ڈالنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔ تو بچے اپنے والدین کو عام انسان سمجھ کر ہر قسم کے شکوک انہیں کی معرفت رفع کیا کرینگے۔ بچوں کو ٹال دینا کسی طرح بھی مفید نہیں۔ جو باتیں بچے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم انہیں وہ باتیں اس وقت نہ بتاؤ گے جب کہ وہ معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ تو کوئی اَور بتا دیگا۔ اور اس طرح ممکن ہے بچوں کو صحیح واقفیت حاصل نہ ہو۔ اور اکثر باتوں کے متعلق بچوں کے دماغ میں غلط خیالات جاگزیں ہو جائیں۔ اس طرز عمل سے کسی طرح بھی مفید نتائج برآمد ہونے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

جو مائیں اپنے بچوں کو اس قدرتی تجسس کی عمر میں صحیح واقفیت بہم پہنچانے سے گریز کرتی ہیں۔ وہ اپنے ایک نہایت ہی اہم فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی مرتکب ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس محبت سے ماں اپنے بچے کو کوئی بات بتا سکتی ہے کوئی اَور نہیں بتا سکتا۔ اور بچے کی تسلی بھی والدین ہی کے جوابات سے ہوتی ہے۔ اگر آپ بچے کی اس خواہش کو ٹال دینے کے عادی ہیں۔ تو آپ کو فوراً یہ عادت ترک کر دینی چاہئے۔ ورنہ بچے کی دماغی نشو و نما غلط طریق پر ہو گی۔ اور اس کا اثر اس کی جسمانی حالت پر بھی پڑے گا۔ اس طرح گویا آپ خود اپنے بچے کے سب سے بڑے دشمن بن جائینگے۔ اس کے علاوہ آپ کو ایک اَور سزا بھی ملیگی۔ وہ یہ کہ بچے کو آپ پر وہ اعتماد نہ رہے گا۔ جو ہر بچے کو اپنے والدین خصوصاً والدہ پر ہونا چاہئے۔ اور جو ایک مرتبہ ضائع کر کے پھر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

خبریں اور نوٹ

قسطنطنیہ سے اطلاع ملی ہے۔ کہ وہاں کے اخبارات اور لوگوں میں آج کل البانیا کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ جہاں احمد زوغو جو جمہوریت البانیا کا صدر تھا۔ اب بادشاہ بن گیا ہے۔ انگورا کا تار ہے۔ کہ کمال پاشا احمد زوغو کی تقلید کر کے اپنے آپ کو ترکی کا بادشاہ کہلانے کا اعلان کرنے والے ہیں۔ اور آپ سے بہت سے لوگوں نے درخواست کی ہے کہ ترکی کی بادشاہت کا اعلان کیا جائے ؛

اخبار ڈیلی میل لکھتا ہے۔ کہ پہلی ترکی لغت ہیں جو نئے لاطینی حروف میں شائع ہو گی۔ ساٹھ ہزار الفاظ ہوں گے۔ علم ہجا اور سماعی تلفظ کے قاعدے مقرر کئے جائیں گے۔ اور ان پر بذریعہ قانون عمل درآمد کیا جائے گا ؛

جامعہ استنبول کے ماہرین سائنس کے ان الفاظ کی ایک لغت تیار کر رہے ہیں۔ جن کا مفہوم پہلے ترکی زبان میں ادا نہ ہو سکتا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک ڈاکٹری کی لغت بھی تیار کر رہے ہیں ؛

نئے رسم الخط میں طبع ہونے کے لئے پہلے پہل جو کتابیں حکومت کے شعبۂ طباعت میں ہ۔۔۔ ۔۔۔ دو ناول ہیں ؛

نئی ترکی لغت کا اکسفورڈ کی نئی لغت سے مقابلہ کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جس کی بارہ جلدوں میں ۴۱۴۸۲۵ الفاظ ہیں ؛

سلطان مسقط نے جو ان دنوں لندن میں مقیم ہیں۔ ریوٹر کے نمایندے سے بیان کیا۔ کہ اگرچہ ترکی۔ افغانستان اور دوسرے مشرقی ممالک میں مغربی تہذیب کی نقل کی جا رہی ہے۔ مگر عرب میں اس قسم کی تبدیلیوں کا ہونا محال ہے ؛ آپ نے فرمایا۔ کہ عرب کے وسطی علاقے کی ترقی اسی طرح ممکن ہے۔ کہ ایک بیدار مغز حاکم ہو۔ جو مغربی طریقوں سے احتراز کرے ؛

سلطان مسقط نے یہاں کئی جنگی جہازوں کا معائنہ کیا ؛

شاہ ایران نے احکام جاری کئے ہیں۔ کہ ہر ایرانی کوٹ پتلون پہنا کرے۔ اور سرکاری امر اور خطاب یافتہ معززین خاص مقرر کردہ لباس پہنا کریں ؛

پردہ کے خلاف تحریک بڑی ترقی کر گئی ہے۔ اور آج کل مرد اور عورتیں اکٹھے سیر کو جاتے دیکھے جاتے ہیں ؛ ایران میں پردہ سے اگر یہی بیزاری برتی گئی۔ تو وہ دن دور نہیں جب ایرانی خواتین میں سے ایک عورت بھی پردہ نشین نہ رہے

حجاز کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان ابن سعود عسیر۔ کویت اور حدود عراق کی طرف ذخائر جنگ بھیج رہے ہیں ٭

حکومت مصر نے عدالت ہائے مرافعہ کی اصلاح کے سلسلے میں ۳۰ ججوں کی علیحدگی کے احکام جاری کر دئے ہیں۔ اس اصلاح سے پہلے جج ۶۵ سال کی عمر تک اپنے عہدہ پر فائز رہ سکتا تھا ٭

افغانستان میں جدید اصلاحات کے سلسلے میں قانون مطابع پر بھی غور کیا جا رہا ہے۔ اور ایک مجلس اخبارات کو مکمل آزادی دینے پر بحث مباحثہ کر رہی ہے ٭

افغانستان میں سلسلہ رسل و رسائل کو فروغ دینے کے لئے کابل میں ٹیلی فون کے ۵ اسٹیشن قایم کئے گئے ہیں۔ تاکہ تمام اضلاع کا تعلق کابل سے قایم ہو جائے ٭

اخبار "بیدار" نے افغانستان کے اُمرا کو مشورہ دیا ہے۔ کہ وہ غیر ممالک کی معدنیات پر روپیہ خرچ نہ کریں۔ بلکہ اپنے ملک کی معدنیات کا کام اپنے ہاتھ میں لیں۔ اور اس بات کا اہتمام کریں۔ کہ افغانی سرمایہ برطانی اور روسی نیل کے خریدنے میں ضائع نہ کیا جائے۔ اس امر کے لئے ضروری ہے۔ کہ مفید آلات اور مشینیں منگا کر

جائے۔ اور غیر ملکی کارکنوں کی جگہ افغان ماہرین کو کام کرنے کا موقع دیا جائے ٭

جاپان کے ولی عہد شہزادہ چیچوبی کی شادی مس متزدکو مٹسودارا کے ساتھ جو جاپانی سفیر متعینہ لندن کی صاحبزادی ہیں۔ ہو گئی۔ شادی ٹوکیو کے شاہی محل میں شنتو مذہب کے رسم و رواج کے مطابق نہایت سادہ طور پر انجام پائی ٭

لارڈ برکن ہیڈ وزیر ہند کی والدہ محترمہ مسز الزبتھ ٹیلر سمتھ کچھ دنوں سے علیل تھیں۔ ۲۸ ستمبر کو آپکا انتقال ہو گیا ٭

لندن سے ایک نیا اخبار "برٹینیا" جاری ہونے والا ہے۔ اس اخبار کی پہلی اشاعت کے لئے لارڈ برکن ہیڈ طلاق کے موضوع پر ایک مضمون لکھ رہے ہیں ٭

لندن۔ ۳۰ ستمبر۔ مس ایچ فوسٹر تیزئی نگاہ کے لئے مشہور ہیں۔ اور گزشتہ سالوں میں کئی چاندی کے [illegible] میں شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ انہوں نے ۲۹ ستمبر کو بلیکس رائفلز کے ایک مقابلہ میں دوسو مرد نشانہ بازوں کو شکست دیدی۔ انہوں نے دو سُو سے چھ سُو گز تک کے فاصلے سے گولیاں چلائیں۔ ۱۰۵ گولیوں میں سے آپ کی ۱۰۱ گولیاں نشانہ پر بیٹھیں۔ ان کے دوسرے نمبر پر ایک شخص نے ۱۰۰ نشانے لگائے۔ اس مقابلہ

[illegible]

یوکرین میں فصل خراب ہوجانے کی وجہ سے حکومت سوویٹ نے طے کیا ہے۔ کہ آٹھ لاکھ آدمیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ۳ کروڑ ۱۰ لاکھ روبل منظور کئے گئے ہیں۔ اس رقم میں سے غلہ۔ مویشیوں کا چارہ اور مویشی مہیا کئے جائیں گے ۔

ہانگ کانگ کا تار۔ برطانی اسٹیمر اینگ کنگ سنگاپور سے ۴۹۰ مسافر لے کر ہانگ کانگ کو جارہا تھا۔ ۲۶ ستمبر کو چینی بحری ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کیا۔ جہاز کے چیف افسر۔ کپتان اور انجنیئر نے مقابلہ کیا۔ لیکن ڈاکوؤں نے کپتان کی ران گولیوں سے زخمی کردی۔ اور افسر اور انجنیئر کو مار ڈالا۔ اس کے بعد قزاقوں نے مسافروں کی تلاشی لے کر ۸۰ ہزار ڈالر اور زیورات لوٹ لئے۔ یہ ڈاکہ بہت دلیری کے ساتھ ڈالا گیا۔

میلیلا (مراکش) ۲۶ ستمبر۔ قلعہ کبیری زرس کے بارود کے ذخیرہ میں آگ لگ گئی۔ جس سے ۴۰ آدمی مرگئے۔ اور دو سَو زخمی ہوئے ۔

ہانکو (چین) میں آگ لگ گئی۔ جس سے دو ہزار مکانات جل گئے۔ اور ۷ ہزار آدمی بے گھر ہوگئے۔ کئی لاشیں ملی ہیں۔ آگ سے بچنے کے لئے بہت سے آدمی پانی میں کود کر غرق ہوگئے۔

شملہ میں عورتوں اور مردوں کی ٹیموں میں فٹبال کا خاص [illegible]

عائد کی گئی تھیں۔ مثلاً داہنے پاؤں سے گیند لگانا اور شوٹ کرنا بھی منع تھا۔ لیڈیوں نے عام لباس پہنا ہوا تھا۔

مردوں کی جانب سے مسٹر پلے مین کپتان ٹیم تھے۔ اور لیڈیوں کی ٹیم کی کپتان مس گرلیس مور تھیں۔ سب سے پہلے مس کلمن نے گول کیا۔ لیکن مسٹر پلے مین نے ایک گول کرکے برابر کی بازی کردی۔ اس کے بعد جب مس دیدریل نے دوسرا گول کرکے بازی جیت لی۔ تو لیڈیاں بہت خوش ہوئیں۔ اس میچ میں بے حد دلچسپی اور ہنسی مذاق رہا۔

پروفیسر رام مورتی نے ہندوستان میں جسمانی تربیت کا ایک کالج قایم کرنے کے لئے ایک اسکیم تیار کی ہے۔ اور اس غرض سے بیس لاکھ روپے کی اپیل کی ہے۔

مسٹر بپن چندر پال (کلکتہ) نے جادو پور میں نیشنل کونسل آف ایجوکیشن میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ ایسے لوگ کبھی سوراج حاصل نہیں کرسکتے۔ جنہوں نے سوراج کے لائق کیرکٹر پیدا نہیں کیا۔ سوراج کے لائق کیرکٹر کا لازمی وصف آزادی کے ساتھ محبت ہے۔

مہاتما گاندھی نے اپنی خود نوشت سوانح عمری کا حق اشاعت ایک برطانی کمپنی کو ایک لاکھ روپے [illegible]

یکم اکتوبر کو ایک سَو افغان لڑکوں اور پندرہ لڑکیوں کی ایک جماعت حصول تعلیم کے لئے یورپ جاتے ہوئے پشاور سے گزری۔ مسٹر شوکت جو افغان قونصل خانہ بمبئی کے رکن ہیں۔ اور کابل کے ایک مدرس اس جماعت کے نگراں رہیں گے۔

پشاور سے خبر آئی ہے۔ کہ چاہ آب (افغانستان) میں ہیضہ زوروں پر ہے۔ اور یہاں کی ۳۰ فی صدی آبادی اس مرض میں مبتلا ہے۔ زیادہ افسوسناک بات یہ ہے۔ کہ مریضوں میں اکثریت مردوں کی ہے۔ اور تجہیز و تکفین کا کام عورتوں کو کرنا پڑتا ہے۔

مولانا محمد علی نے جرمنی میں قیصر جرمنی کے بیٹے شہزادہ اڈلبرٹ۔ ان کی بیوی اور بچوں سے ملاقات کی۔

امسال امتحان سول سروس میں ۲۳ یورپین اور ۱۲ ہندوستانی کامیاب ہوئے۔

حکومت نے عمر رضامندی کی کمیٹی میں اسمبلی کے مندرجہ ذیل ممبروں کو نامزد کیا ہے:۔

چندر داس سی متر۔ پنڈت ٹھاکر داس بھارگو۔ مولوی محمد یعقوب۔ اور میاں محمد شاہنواز

بیلور کے حادثہ ریل کے سلسلہ میں ۲۰ آدمی پکڑے گئے تھے۔ کچھ تو پہلے ہی رہا کر دئے گئے تھے۔ اب عدالت نے باقی لوگوں کو بھی رہا کر دیا۔

[illegible]

میں آگ لگ گئی۔ اس عمارت کی دوسری اور تیسری منزل میں بیس پچیس عورتیں تھیں۔ جو بچالی گئیں۔

ریاست ٹراونکور کے ایک گاؤں میں زہریلے کچھوے کا گوشت کھانے سے پانچ مرد۔ چار عورتیں اور ۹ بچے مر گئے۔

سورت میں ۲۸ ستمبر کو گنپتی کے جلوس کے موقع پر ہندو مسلمانوں میں فساد ہو گیا۔ فساد فرو کرنے کے لئے پولیس کو گولی چلانی پڑی جس سے ایک مسلمان اور ایک ہندو مر گیا۔ اور کئی آدمی زخمی ہوئے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی ہے۔

یکم اکتوبر کو مدراس میں ڈاکٹر اینی بسنٹ کی ۸۲ ویں سالگرہ پر مبارکباد دینے کے لئے ایک پبلک جلسہ منعقد ہوا۔ سر سی پی راما سوامی آئر اس جلسے کے صدر تھے۔ مسٹر رنگا آئنگر نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ جب تک ڈاکٹر بسنٹ ہمارے ساتھ ہیں۔ فتح ہماری ہے۔

ڈاکٹر بسنٹ نے اس کے جواب میں لوگوں سے اپیل کی۔ کہ وہ کاہلی کو چھوڑ کر آزادی کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔

پنجاب میں حال کے سیلابوں کی وجہ سے کم و بیش ۸۵۰ دیہات کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ ۱۶ سو مکانات تباہ ہو گئے۔ سات ہزار کے قریب مویشی بہہ گئے۔

[illegible]

سب سے پہلا زنانہ ہفتہ وار اخبار
تہذیب نسواں
ماہوار اڈیشن
یکم دسمبر ۱۹۲۸ء
دارالاشاعت پنجاب لاہور

نمبر ۴۸	لاہور - ہفتہ - یکم دسمبر ۱۹۲۸ء	جلد ۳۱

تہذیب نسواں

لاہور - ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ

فہرست مضامین

ہم خود

بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ جب بعض لڑکیوں کے مضامین کے ساتھ ان کے والدین کے خطوط بھی موصول ہوتے ہیں۔ جن میں یقین دلایا جاتا ہے۔ کہ یہ مضمون لڑکی کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ بہت مفید ہے۔ اور اس کی اشاعت سے لڑکی کی بہت حوصلہ افزائی ہوگی۔

بعض والدین کے نزدیک وہ تمام اچھے مضامین جو اخبار میں شائع ہوتے ہیں۔ اور جس قسم کے مضامین خود ان کی لڑکیاں نہیں لکھ سکتیں۔ مردوں کے لکھے ہوئے یا ترمیم شدہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ہر اچھے مضمون میں سے بیشتر حصہ مردوں کا حصہ نکال کر اس کی بقیہ خوبیوں کا اپنے ہاں کی لڑکیوں کی تحریروں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور کسی طرح ان میں کوئی غیر معمولی خوبی نہیں دیکھ سکتے!

جہاں تک اولاد کی محبت کا تعلق ہے۔ ان کا یہ جذبہ قابل قدر قرار دیا جا سکتا ہے۔

گھر میں کوئی ننھا بچہ جب پہلی مرتبہ ایک مشکل سا لفظ بولتا ہے۔ تو والدین کی حیرت اور خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا۔ اور وہ بار بار وہ لفظ اس کے مُنہ سے سنتے ہیں۔ لفظ غیر معمولی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا بچے کے مُنہ سے نکلنا غیر معمولی بات ہوتی ہے۔ اسی طرح والدین کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ان کی نومشق لڑکیوں کے مضامین میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی۔ اس کی تمام خوبیاں انہیں صرف اس لئے دکھائی دیتی ہیں۔ کہ یہ اسی بچی کی مسلسل تحریر ہوتی ہے۔ جو کبھی ان کی گود میں کھیلا کرتی تھی۔

یہی مضمون اگر اسی عمر کی کسی دوسری لڑکی کا لکھا ہوا ہوتا۔ تو شاید انہیں اس قدر پسند نہ آتا۔

ہونہار مضمون نگاروں کی حوصلہ افزائی ہر اخبار اور رسالے کا فرض ہے۔ لیکن جو لوگ مضمون نگار نہیں بن سکتے۔ ان کو زبردستی اخبار میں کھینچنا بھی جرم سے کم نہیں۔

یہ یہاں نومشقوں کا حوصلہ پست کرنے کے لئے نہیں لکھا گیا۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہے۔ کہ والدین جن لڑکیوں کا رجحان مضمون نویسی کی طرف دیکھیں۔ ان کے مضامین اخبار میں بھیجنے اور اڈیٹر کو ان کے چھاپنے پر مجبور کرنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیا کریں۔ کہ تمام اخبار پڑھنے والے ہمدردانہ نظر نہیں رکھتے ہیں۔

نیمجر

لبذ

ہمارے ناول

(از محترمہ محمدی بیگم صاحبہ حیدرآباد)

نظم قومی کی تو اب ہوتی نہیں لوگوں میں قدر۔
ہم بھی کوئی دن میں اک اندرسبھا کہنے کو ہیں +
جب پڑھی جائے گی یاروں میں غزل تب دیکھنا
جتنے مُنہ ہیں ان میں کتنے واہ واہ کہنے کو ہیں +

وہ لوگ جو خدا کے فضل و کرم سے ادب کا ذوق سلیم رکھتے ہیں۔ اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ ہمارا اُردو مذاق کس قدر گرا ہوا ہے۔ اگر اس کا یہ سبب ہوتا۔ کہ اُردو اور زبانوں کی نسبت کم عمر زبان ہے۔ تو چنداں قابلِ افسوس نہ تھا۔ لیکن حقیقتاً اُردو ادب کے ناقص ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ہمارے ملک کی بہت بڑی تعداد عام طور پر جاہل یا محض حرف شناس ہے۔ اور یا معمولی خواندہ۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سوائے چند لائق اور مشہور مصنفین کی تصانیف کے دیگر افسانے اور ناول اس قابل نہیں ہوتے۔ کہ ہم بلا پس و پیش ان کو اپنے مطالعہ کے لئے مخصوص کر سکیں +

یورپ میں فن ناول نویسی نے فی زمانا ایک مقبول اور عامیانہ حیثیت اختیار کر رکھی ہے۔ اور پبلک میں اس لٹریچر کا نہایت قدردانی اور شوق سے استقبال کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان کتابوں کو جس قدر بھی درجۂ قبولیت حاصل ہو۔ وہ کم ہے۔ کیونکہ جیسے بلند پایہ کے مصنفین ہوتے ہیں۔ ویسے ہی اعلیٰ درجہ کی ان کی تصانیف ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ کسی مصنف کی تصنیف اس کے خیالات کا آئینہ ہوتی ہے +

سب سے پہلے تو میں یہ عرض کروں گی۔ کہ وہ کتابیں جو ناول کے نام سے موسوم ہیں۔ کس قسم کی کتابیں ہوتی ہیں + ناولوں کے متعلق ہمارے ہاں ایک عام غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے + وہ ایسی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ جن میں حسن و محبت کی سرتا پا جھوٹی اور من گھڑت داستانیں بیان کی جائیں + لیکن دراصل ہر وہ کتاب ناول کہلائی جا سکتی ہے۔ جس میں روزمرہ زندگی کی چلتی پھرتی اور ہنستی بولتی تصویریں موجود ہوں۔ جس کے ہیرو اور ہیروئن صرف جامع کمالات ہی نہ ہوں بلکہ ان سے آدم و حوا کے بیٹے بیٹیاں ہونے کے لحاظ سے غلطیاں بھی سرزد ہو سکیں۔ اور پڑھنے والا اس کتاب کی گہرائیوں اور اس کی شخصیتوں سے ایسا واقف ہو جائے۔ گویا اس نے بھی اس افسانے یا ناول کی اسٹیج پر پارٹ ادا کرنے والوں کے ساتھ کوئی نمایاں حصہ لیا ہے + قصہ مختصر یہ کہ وہ فرضی لن ترانیاں نہ کہی جا سکیں +

جب یورپ کے مایہ ناز مصنف آرتھر کینن ڈائل نے شرلک ہومز کی حکایتیں پبلک کے سامنے پیش کیں۔ تو جوق جوق لوگ اس مقام کو دیکھنے آئے۔ جہاں لائق و کامیاب مصنف نے مسٹر ہومز کی فرضی جائے قیام کا ہونا بتایا تھا۔ اکثر یہ سمجھے کہ شرلک ہومز درحقیقت کوئی ایسا سراغ رساں گزرا ہے۔ جس سے کپتن ڈائل کو بخوبی واقفیت تھی۔

اسی طرح جب دوران قصہ میں شرلک ہومز اور پروفیسر مورٹی کی لڑائی کا ذکر شائع ہوا۔ جس میں پروفیسر مورٹی اور شرلک ہومز دونوں کی موت کا آبشار میں گر کر واقع ہونا بتایا۔ تو بہت سے لوگوں کو نہایت بُرا معلوم ہوا۔ کہ ایسے بہادر اور غیر معمولی دماغ کے شخص کو قصہ میں کپتن ڈائل نے ایسی موت سے کیوں مار دیا۔

شرلک ہومز کی شخصیت کو مصنف نے جو زبردست رنگ دیا ہے۔ وہ ایسا غیر معمولی ہے۔ کہ اس جیسی دوسری شخصیت کا ہونا ایک ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے۔ جب شرلک ہومز کی موت کا یقین ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کی اچانک واپسی سے جو خوشی ہوتی ہے۔ وہ صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جنہوں نے اس کتاب کو پڑھا ہے۔ اور میرا یقین ہے۔ کہ ہر پڑھنے والے کو ایسی ہی بے انتہا خوشی ہوتی ہو گی جیسی کہ مجھ کو ہوئی تھی۔

شاید یورپ میں ناول خوانی اور ناول نویسی نیز افسانہ نگاری کے بڑھتے ہوئے شوق اور قدر کو دیکھ کر اُردو خواں اصحاب نے اس میدان میں قدم رکھنا چاہا۔ اور نہایت ہی قلیل عرصے میں پلٹنیں کی پلٹنیں ناول نویسوں کی طبع آزمائی کو تیار ہو گئیں۔

ان مختلف مصنفین کے ناول آپس میں ایسے ملتے جُلتے ہیں۔ کہ گویا ایک ہی شخص کا بنایا ہوا قصہ ہے۔ جو اس نے زبان کے ذرا سے فرق کے ساتھ کئی جگہ لکھ لیا ہو۔ یا یوں کہنا چاہئے۔ کہ ایک پُرانے زمانے کے میاں جی کے بہت سے ہم سبق شاگرد جو محض طوطے کی طرح ایک ہی سبق کو گلا پھاڑ پھاڑ کر رٹتے رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جیسا میں پیشتر عرض کر چکی ہوں۔ سوائے لائق مصنفین کے ناول نویسی کا رنگ کسی سے نہ نبھا۔ اور یہ چربہ کسی سے بھی ٹھیک نہ اُترا۔ یا اُترا بھی تو ایسا خراب اور ناقص۔ کہ اصل سے اس کی کوئی نسبت نہیں رہی۔ افسوس ہے۔ کہ ہم میں فن ایجاد تو مطلق ہے ہی نہیں۔ کسی کی نقالی بھی کرنی نہیں آتی۔ ایسی ناقص تقلید سے کیا فائدہ۔

اکثر گھرانوں کی دور اندیش بزرگ خواتین ان ناولوں کا گھر میں آنا بالکل بند کر دیتی ہیں۔ اور میرے خیال میں بہت اچھا کرتی ہیں۔ ان کتابوں کا پڑھنا نہ صرف تضیع اوقات ہے۔ بلکہ یہ کتابیں بجائے مفید یا باعث تفریح ہونے کے سم قاتل کا اثر رکھتی ہیں۔

ہر ناول کو بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں ناول ہو سکے۔ مطالعہ کرنے کے لئے پڑھنے والے کی کوئی خاص غرض ہوتی ہے۔ یا تو اس سے کسی قسم کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور پڑھنے کے بعد انسان ایک صحیح نتیجہ یا سبق حاصل کر لیتا ہے۔ اور زندگی کے نشیب و فراز اور اچھائیوں برائیوں میں تمیز کر سکتا ہے۔ یا بعض ناول یا افسانے ایسے ہوتے ہیں۔ جو تفریح طبع کے لئے پڑھ لئے جاتے ہیں۔ لیکن جس قسم کے ناولوں کی بڑی تعداد ہمارے ہاں موجود ہے۔ وہ صداقت سے اس قدر دور ہوتے ہیں۔ کہ کوئی سمجھدار شخص ان کو ایک مرتبہ بھی ہاتھ میں لینا پسند نہیں کر سکتا۔ نہ ان سے تفریح طبع ہوتی ہے۔ نہ کوئی خاص مقصد حاصل ہوتا ہے۔ اور جب قصے کو شروع کرتے ہیں۔ اس کے سرتاپا جھوٹ ہونے کا خیال دل میں آجائے۔ تو پھر وہ کیا خاک مزہ دے گا۔

جس طرح اچھے اخلاقی ناولوں کے پڑھنے سے اس کی اچھی شخصیتوں سے ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح باوجودیکہ مصنفین اپنے ہیرو یا ہیروئن کو تمام تر محاسن کا مجموعہ پینٹ کرتے ہیں۔ تاہم ان سے کسی قسم کی ہمدردی کا خیال ہونا ناممکن ہے۔ بقول کسی کے "ہمارے ناول نویس یا تو قصہ میں پارٹ ادا کرنے والی شخصیتوں کو مجسم شیطان بنا دیتے ہیں۔ یا مجسم فرشتہ"۔

اگرچہ ہمارے ہاں ناولوں کی حالت اتنی گری ہوئی ہے۔ پھر بھی میں جانتی ہوں۔ کہ اکثر لڑکیاں اور بیبیاں ان ناولوں کو نہایت شوق سے پڑھتی ہیں۔ گویا ناول پڑھنا ایک فریضہ ہے۔ کہ جہاں اُردو کی تھوڑی بہت واقفیت ہوئی۔ اور ناول خوانی شروع ہوئی۔ پیچھے لگاتار ناول خوانی شروع ہو گئی۔ اور یکے بعد دیگرے بیسیوں ناول ایک ہی قسم اور ایک ہی رنگ کے ان کی نظروں سے گزرنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر بھی نئے ناولوں کی ہمیشہ تلاش ہی رہتی ہے۔ واقعی ان کا یہ ایثار کہ ایک ہی راگ مسلسل سنتے سنتے طبیعت نہیں اُکتا جاتی۔ اس قدر زبردست ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ اس کو کسی رفاہ عام کے یا اور کسی مفید بات کے لئے صرف کرتیں۔ تو میں ان کو داد دئے بغیر نہ رہ سکتی۔ میں تو سمجھتی ہوں۔ کہ جس طرح بعض لوگوں کو مسکر چیزوں کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور پھر اس کا ترک کرنا ناممکن نہیں۔ تو کسی حد تک دشوار ضرور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان اخلاق سے گرے ہوئے ناول پڑھنے والوں کی بھی حالت ہوتی ہوگی۔ ان ناولوں کی کچھ ایسی چاٹ پڑ جاتی ہے کہ وہ پان اور تمباکو کی طلب سے کسی طرح کم نہیں۔

ایک مرتبہ ایک شادی شدہ بہن نے جو اپنی شادی سے پیشتر بے انتہا خاموش اور غریب طبیعت کی مشہور تھیں۔ مجھ سے چند ناول بذریعہ خط طلب کئے۔ میں نے کہا۔ کہ افسوس ہے۔ میں آپ کو ناول نہیں بھیج سکتی۔ کیونکہ جن قصوں کو آپ ناول کہتی ہیں۔ اس رنگ کے ناول پڑھنے کے لئے

اماں جان کی اجازت نہیں ہے۔ اور ان کے بُرے اثرات سُن سُن کر مجھے ناول پڑھنے کا شوق بھی نہیں رہا ہے۔ آپ نے لکھا۔ مجھ کو بھی پہلے اجازت نہیں تھی لیکن اب تو میں آزادانہ پڑھ سکتی ہوں۔

مجھے خوب ہنسی آئی۔ پھر جب میں ان سے ملی۔ تو میں نے کہا۔ شاید آپ کو اب ناول خوانی کا پروانہ مل گیا ہے۔ خدا کے لئے آپ خراب ناول ہرگز نہ پڑھیئے۔ میں نے ان کو چند اخلاقی ناولوں کے نام بتا دئے۔ دراصل وہ خود ناولوں سے ناواقف تھیں۔ لیکن کسی نے ان کے سامنے ناولوں کی بہت تعریف کر کے ان کو پڑھنے کی ترغیب دی تھی۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کر لیا۔ کہ وہ نہ پڑھیں گی۔ اور یقین ہے۔ کہ اپنے وعدہ پر قایم ہوں گی۔

جب ہم اپنے ملک کے ان معیار اخلاق سے گرے ہوئے ناولوں کا مغربی اور شایستہ ممالک کی تصانیف سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو ایک عظیم الشان فرق کو محسوس کرتے ہوئے ہمارا دل پست ہمتی و ناامیدی کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ کاش کہ ایسے ناول نویس اپنے اس سلسلے کو ختم ہی کر دیتے۔ لوگ بھی مخرب اخلاق ناول لکھنے والوں کی ایسی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ کہ اور دوسرے بھی جنہوں نے ابتک ناول نویس کا لقب اختیار نہ کیا تھا۔ جھٹ ایک بانکی ناول تیار کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ انہیں اس کے لکھنے میں کوئی دقت بھی پیش نہیں آتی۔ مضمون تو گھڑا گھڑایا از بر موجود ہوتا ہی ہے۔ قلم اٹھایا۔ اور صفحے کے صفحے سیاہ کر دئے لیجئے صاحب ناول تیار ہو گیا۔ سنتا ہے۔ کہ فردوسی سے بزم اور سعدی علیہ الرحمتہ سے رزم کی داستانیں نہیں نبھیں۔ لیکن ملک کے اکثر لوگ ناول نویس کا لقب جب جی چاہے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس لئے۔ کہ جب پڑھنے والوں کی ایسی زبردست کثرت موجود ہے۔ تو ناول نویس کیوں نہ اپنی صنعات کو پیش کریں؟

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ ایسے ناولوں کے پڑھنے سے اگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ تو کچھ نقصان بھی نہیں ہوتا۔ گو یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن اگر بفرض محال اس کو مان بھی لیا جائے۔ جب بھی تضیع اوقات سے کیا فائدہ؟

چونکہ فرداً فرداً ان سب اُردو ادب کے مصنفین اور ان کی مفید تصنیفات کے نام جن کو میں پسند کرتی ہوں۔ اس جگہ لکھنے غیر ضروری اور نامناسب معلوم ہوتے ہیں۔ نیز مضمون کے بھی طویل ہو جانے کا خوف ہے۔ اس لئے میں کتابوں کا انتخاب اپنی بہنوں کی سمجھ پر چھوڑتی ہوں۔ سمجھدار بہنیں خود اچھی اور بُری کتابوں میں تمیز کر سکتی ہیں۔ اور اسی لحاظ سے سلسلہ مطالعہ جاری رکھ سکتی ہیں۔

اُردو ادب میں اکثر مصنفین بھائی اور بہنوں نے نہایت لطافت اور صحیح مذاق کی روح قایم کی ہے۔ جن کی تصانیف کا پڑھنا کسی قسم کا سبق دیتا ہے۔ یا باعث تفریح ہوتا ہے۔ اور ایسی حالت

ہیں۔ کہ قابل قدر تصانیف ہمارے ہاں عنقا ہیں۔ ان کی مساعی قابل تحسین و عزت ہیں۔ اور جن کے لئے ہم ان کے دل سے شکر گزار ہیں ٭

اللہ کرے زور قلم اَور زیادہ ٭

امید ہے۔ کہ میرے وہ بہن اور بھائی جن کو میری یہ ناچیز تحریر بری معلوم ہو۔ مجھ کو معاف فرمائیں گے۔ میری عادت نخواہ نخواہ کسی پر نکتہ چینی کرنے کی نہیں ہے۔ بلکہ ناول خوانی اور ناول نویسی کے بڑھتے ہوئے شوق کو دیکھ کر۔ نیز یہ معلوم کر کے۔ کہ ہمارے ملک میں ایسے مخرب اخلاق ناولوں کی کیسی زبردست تعداد موجود ہے۔ میرے اس فرض نے مجھ کو مجبور کیا۔ کہ میں اپنی ناواقف بہنوں کو گمراہی سے بچاؤں ٭

٭ ٭ ٭

نارتھ ویسٹرن ریلوے

کرسمس کی رعائتیں

آنے والے کرسمس اور نئے سال کی تعطیلات کے لئے واپسی ٹکٹ جو ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء تک کارآمد ہوں گے۔ نارتھ ویسٹرن ریلوے پر مورخہ ۱۴ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء جاری کئے جائیں گے۔ بشرطیکہ ایک طرف کا فاصلہ ۱۰۰ میل سے زیادہ ہو۔ رعائتی کرایہ حسب ذیل ہے:-

پہلا اور دوسرا درجہ	سالم اور ایک تہائی کرایہ
درمیانہ درجہ	سالم اور نصف کرایہ
تیسرا درجہ	سالم اور تین چوتھائی کرایہ

اس عرصہ میں بک کی ہوئی موٹر کاروں کے لئے ایسے واپسی ٹکٹ جو ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء تک واپسی سفر کے لئے کارآمد ہوں۔ ایسے اسٹیشنوں کے درمیان جہاں اس قسم کی باربرداری کی سہولتیں بہم پہنچائی جا چکی ہیں۔ سنگل کرایہ پر مالک کی ذمہ داری پر جاری کئے جائیں گے:

نارتھ ویسٹرن ریلوے ہیڈ کوارٹرز آفس
لاہور۔ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۸ء

ڈی۔ بی۔ ٹریلور
چیف کمرشل منیجر

گوما

(از جناب قادری صاحب اروشا ٹانگانیکا)

شہری اور مہذب گوما کا ذکر تو آپ سُن چکے۔ اب ذرا جنگلی اور وحشی باشندوں کے گوما کا حال سُنئے۔ شہروں سے دور جو لوگ جنگلوں اور پہاڑوں میں غیر متمدن زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کو جنگلی اور وحشی کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں کی ضروریات زندگی بہت تھوڑی ہیں۔ ضرورت کے مطابق کھیتی باڑی کرکے گزارہ کر لیتے ہیں۔ جانوروں کی کھالیں ان کا لباس ہے۔ شہری زندگی کو نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور ویسے بھی شہری زندگی ان کے لئے سخت مصیبت کا باعث ہے۔ کام کرنے میں بہت ہی سُست اور کاہل ہیں۔ مگر آگ رنگ میں بڑے چست اور ہوشیار ہیں۔ بڑی مجبوری اور لاچاری کے وقت نوکری کریں گے۔ کام کرتے وقت بھی گاتا گاتے جائیں گے۔ مالک یا زمیندار ذرا اِدھر اُدھر ہوا۔ تو جھٹ تھوڑا سا ناچ کرکے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ پس سچ تو یہ ہے کہ بغیر گوما کے ان کا جسم کام کرنے کے قابل ہی نہیں ہو سکتا۔

ان کے گوما کا انتظام شہری گوما جیسا باقاعدہ نہیں ہوتا۔ اور ان کے پاس اتنا ساز و سامان بھی نہیں ہوتا۔ جتنا شہری گوما کمیٹیوں کے پاس ہوتا ہے۔ ہر خاندان کے پاس کم از کم ایک طبلہ ضرور ہی ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ کی ضرورت پڑے۔ تو ایک دوسرے سے مانگ کر کام چلا لیتے ہیں۔ گوما کے لئے کسی دن کی بھی پابندی نہیں۔ ان کے لئے ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہے۔ جنگل میں جاؤ۔ تو کسی نہ کسی طرف ڈھول کی آواز ضرور سنائی دے گی۔ جس سے معلوم ہو جائیگا کہ جنگلی لوگوں کا گوما ہو رہا ہے۔ ان کے یہاں ہر روز ڈھول پر چوٹ پڑتی ہے۔ عموماً دن کے پہلے حصے میں کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔ دوپہر کے بعد خاندان کے مرد۔ بچے اور عورتیں اکٹھے ہو کر گوما کرتے ہیں۔ ناچ کود کر اپنا دل بہلاتے ہیں۔ گویا گوما ان کے لئے روزمرہ کا ایک کھیل ہے۔ کسی دن قبیلے کے دوسرے لوگ بھی اکٹھے ہو کر گوما کرتے ہیں۔ گوما کے منتظم قبیلہ کے بڑے بوڑھے لوگ ہوتے ہیں۔ جن کو نہایت ہی عزت اور محبت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

یوں تو ہر دن ہی ان کے لئے خوشی کا دن ہے۔ مگر شادی کے موقع پر ان کو خاص خوشی ہوتی ہے۔ ان کے روزانہ گوما معمولی اور سادہ طور پر ہوتے ہیں۔ مگر شادی کے موقع پر بڑی دھوم دھام کا گوما ہوتا ہے۔ جو نہایت ہی پُر لطف اور قابل دید ہوتا ہے۔

شادی کے موقعے پر وحشی خوب بن سنور کر نکلتے ہیں ۔ شہری لوگوں کی طرح یہ بوٹ سوٹ کے شوقین نہیں۔ ان کی آرائش و زیبائش کے سامان شہری لوگوں سے بالکل جدا ہیں ۔ اکثر وحشی ٹوپی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اور جانوروں کے پروں کی بناتے ہیں۔ بعض ٹوپیاں کو چھتری جتنی بڑی ہوتی ہیں ۔ شتر مرغ کے پر بھی ٹوپی میں لگاتے ہیں۔ کسی کے سر پر جانوروں کے دانتوں اور ناخنوں کی ٹوپی ہوتی ہے۔ جس میں نہایت ہی قرینے کے ساتھ کوڑیاں بھی آویزاں کی جاتی ہیں بعض شوقین بدن پر مختلف قسم کی مٹی مل لیتے ہیں۔ مگر لال رنگ کی مٹی کو خصوصیت سے پسند کرتے ہیں ۔ کوئی نقلی ببر بن جاتا ہے۔ کسی نوجوان کے ہاتھ میں تیر و کمان ہوتا ہے۔ بہادر آدمی کے ہاتھ میں نیزہ اور بازو پر ببر کی دم بندھی ہوتی ہے ۔ بڑے بوڑھے اپنے بدن کو شیر اور چیتے کی کھال سے زینت دیتے ہیں ۔ بچے اور عورتیں ہرن نیل اور مختلف قسم کے جانوروں کی کھالیں پہن لیتے ہیں ۔ ناچ کے شوقین پاؤں میں گھنگرو باندھتے ہیں۔ کوئی لکڑی کے چھوٹے ٹکڑے ایک رسی میں ڈال کر پنڈلی سے باندھ لیتا ہے ۔ غرض ایک عجیب و دلچسپ نظارہ ہوتا ہے ۔

ان کے گوما کا طریقہ بھی نرالا ہے۔ طریقہ یہ ہے۔ کہ یہ کسی خاص طریقے کے پابند بھی نہیں۔ جو طرز ان کا دل چاہے اختیار کر لیتے ہیں پہلے

پہلے گول دائرہ باندھ لیتے ہیں۔ اور ڈھول والے اس دائرے کے درمیان میں بیٹھ جاتے ہیں اور ان کا شاعر بھی درمیان میں کھڑا ہو جاتا ہے ڈھول طبلے والے اپنا ساز بجانا شروع کر دیتے ہیں۔ شاعر شعر کہتا ہے۔ دائرے والے ناچنے اور گانے لگتے ہیں ۔ ان کے ناچنے کے طریقے مختلف ہیں۔ بعض قبیلوں میں تو اچھل اچھل کر ناچنے کا طریق ہے۔ جوش میں آکر زمین سے تین تین فٹ اونچے اچھل پڑتے ہیں۔ مگر اس اچھل کود میں خوبی صرف اتنی ہوتی ہے۔ کہ سب کے پاؤں کی آواز ایک ہی سنائی دیتی ہے۔ اور رات کے وقت ایک ایک میل سے سنائی دیتی ہے ۔ بعض قومیں اچھلتی نہیں۔ صرف گول دائرہ باندھ کر گوما کرتی ہیں ۔ مختصر یہ کہ جس طرح کسی کا دل چاہے۔ ناچتا ہے۔ کودتا ہے۔ اچھلتا ہے۔ اور مختلف قسم کی حرکتیں کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو کسی خاص قاعدہ کا پابند نہیں سمجھتا ۔

جنگلی لوگ گوما کے دوران میں کرتب بھی دکھاتے ہیں ۔ جب گوما کی مجلس خوب گرم ہوتی ہے۔ تو ایک ناچ کرنے والا بڑی آن بان کے ساتھ گوما کے درمیان میں آ جاتا ہے۔ اور اپنے ناچ کے جوہر ظاہر کرنے لگتا ہے ۔ سر ہلاتا ہے۔ تو بدن نہیں ہلتا۔ کمر ہلاتا ہے۔ تو سر نہیں ہلتا۔ اگر پاؤں کو حرکت دیتا ہے۔ تو کیا مجال ہے۔ کہ بدن کا دوسرا حصہ جنبش کر جائے۔ اچھلتا ہے۔ کودتا

ہے۔ لیٹ جاتا ہے۔ ایک دم کھڑا ہو جاتا ہے۔ قلابازیاں لگاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ تال پر ہوتا ہے۔ ہر حرکت طبلہ کی تھاپ کے مطابق ہوتی ہے۔ ناچنے والا فارغ ہو جاتا ہے۔ تو کھڑا ہو کر بڑے فخر کے انداز سے سب کی طرف دیکھتا ہے۔ اور پھر اپنی پہلی جگہ پر چلا جاتا ہے۔ کوئی دوسرا کرتب دکھانے والا چاہے۔ تو اس کے بعد دائرہ میں آجاتا ہے۔

گوما میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ مردوں کے ساتھ گوما کرتی ہیں۔ کچھ عورتیں ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور اپنی سُریلی آواز سے گیت گانے لگتی ہیں۔ جب گوما زور پر ہوتا ہے۔ تو عورتیں گھوڑوں کی طرح ہنہناتی بھی ہیں۔ بعض عورتیں اپنے ناچ کے کرتب بھی دکھاتی ہیں۔

ناچ کے دوران میں جو کچھ ان کے مُنہ سے نکل جائے۔ وہی ان کا گانا ہے۔ مگر جس گوما میں ان کا شاعر ہو۔ اس میں سب کو اپنے شاعر کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ جو کچھ شاعر کہتا ہے۔ وہی سب گاتے ہیں۔ اگر شاعر نہ ہو۔ تو پھر آپس ہی میں مل کر گانا گا لیتے ہیں۔ اگر ایسا بھی نہ ہو۔ تو پھر ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ شروع کر دیتا ہے۔ غرض جیسا وقت ہو۔ ویسا ہی گانا تیار کر لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے مزدوروں کو کام کے دن گوما کرتے دیکھا۔ کہہ رہے تھے۔ ہم بڑا کام کرتے ہیں۔ آج ہم نے اتنی مال گاڑیوں میں مال بھر دیا۔ اور دو گھنٹے میں سب مال اُتار دیا۔ چار بجے کام پر چھٹی کر کے راستے میں گوما کرتے جائیں گے۔ اُچھلتے کودتے اور گاتے بھی جائیں گے۔ اپنے کام کی تعریف کرتے جائیں گے۔ اگر افسر مہربان ہو تو اس کی تعریف کے گیت گاتے جائیں۔ اگر وہ ناراض ہو جائے۔ تو راستہ بھر اسے کوستے جاتے ہیں۔

گوما میں بہادر لوگ عام طور پر اپنی بہادری کے گیت گاتے ہیں۔ کہ میں شیر ہوں۔ میں نے اتنے شیر اور اتنے چیتے مارے۔ شیر مجھ سے ڈرتے ہیں۔ چاہنے والے گاتے ہیں۔ کہ اے خدا تو میری مدد کر۔ کہ میں جس کو چاہتا ہوں۔ وہ میری ہو جائے۔ اگر میرے بخت اچھے ہوئے۔ تو میری شادی اس جگہ ہو جائے گی۔ میں اس کے والدین سے عرض کروں گا۔ جتنے بیل وہ طلب کریں۔ میں دینے کو تیار ہوں۔

ہر قبیلے کا ایک سردار بھی ہوتا ہے۔ جس کو یہ لوگ سلطانی کہتے ہیں۔ جب سلطانی کے مکان پر گوما ہوتا ہے۔ تو اس وقت خوشامدی لوگ اپنے سلطانی کی بہادری کے گیت گاتے ہیں کہ ہمارا سلطانی بڑا بہادر ہے۔ اس کے نیزہ کا نشانہ کبھی خالی نہیں گیا۔ اس کا باپ غضب کا نیزہ چلاتا ہے۔ اس کا دادا شیر دل کو دبا لیا کرتا تھا۔ شادی اور دیگر موقعوں پر امداد کی تحریک بھی

کی جاتی ہے۔ شاعر جو گاما کے دریان میں شعر کہتا رہتا ہے۔ اس کے شعر کو جنگلی لوگ جھوم جھوم کر اور مزے لے لے کر دُہراتے ہیں۔ اس وقت شاعر امداد کی تحریک کے شعر بھی موزوں کر لیتا ہے۔ کہ آج ہم سب خوش ہیں۔ ہمارا میزبان بھی خوش ہے۔ اس شادی میں برکت ہو۔ بھائیو! تم کو معلوم ہے۔ کہ کل کھانا پکانا ہے۔ شراب بنانی ہے۔ جس کے لئے لکڑی تھوڑی ہے۔ میں تم کو کہتا ہوں۔ کہ کل جب تم آؤ۔ تو ایک گٹھا لکڑیوں کا لیتے آنا۔ اور کل میں اپنے ہاتھ سے تم کو شراب پلاؤں گا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ جنگلی لوگ راگ رنگ اور سُر تال کے بہت شوقین ہیں۔ جہاں کسی چیز کی آواز ان کے کانوں میں پہنچی۔ بس اسی تال پر ناچنا شروع کر دیتے ہیں۔ خواہ اسی ناچ میں جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ ایک مرتبہ دیکھا۔ کہ رولرا انجن سڑک کو درست کر رہا تھا۔ ایک وحشی کو جو سوجھی۔ جھٹ رولرا انجن کی پھک پھک پر ناچنا شروع کر دیا۔ جتنے زور سے رولرا انجن پھک پھک کر رہا تھا۔ اتنے ہی زور اور تیزی سے وحشی کے پاؤں بھی حرکت کر رہے تھے۔ بس ناچنے کا انجن ہی معلوم ہوتا تھا۔ اتنے میں اس کا مالک بھی آ گیا۔ مگر اسے اتنا ہوش کہاں۔ مالک نے ایک دو مرتبہ پکارا بھی۔ مگر کون سنتا ہے۔ آخر مالک نے ایک دو تھپڑ رسید کئے۔ تو ناچنے کے انجن کی آنکھیں کھلیں۔

ایک اور جنگلی کا واقعہ ہے۔ کہ ایک مشین ٹک ٹک کر رہی تھی۔ ایک وحشی کو آواز بھلی جو معلوم ہوئی۔ تو بس فوراً اس نے بھی ٹک ٹک کی تال پر ناچنا شروع کر دیا۔ ناچتے ناچتے ایسا مست ہو گیا۔ کہ اس کو اس بات کا بھی ہوش نہیں رہا۔ کہ میں کہاں ہوں۔ آخر اس کے مالک نے خوب گوشمالی کر کے اس ناچنے کی مشین کو کھڑا کیا۔ ریل گاڑی کا انجن جب پہاڑوں کی چڑھائی پر چڑھتا ہے۔ تو بڑے زور سے پھک پھک کرتا ہے۔ اور یہ آواز بہت دور تک جاتی ہے۔ جب تک پھک پھک کی آواز ان کے کانوں میں پہنچتی ہے۔ برابر ناچ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا گوما ختم کرنے کا بھی کوئی وقت نہیں۔ اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ دل چاہے۔ تو وہ تین ہی گھنٹے میں گوما بند کر دیں۔ دل چاہے۔ تو تین چار دن تک ناچ کرتے رہیں۔ اس لئے ان کے گوما شروع کرنے اور گوما ختم کرنے کا کوئی وقت بتانے سے معذور ہوں۔

ان کے اسی شوق کے باعث پادری لوگوں نے ان کو کسی مقام پر اکٹھا کرنے کا بہت عمدہ طریقہ نکال لیا ہے۔ ورنہ یوں پادری سارا دن یسوع مسیح کا گیت گاتے تھے۔ مگر چند آدمیوں سے زیادہ کبھی اکٹھے نہ ہوتے تھے۔ نیروبی کینیا کالونی کا صدر مقام ہے۔ یہاں پر کینیو لک مشن زبردست

طریقہ پر عیسائیت کی تبلیغ کرتا ہے۔ اس کے
پاس دو بینڈ باجے ہیں۔ ہر اتوار کو کتنی فوج نیروبی
کے بازاروں میں گشت کرتی ہے۔ بازار کے کسی
چوک میں کھڑے ہو کر بینڈ باجہ نہایت ہی دلکش
انداز میں بجاتے ہیں۔ سیکڑوں کی تعداد میں افریقی
اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کی تعریف میں
گیت گانے اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اس ناچ
کے ساتھ لیکچر بھی دیتے ہیں۔ اس گوما کو افریقن
لوگ گوما شنی کہتے ہیں۔

شہری گوما بھی دیکھے۔ اور جنگلی گوما بھی دیکھے۔
شہری گوما میں صرف رنگ برنگ کے سوٹ نظر آتے
ہیں۔ جنگلی وحشی جانوروں کی کھالوں سے اپنے
بدن کو زینت دیتے ہیں۔ اور اسی حالت میں اتنے
خوش نظر آتے ہیں۔ کہ شہری لوگوں کو نہ ایسی خوشی
نصیب ہوتی۔ اور نہ ہوگی۔ شہری لوگوں کے گیت
عام طور پر اچھے ہیں۔ مگر گوما میں نہایت بیہودہ گیت
گائے جاتے ہیں۔ جنگلی لوگوں کے گیت عام طور پر
شجاعت کی روح پھونکنے والے ہوتے ہیں۔ مگر
لغو اور لچر گیت بھی گاتے ہیں۔ خیر یہ لوگ تو جنگلی
ہیں۔ جو کچھ کریں کم ہے۔ لیکن اگر تہذیب کا دعویٰ
کرنے والے ان خرافات میں پڑیں۔ تو تعجب اور
شرم کی بات ہے۔

اگر ان کے گوما میں تھوڑی اصلاح ہو جائے
یعنی گندے گیتوں کی بجائے قومی گیت گائے
جائیں۔ تو یہ گوما ان کے لئے بہت ہی فائدہ مند
ثابت ہو۔ اور رفتہ رفتہ قومی اصلاح کا ایک جزو
بن جائے۔

✤ ✤ ✤

معاونین تہذیب

جن بہنوں اور بھائیوں نے گزشتہ دنوں نئے خریدار بنائے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی
شکریہ کے ساتھ درج کرتے ہیں:۔

محترمہ طاہرہ بیگم صاحبہ۔ پشاور
محترمہ بنت محمد علی خاں صاحب۔ شاہجہانپور
محترمہ اہلیہ شمس الدین صاحب۔ دہلی
محترمہ مہدی بیگم صاحبہ۔ حیدرآباد دکن
محترمہ مبارک دلھن صاحبہ۔ گڑھ چرولی
مسز ایچ۔ کے نوازش ناگپور
محترمہ بنت سید محمد نقی صاحب۔ حیدرآباد دکن
محترمہ مسز ہمایوں مرزا صاحب۔ حیدرآباد دکن
مسز ایم اے صبو۔ فتح گڑھ

✤ ✤ ✤

شگون پرستی اور نجوم

(از محترمہ مس حجاب اسمٰعیل صاحبہ)

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں قسمت آیندہ مری
خواب نادیدہ کی کتنی بڑی تعبیر مجھے +

نہ صرف مشرقی ممالک میں بلکہ اب تک مغربی ملکوں میں بھی "شگون پرست" اور نجوم و رمل کے معتقد بہت سے مرد اور عورتیں موجود ہیں ؛

اس دفعہ ہندوستان میں ۱۲ نومبر کو سورج گہن ہوا ۔ ملک کے زبردست مشہور منجموں رمالوں نے بتادیا ہے ۔ کہ ۱۹۲۹ء آفات و مصائب کا سال ہے ۔ عنقریب جنگ عظیم دنیا میں پھر ہو جائے گی ۔ اور قسم قسم کی بلائیں بندوں پر نازل ہوں گی ؛

لوگوں کو یاد ہو گا ۔ کہ ۱۹۱۰ء میں بھی نجومیوں نے بتایا تھا ۔ یہ دنیا کا آخری دن ہے ۔ آسمان سے آگ کے قطرے برسیں گے ۔ یا ہمارا ستارہ پھٹ جائے گا ۔ قیامت آجائے گی ۔ اور اس طرح دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا ۔

لیکن اپنے معبود کے رحم و کرم سے ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ دنیا جیسی تھی ۔ ویسی اگرچہ نہیں ہے ۔ ہم مسلمان خواتین کی زندگیوں میں جدید ٹرکی نے انقلابات پیدا کردئے ہیں ۔ لیکن وہ بدستور قایم ہے ۔ اور زمین کے گرد برابر چکر لگا رہی ہے + ہاں نسوانی دنیا کی تاریکیاں ۔ دور ہو گئیں ۔ ان کی بدقسمتی کا ستارہ بے شک پھٹ پڑا ۔ ترقی کے نور نے عورتوں میں ایک خوب صورت ہلچل مچادی گویا دنیا ختم ہونے کی بجائے پھر از سر نو شروع ہو گئی ۔ اور زندگی کا سانس لیتی ہوئی اٹھ بیٹھی ۔

اور نجومی حضرات مُنہ تکتے رہ گئے !

مگر اب بھی وہ باز نہیں آتے ۔ آئے دن نت نئے نجوم سے دنیا کو پریشان کرتے رہتے ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں ۔ کہ ایسا سیلاب آئے گا ۔ کہ دنیا بہہ جائے گی ۔ ایسی جنگ ہو گی ۔ کہ نوجوان مرد مر جائیں گے ۔ لیکن نیچر نے کبھی ایسی بدسلوکی اپنے بچوں سے روا نہیں رکھی ! معلوم نہیں ایسی وحشت خیز باتیں انہیں کیوں اتنی دلکش دکھائی دیتی ہیں ! معلوم نہیں کیوں وہ لوگ اتنے ڈراؤنے قصوں کو بار بار یاد کرتے رہتے ہیں ۔ جیسے کوئی شاعر کسی دلفریب نظم کو گنگنا رہا ہو !

شاید میرے اس مضمون پر منجم اور رمال حضرات نکتہ چینی فرمائیں ۔ مگر یہ حقیقت ہے ۔ کہ میں ——
نہ تو شگون کی معتقد ہوں ۔ نہ نجوم کی قائل ہوں ۔ اور یہ بھی بالکل سچ ہے ۔ کہ میں سوائے اس "زبردست طاقت" کے جو ہم سب پر نگراں ہے ۔ اور مہربان ہے ۔ دوسری کسی انسانی یا غیر انسانی طاقت کو "عالم الغیب" ہرگز نہیں سمجھتی ۔ بلکہ اس قسم کے اوہام کو کفر سمجھتی

ہوں ۔

خواتین نسبتاً مذہب کی طرف زیادہ جھکی ہوئی ہیں۔ اس لئے انہیں "شگون پرستی" اور بات بات پہ زائچہ دکھانے سے احتراز کرنا چاہئے۔ کہ ایسی باتیں حماقت کی دلیل ہیں ۔

تعلیم یافتہ اور نوجوان والدین احتیاط کریں۔ کہ آیندہ نسلوں کے دماغ ان مجنونانہ اور مجذوبانہ خیالات کی آماجگاہ نہ بننے پائیں۔ اس لئے ننھے بچوں کو پرانے زمانے کی اوہام پرست بڑی بوڑھیوں کی صحبت میں ہرگز نہ چھوڑیں۔ کیونکہ یہ ساری باتیں تربیت انسانی کا بدترین نقص اور قابل افسوس جہالت ہے۔ زندگی کے واقعات خود نجوم اور رمل ہیں۔ دنیا کی سلطنتوں کے آپس کے تعلقات دیکھ کر ہم خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مستقبل میں کوئی جنگ ہونے والی ہے۔ یا نہیں!

میں ذیل میں اپنی ایک دوست کا ذکر کرتی ہوں۔ آپ بہت بڑی نجومی خاتون ہیں۔ اور آپ نے ملک چین میں جاکر اس کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم پائی ہے۔ گویا اپنی عمر عزیز ایک واہیات چیز کے حاصل کرنے میں صرف کر دی ہے ۔

سردیوں کے دن تھے۔ پُرتکلف بہار کا وقت تھا۔ ابر بھی گھر کر آیا تھا۔ سرد ہوائیں چل رہی تھیں۔ گھر پر کوئی موجود نہ تھا۔ خادمہ کو بھی ہم نے رخصت کر دیا۔ ہم باورچی خانہ میں مصروف تھے۔ وہ پھلکیاں بھون رہی تھیں۔ اور میں پیاز تل رہی تھی۔ کہ ان کا ننھا بچہ منصور روتا ہوا آیا ۔

میں نے دیکھا۔ تو اس کا جسم آگ کی طرح گرم تھا۔ یہ دیکھ کر میں ڈاکٹر کو ٹیلیفون کرنے کے لئے مکان میں گئی۔ اور بچہ کو لٹا دیا ۔

چند ہی لمحے گزرے ہوں گے۔ کہ آپ نے مجھے آواز دی۔ واپس جاکر دیکھتی ہوں۔ تو آپ پھلکیوں کی دیگچی چھوڑ ایک چوکی پر چڑھ بیٹھی ہیں۔ اور نجوم کی ایک بہت بڑی سی کتاب سامنے کھلی رکھی ہے۔ مجھے اس موقع پر ان کا اس طرح چوکی پر چڑھ بیٹھنا اور کتاب کھولنا بہت ہی عجیب معلوم ہوا۔ میں نے قریب جاکر وجہ دریافت کی۔ تو فرماتی ہیں۔ "تم ڈاکٹر کو ہرگز ٹیلیفون نہ کرنا کہیں وہ آ تو نہیں گیا؟ کیونکہ یہ وقت بڑا منحوس ہے۔ میں منصور کا علاج اب ہرگز نہ کراؤنگی!

میں ان کی اس عادت سے ہمیشہ غمگین رہا کرتی تھی۔ اور ان سے اکثر اس بات پر جھگڑا بھی ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن ان کے بچے سے مجھے بہت محبت تھی۔ اس لئے نہایت تحمل سے میں نے پوچھا۔ "کیا آج کا پورا دن منحوس ہے۔ آج یہ غریب یونہی بخار میں پھنکتا رہے گا؟

آپ فرمانے لگیں۔ ہاں۔ ہاں۔ کل صبح آٹھ بجے تک! میں ہرگز منصور کا علاج نہ کراؤں گی"۔

میں نے بہتیری ہی عاجزی کی۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ اس سفاک ماں کو کیا کہوں! بچے کا کچھ علاج نہ ہو سکا۔ اور آخر بے چارہ صبح ہونے

کے پہلے ہی ماں کی جہالت پر نوحہ کرتا ہوا عالم ارواح کو چلا گیا۔

اس دلخراش حادثے سے لوگ عبرت حاصل کریں۔ اور یاد رکھیں۔ اچھا بُرا سب وقت یکساں ہوتا ہے! جبکہ تقدیر انسان کی مددگار ہوتی ہے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ جب موت زندگی کے دروازے کو کھٹکھٹاتی ہے۔ تو کوئی انسانی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ لیکن شاید منصور بچ جاتا۔ اگر اس کا علاج کرایا جاتا۔ لیکن یہ حقیقت ہے۔ کہ ان کے اس بچے سے مجھے عشق تھا۔

ایک اور خاتون ہیں۔ جو بہت زبردست "شگون پرست" ہیں۔ وہ منگل کو نہ کوئی کپڑا خود پہنتی ہیں۔ نہ دوسروں کو پہننے دیتی ہیں۔ کیونکہ ان کا بیان ہے۔ کہ جو شخص منگل کو نیا کپڑا پہنتا ہے۔ وہ دو ہی چار دن میں کفن بھی پہن لیتا ہے!

کیا ہی عقلمندی کی بات ہے۔ مجھے بھی ان سے ضد ہے۔ اس لئے میں ہمیشہ منگل کو نیا لباس پہنتی ہوں۔ اور آج تک نہیں مری ہوں۔

یہی خاتون ایک دفعہ نقل مکان کر رہی تھیں۔ کہ انہیں معلوم ہوا۔ کہ اس دوپہر سورج گہن ہے۔ بس فوراً اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ میں ہزار سمجھاتی رہی۔ کہ دوست تمہارے گھر بدلنے سے سورج کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہرگز تمہارے مکان پر بُرا اثر نہ ڈالے گا۔ لیکن کہاں ——— ! آپ بدستور اپنے ارادہ پر بہت متانت سے قایم رہیں! کاش ان کی یہ متانت اور یہ مضبوط ارادے کسی مفید کام میں صرف ہوتے۔ میں آج کئی دنوں سے انہیں گنتی ہوں۔ کہ دارالخواتین کے مسئلے پر قلم اُٹھاؤ جس کو برادرم میر عزیز الرحمٰن نے قوم کی بیواؤں کے لئے قایم کیا ہے۔ مگر وہ ہر روز ٹال رہی ہیں۔ ان کی ساری متانت اور مضبوطی خیال صرف اس واہیات اوہام پرستی تک محدود ہے۔ جو ہماری قوم میں قدامت پسند کے جذبات کو بیدار کر رہی ہے۔

مری اسی دوست کی ساس ہیں۔ ان میں اور مجھ میں کبھی نہیں بنتی۔ میں ان کی خوشدامن صاحبہ سے ہمیشہ مذاق کرتی رہتی ہیں۔ ان کا خیال ہے۔ کہ چوکھٹ پر کوئلہ رکھ دینے سے لڑائی فساد میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس لئے جب کبھی ساس بہو میں کوئی جھگڑا ہوتا ہے۔ تو میں فوراً ساس کے سامنے والی چوکھٹ پر باورچی خانہ سے ایک بڑا سا کوئلہ لا کر رکھ دیتی ہوں۔

مجھے ساس صاحبہ کے اس غصیلے سوال میں ایک خاص لطف آتا ہے۔ جب وہ جل کر مجھ سے پوچھتی ہیں "کیا تم میری دشمن ہو؟

اس کے بعد ہی چوکھٹ پر کوئلوں کا ایک ڈھیر لگ جاتا ہے۔ اور اب وہ اپنی بہو کو چھوڑ کر میرے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ جاتی ہیں۔ وہ مجھ سے لڑتی رہتی ہیں۔ اور میں ہنستی رہتی ہوں۔ دو ایک فقرے ایسے بھی کہہ دیتی ہوں۔ کہ برابر ان کا گراموفون بجتا رہے۔ کیا ہی دل لگی کا وقت ہوتا ہے۔ مجھے

توان سے لڑنے میں ایک خاص لطف آتا ہے۔
ان کے گھر کے سامنے چیل آبیٹھتی ہے۔ تو وہ گھبرا جاتی ہیں۔ بانس اٹھا کر اس کے در پے آزار ہوتی ہیں۔ کیونکہ کہتی ہیں۔ کہ چیل جہاں بیٹھتی ہے وہ ویرانہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی ہی دانشمندی کی بات ہے۔ لیکن میں اس چیل کو گھنٹوں مونگ وغیرہ ڈال ڈال کر بلاتی ہوں۔ چنانچہ اب اس کو ہر روز ان کے کمرے کے آگے بیٹھے رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ میں ان کی دشمن ہوں۔ نہیں معلوم ان کا یہ خیال کہاں تک ٹھیک ہے؟
ان کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ شطرنج کھیلنے کے دوران میں چھینکنا نہیں چاہئے۔ ہم دونوں ہر شب کھانے کے بعد شطرنج کھیلتے ہیں۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے۔ کہ بدقسمتی سے مجھے عین شطرنج کھیلتے وقت چھینک آجاتی ہے۔
شاعروں نے نجومیوں کا اس طرح مضحکہ اُڑایا ہے۔

اے نجومی تجھے دعویٰ ہے تو اتنا تبلا۔
کون سے روز ملیں گے وہ بتا کون سے دن؟

یہ تو نجوم۔ شگون پرستی اور رمل کا حال تھا۔
اس کے بعد مجھے ایک اور خاتون کی یاد آرہی ہے۔ آپ کو جنات سے ملنے کی بڑی آرزو ہے۔ آپ نے کسی ہمخیال سے سن لیا ہے۔ کہ جن ویرانوں میں سوراخ بنا کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور اس سوراخ میں قرآن مجید پڑھنے بیٹھے رہتے ہیں (کیا ہی احمقانہ خیال ہے۔ کیونکہ آجتک ہیں نے کسی جن کو سوراخ پر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔) بس آپ دوپہر کے سنسان وقت میں باغ میں چلی جاتی ہیں۔ اور جہاں کہیں کوئی سوراخ زمین میں ہوتا ہے۔ اس کے آگے گھنٹوں زمین پر بیٹھی رہتی ہیں۔ میں اس موقع پر ہمیشہ کہتی ہوں۔ کہ یہ کیڑے مکوڑوں کا سوراخ ہے کہیں کوئی چیز کاٹ نہ لے۔ مگر انہیں یقین نہیں آتا۔ آخر ایک دفعہ بچھو نے انہیں کاٹ ہی لیا۔ اور پنڈی بہاؤالدین کا آب حیات لگانا پڑا۔
اب تہذیب کے پڑھنے والوں میں سے کوئی صاحب یا خاتون نجومی یا رمال ہوں۔ تو اس موضوع پر قلم اٹھا کر ہم سب کو اپنا معتقد بنا لیں۔ کیونکہ تہذیب میں اشتہار دینا عین کامیابی اور شہرت ہے۔ آج اس کو سیکڑوں لوگ پڑھتے ہیں۔

حقیقت عالم

بود نقش و نگار سا ہے کچھ۔ صورت اک اعتبار سا ہے کچھ۔
یہ جو مہلت جسے کہیں ہیں عمر۔ دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ۔
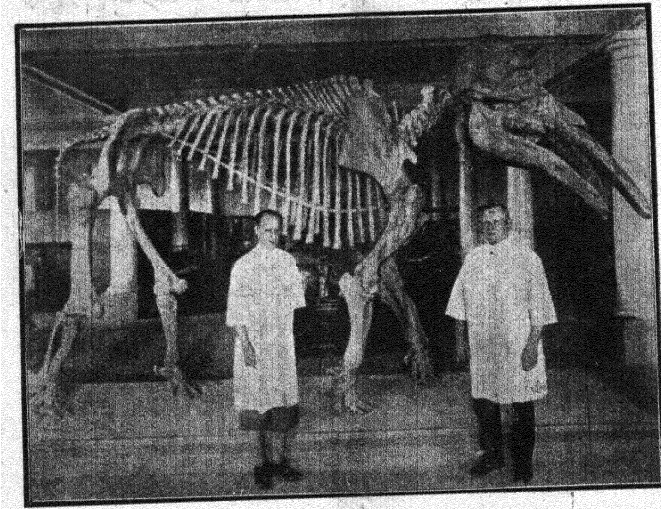
پرانے زمانے کے ایک دیو ہیکل جانور کا پنجر

وسائل خبر رسانی

(از محترمہ خدیجۃ الکبریٰ صاحبہ۔ بریلی)

اس زمانے میں جس قدر نعمتیں اور آسائش انسانوں کو حاصل ہیں۔ میرے خیال میں ان میں سے ایک بڑی نعمت ڈاک خانہ کا موجودہ نظام ہے۔ اس نعمت کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب انسان کو ایسے مقامات سے واسطہ پڑتا ہے۔ جہاں ڈاک اور تار کا کوئی انتظام نہیں ہے۔

ابھی حال کا ذکر ہے۔ کہ ہماری ایک لڑکی شادی ہونے کے بعد رخصت ہو کر ایک ایسے موضع میں پہنچی۔ جہاں ڈاک خانہ نہیں ہے۔ اور اس موضع تک پختہ سڑک بھی نہیں ہے۔ قریب قریب ڈاک خانہ پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اول تو برات والوں نے یہ کوتاہی کی۔ کہ خیریت رسی کی مطلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ چھ سات روز خط کا انتظار رہا۔ اور باوجود انتظار کی سختی کے ہم خود نہ تو تار بھیج سکتے تھے۔ نہ خط۔ اس لئے کہ تار اور خط دونوں میں سے کسی کی بھی جلد پہنچنے کی امید نہ تھی۔ لہذا تقاضا کرنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔

حسب دستور لڑکی کا بھائی لڑکی کو واپس لینے کے لئے اس موضع میں پہنچا۔ اور خدا خدا کر کے پورے ایک ہفتہ کے بعد قریب کے شہر سے اس کا تار آیا۔ کہ ہم فلاں وقت کی ریل سے واپس پہنچیں گے۔ ریلوے اسٹیشن پر اس ریل سے انتظار کیا گیا۔ مگر بہن بھائی اس میں نہ آئے۔ سارا دن پریشانی کرب و بےچینی میں گزرا۔ کہ نہ معلوم ہمارے مسافروں پر کیا گزری۔

اگلے دن صبح کو تار آیا۔ کہ ہم کو گاؤں میں روک لیا گیا تھا۔ اب فلاں ریل سے پہنچیں گے۔ اس وقت پھر انتظار رہا۔ مگر اس ریل سے بھی ہمارے عزیز نہ اترے۔ پھر اضطراب و بےچینی شروع ہوئی۔ پھر سارا دن گزر کر آدھی رات کے وقت دونوں خیریت سے پہنچے۔ تب جان میں جان آئی۔ معلوم ہوا۔ کہ واپسی کے لئے وقت پر بیل گاڑی نہ ملی تھی۔ اس لئے ریلوے اسٹیشن پر دیر سے پہنچنا ہوا۔ ریل چھوٹ چکی تھی۔ ساری رات وہاں گزارنی پڑی۔ اگر موضع میں ڈاک اور تار کا انتظام ہوتا۔ تو انتظار کی ناقابل برداشت تکلیف کی نوبت ہی نہ آتی۔ اب بھی اس طرح سے بے شمار ایسے مقامات ہیں۔ جہاں نہ تار پہنچ سکتا ہے۔ نہ خط۔ کئی کئی دن کے بعد دیہات میں گشتی چٹھی رساں پہنچتا ہے۔ تب خط ملتا ہے۔

ایک دفعہ اثنائے سفر میں ہم کو ایک ایسے پہاڑی مقام پر شب باش ہونا پڑا۔ کہ وہاں اتفاق سے ایک سرکاری تار سرکاری سوار کی معرفت پہنچا۔ مگر رات کو تار پڑھنے کی کوئی تدبیر بن نہ پڑتی

دو انگریز جڑواں لڑکیاں

The Victoria Press,
Ry., Road, Lahore.

تھی۔ اس گاؤں میں بالکل اندھیرا تھا۔ چونکہ سارا گاؤں خس پوش تھا۔ اس لئے رات کو نہ چراغ جلانے کا دستور تھا۔ نہ آگ رکھنے کا۔ اتفاق سے ہمارے پاس بھی دیا سلائی نہ تھی۔ بڑی مشکل سے ایک آدمی کو قریب کے دوسرے مکان میں بھیج کر تھوڑی سی آگ منگائی گئی۔ اور پھر چھپر میں سے پھونس نکال کر میدان میں آگ سلگائی گئی۔ تب کہیں جا کر تار پڑھا جا سکا۔ اب تو سفر میں ہمیشہ دیا سلائی اور موم بتیاں ساتھ رہتی ہیں۔ مگر اس وقت روشنی نہ ہونے کی تکلیف ہمیشہ یاد رہے گی۔ ان چھوٹی چھوٹی نعمتوں کا انسان کو احساس ہی نہیں رہا۔

اب سے پورے سو سال پیشتر ہندوستان میں عوام کے لئے ڈاک کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ صوبوں کے صدر مقام سے بڑے بڑے شہروں کو سرکاری چٹھیاں یا پارسل لے کر سانڈنی سوار یا ہرکارے جایا کرتے تھے۔ دور دراز کے رہنے والے عزیز و اقارب کی بیماری۔ تندرستی۔ غمی اور خوشی کی خبریں معلوم کرنے کا رعایا کے واسطے کوئی مقررہ ذریعہ نہ تھا۔ یا تو قاصد جایا کرتا تھا۔ یا کوئی دوست اس طرف جاتا ہوا خط لے جایا کرتا تھا۔ اس میں وقت بھی زیادہ لگتا تھا۔ اور خرچ بھی زیادہ ہوتا تھا۔ اور ایک سمت میں کئی کئی خط بھیجنے والوں کی تلاش ہوتی تھی۔ تاکہ قاصد کی اجرت آپس میں تقسیم کر لیں۔ لیکن پھر بھی اطمینان نہ ہوتا تھا۔ کہ خط صحیح وقت اور صحیح ٹھکانے پر پہنچ بھی گیا یا نہیں۔

سو سال پیشتر انگلستان میں بھی یہی حالت تھی۔ محصول کی شرح زیادہ تھی۔ پندرہ میل تک ایک خط کا محصول چار آنہ تھا۔ اور تین سو میل کا بارہ آنے۔ ۱۸۴۰ء میں یہ طے ہوا تھا۔ کہ بلا لحاظ فاصلہ دس تولہ تک کا خط ایک آنہ میں انگلستان کے ہر حصے میں بھیجا جا سکتا ہے۔

۱۸۲۷ء میں سرکاری ڈاک کا محکمہ ہندوستان میں قایم ہوا۔ شروع میں محصول نقد پیشگی لیا جاتا تھا۔ اور وزن اور فاصلہ کے لحاظ سے ادا کرنا پڑتا تھا۔ مثلاً کلکتہ سے بمبئی تک کے خط کا محصول فی تولہ ایک روپیہ تھا۔ کلکتہ سے آگرہ تک بارہ آنے فی تولہ محصول تھا۔ ۱۸۵۵ء سے اصلاحات کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور ڈاک خانے کے ٹکٹ جاری ہو گئے۔ اور اب دو پیسہ ٹکٹ کارڈ حکومت ہند کے جملہ زیر اثر ممالک میں تین ہزار میل کے فاصلہ تک زیادہ سے زیادہ ۷۲ گھنٹے میں پہنچ سکتا ہے۔ اپنے عزیزوں کی خیر خبر منگانے کے وسائل خبر رسانی کی اس سے زیادہ سہولت اہل ہند کو اب سے پیشتر کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

چونکہ حکومت کا دارومدار بہت کچھ ڈاک خانہ پر ہے۔ اس لئے ڈاک کی آمد و رفت کا انتظام سرکار نے بڑے پیمانہ پر کر رکھا ہے۔ جس میں

پابندیٔ وقت کا سب سے زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ جس ریل میں ڈاک ہوتی ہے۔ اس کو سب ریلوں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے گزر جانے کی خاطر اور ریلیں روک دی جاتی ہیں۔ تار نے تو فاصلہ کو بالکل فنا کر دیا ہے۔ اور آناً فاناً میں ہزاروں میل سے خبریں آجاتی ہیں۔ اور ٹیلیفون تو تار سے بھی بڑھ کر ہے۔ دو آدمی سیکڑوں میل کے فاصلہ سے آپس میں اس طرح باتیں کر لیتے ہیں۔ گویا ایک ہی جگہ موجود ہیں۔ اور اب تو بے تار کی خبریں آنے جانے لگی ہیں۔

انسانی عقل نے قدرت کی قوتوں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ اور ان سے عجیب و غریب کام لینے شروع کر دئے ہیں۔ ابھی کچھ معلوم نہیں۔ کہ آیندہ اس قسم کے کیسے کیسے حیرت انگیز اور عجیب و غریب کرشمے دیکھنے میں آئیں گے اور سائنس کس حد تک ترقی کرے گی۔

٭ ٭ ٭

بے ضرورت خرچ

بے ضرورت خرچ کے عنوان سے فاطمہ بیگم صاحبہ نے جو خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ اس کی بعض باتوں سے مجھے اتفاق ہے۔ مثلاً بے ضرورت کثرت سے چائے پینا اور پان کھانا۔ لیکن اعتدال کے ساتھ ان چیزوں کا استعمال بُرا نہیں۔ مثلاً ایک دو وقت کھانے کے بعد اگر سلیقہ سے پان کھا لیں۔ تو کیا مضائقہ۔ اس سے خوشنمائی کے علاوہ قوت ہاضمہ میں امداد ملتی ہے۔ اور مُنہ سے سانس وغیرہ کی بو دُور ہو جاتی ہے۔ جب پان کھائیں گے۔ تو اگالدان میں تھوکنا بھی ہوگا ہی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگالدان کو بہن صاحبہ کیوں ایک مضحکہ خیز شے قرار دیتی ہیں۔ اور گلے میں ڈالتی ہیں۔ مانا۔ کہ بہن صاحبہ بالکل پان نہیں کھاتیں۔ بہت اچھی بات ہے۔ مگر کیا ضرور ہے۔ کہ ان کے ہاں جو بھی آئے۔ اسے پان اور چائے کی عادت نہ ہو۔ جو بی بی مہمان آئی تھیں۔ ان کی پان سے تواضع ہی کیوں کی گئی۔ اگر بہن صاحبہ کے ہاں کوئی پان کا عادی نہ تھا۔ جب ان کی خاطر پان سے کی گئی تھی۔ تو پھر اگالدان بھی رکھنا نہایت ضروری تھا۔ یہ تو ایسا ہی جیسے کسی کے سامنے کھانا تو رکھ دیں۔ اور ہاتھ دھونے کے لئے پانی عنایت نہ فرمائیں۔ اگر ان بی بی نے اگالدان طلب کیا تھا۔ تو بیجا نہیں کیا۔ شاید سمجھا ہو۔ کہ غلطی سے نہیں رکھا گیا۔ اور اس کے عوض جب آپ کی طرف سے کلیا پیش کی گئی۔ تو غالباً انہوں نے ایک وقت کے لئے اس کو خراب کرنا پسند نہ کیا۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

لوازمات خانہ داری میں جیسے سب چیزوں کی ضرورت ہے۔ اگالدان بھی ضرور رکھنا چاہتے۔ سیدہ تاج النساء

بی شکیلا کی ہنڈکلیا

(از جناب سید وزیر حسن صاحب حیدرآباد دکن)

دعوتیں بھی عجیب دل لگی کا سامان ہوتی ہیں۔ ادنےٰ سے لگا کر اعلیٰ کھانوں تک جو جی چاہے بچے اس کی دعوت دے بیٹھتے ہیں۔ پھر گرہ کا حبّہ خرچ نہیں ہوتا۔ مگر داٹیتا ایسا۔ کہ انہوں نے ہی سب خرچ دیا ؞

بی شکیلا بی فرحت نے میاں نصرت اور بی سلمہ کو ہنڈکلیا کی دعوت دی۔ جس کا دنوں سے چرچا تھا۔ بلاوے چلے گئے۔ مہمان آبادی سے دور ایک پیارے پیارے بنگلے میں آئیں گے۔ "بی اماں" بے چاری کے سر سارا انتظام ہے۔ جو اچھی اچھی صلاحیں دے رہی ہیں۔ پھولوں سے لدی پھندی کیاری صاف کرائی۔ اسی جگہ چنبیلی کے منڈوے میں دسترخوان بچھے گا۔ چھپ چھپ پوریاں سوسے تلے گئے۔ میوہ بازار سے آئے گا۔ سہال اندرسے کی گولیاں جب مہمان آجائیں گے۔ تو گرم گرم اتاری جائیں گی!

بی شکیلا اصل خیر سے نو برس کی ہیں۔ یہ دعائیں مانگتی پھرتی ہیں۔ اللہ کرے مہمان آجائیں۔ الٰہی مینہ نہ برسے! کیونکہ اس عمر میں انسان پہنچ کر جان جاتا ہے۔ کہ اس دھرتی پر پیاری تمنائیں کم برآتی ہیں۔ آپ جو چاہیں اکثر وہ نہیں ہوتا۔ دنیا کا یہی دستور ہے ؞

بی فرحت ابھی ننھی مُنی۔ کوئی پانچ چھ برس کی ہوں گی۔ ذرا سی جان ہیں۔ انہیں کسی بات کی فکر نہیں۔ تُرت تُرت اِدھر اُدھر ٹہری پھرتی ہیں۔ کبھی تالیاں بجتی ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے۔ آہا جی بھائی نصرت آئیں گے۔ اوہو جی جھولا جھولیں گے۔ مینہ بوندی کا بھول کر بھی خیال نہ آیا۔ اور بھلا آپ یہ نہیں چاہتیں۔ تو آج مینہ برسنے ہی کیوں لگا تھا ؞

اے لو۔ وہ کندن سی دھوپ کھل گئی۔ دیکھتے دیکھتے آسمان پر ایک بادل بھی نہ رہا۔ ادھر سارے مہمان بھی آن اُترے۔ چلو بھئی اللہ نے بڑا کرم کیا۔ بی سلما کو زکام ہو گیا تھا۔ اس سے شکیلا کے دل میں دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی۔ کہ دیکھئے۔ کہ آنے کے وقت تک طبیعت سنورتی بھی۔ ہے یا نہیں۔

رہے میاں نصرت تو سب جانتے ہیں۔ دیر سویر کا روگ ہی نہیں پالتے۔ اتنی عمر ہونے آئی۔ صاحبزادے نے کسی چیز کی ابتدا ہی نہیں دیکھی۔ مگر یہ ان کا قصور نہیں۔ ان کی اماں بھی سدا کی ایسی ہیں۔ جو اس بے چارے کا یہ ہڑا ہوا۔ جب دیکھو اونگھتی لبسورتی شکل!

لو صاحب! دسترخوان چن دیا گیا۔ سب بھائی

بن تشریف رکھیں۔ ادہو میاں نصرت تو بیٹھتے ہی بہادری دکھانے لگے۔ ناک رکابی میں پھنوئیں ماتھے پہ جا چڑھیں! کیوں؟ تو مرغ کی ٹانگ کے ٹکڑے کر رہے ہیں۔ اے ہے۔ بی سلما کو ذرا کوئی دیکھے۔ دادی اماں بنی بیٹھی ہیں۔ گن گن کے نور سے اٹھا رہی ہیں۔ بی فرحت بیچاری اللہ کی جی ہیں۔ جیسا مل گیا۔ جتنا مل گیا۔ کھا پی نچنت ہوئیں۔

اللہ رے شکیلا آپا کی بہار۔ اودی اودی ساری پہ جگر جگر جڑاؤ ہار اُڑائے دیتا ہے۔ بیچاری نے آج کھڑے پیر کا روزہ رکھ لیا ہے۔ ایک ایک کی صلاحیں کرتی پھرتی ہیں۔ کہہ کہہ کے تھک رہی ہیں۔ ظلمن کی گھرداری تو دیکھو۔ ابھی سے کس بلا کی ہے۔ گویا گھٹی میں پڑی ہے۔ ماں کے پیٹ سے لی ہے۔ یوں بھی بڑی سمجھ دار اور متین بچی ہے۔ خدا عمر دے۔ کہنے سے تو دبھی کچھ یونہی سا کھا پی لیا۔ اسی میں مگن ہیں۔ پھولے نہیں سماتیں۔ یہ قناعت کی خوشی ہے۔ جو بڑی بہتر چیز ہوتی ہے۔

موتی کو دعوت کی شاید خبر نہیں۔ جو غائب ہیں۔ یہ موتی کون؟ اے وہی بلی کا بچہ۔ جسے شکیلا کے چچا ابا انگورا سے لائے تھے۔ یہ کمرے میں پڑا سنا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اٹھا۔ گپھے دار بگلا سی دم پھلا کر انگڑائی لی۔ اور پھولدار کیاریوں سے نکل نکلا کر منڈوے آ پہنچا۔ بی شکیلا نے دیکھا۔ تو باچھیں کھل گئیں۔ ایلو۔ وہ موتی صاحب بھی آ گئے۔ یہ کہنا تھا۔ کہ سارے مہمان گدر گدر آ کر دیکھنے لگے۔ بی اماں نے دیکھ کر ڈانٹ پلائی۔ ہائیں۔ پہلے کھانا چین سے کھا لو۔ پھر دیکھنا۔ بی شکیلا نے بھی موتی کی خاطر تواضع شروع کر دی۔ میاں جی لپ لپ کھا نور ہے ہیں۔ خبر بھی ہے۔ یہ مزے مزے کی چیزیں بن کیسے گئیں؟ واہ موتی کیا۔ یہ بات تو ان کے ننھے مُنّے میزبانوں کو بھی معلوم نہ ہو گی!

لیجئے۔ کھانا ختم ہو گیا۔ بھاگم بھاگ سب بچے جھولے میں جا لدے۔ برکھا رت۔ چو طرف پھولوں کی بہار ہے۔ کریلا جُدا پھول رہا ہے۔ ابھی اوپر دھوپ کھلی تھی۔ ابھی بادل چھا گئے۔ گھٹا ٹوپ ہو گیا۔ پورب سے جو سُرمئی گھٹا اُٹھی تھی تھمتی۔ بڑھتی۔ جھلتی۔ ٹمکتی سر پر آ پہنچی۔ لونڈیاں بھی اُتر آئیں۔ ننھے مُنّے مہمان جھولے میں ہیں۔ میزبان کھڑے جھونٹے دے رہے ہیں۔ آم کھاتے جاتے ہیں۔

اے جی نیلی سی گھوڑی پا تلی اور با نیلیا ہے سوار! اور سانولیا ہے سوار۔۔
پیاسے کو پانی پلا موری گوری! تو جائے سا فر نثار! اے جی جائے یہ سائیاں نثار۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(ماخوذ)

بیمار بیوی

ایک ننھی سی کہانی

انسان کے دم کے ساتھ اتنی مصیبتیں لگی ہوئی ہیں۔ کہ ان کا کوئی صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ ہم ان کے اسباب و وجوہ پر غور کریں۔ تاکہ پورے طور پر واقف ہو کر ان مصائب سے اپنے آپ مصئون و محفوظ رکھنے کے قابل بن جائیں ٭

نوجوان اور حسین بیوی اپنے شوہر کی آنکھ کا تارا تھی۔ ایک روز کسی سہیلی سے ملاقات کے لئے گئی۔ تو بھلی چنگی تھی۔ پر واپس آئی۔ تو یک لخت یہ حالت ہو گئی۔ گویا نیم مردہ ہے۔ آتے ہی بے اختیار بستر پر گر گئی۔ اللہ جانے یک لخت دوران خون رک گیا تھا۔ یا کیا بات تھی ٭

غم کے مارے نوجوان شوہر کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ آنسو تھے۔ کہ آنکھوں میں بھرے چلے آتے تھے۔ شادی ہوئے سال سے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ بار بار کوئی دل میں کہتا۔ ہائے کیا بری قسمت میں برس ہی بھر کی مسرت و انبساط لکھی تھی ٭

اسی وقت طبیب کو بلایا گیا۔ طبیب آکر پلنگ کے کنارے پر اسے وثوق کے انداز سے بیٹھ گیا۔ گویا بیمار کو شفا بخشنا اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ مریضہ کی نبض دیکھی۔ اور سوچنے لگا۔ کہ ان حالات میں تجربہ اور طبی کتب کیا کہتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا۔ کہ کچھ ٹھیک سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن فوراً قلم دوات اور کاغذ لانے کا حکم دیا۔ اور نسخہ لکھنے بیٹھ گیا ٭ اسی وقت نسخہ ملازم کو دیا گیا۔ کہ ہوا کی طرح جائے اور بنوا کر لائے ٭ نوکر کے رخصت ہونے کے بعد شوہر نے ڈرتے ڈرتے طبیب سے پوچھا۔ کہ عارضہ کیا ہے۔ طبیب نوجوان شوہر کے چہرے کو دیکھ کر مسکرا پڑا۔ اور بولا۔

"آپ کی بیوی امید سے ہیں"٭

یہ سن کر شوہر کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہ رہا ٭

رات گزر گئی۔ مریضہ نے دوا پی۔ مگر اس کا کچھ اثر نہ ہوا ٭ دوسرے دن ایک اور طبیب بلانا پڑا ٭

دیکھنا سننا! یہ بوعلی سینا کے شاگرد قطعی طور پر مرض کی ماہیت معلوم کر کے رہیں گے۔ آپ کی رائے ہے۔ کہ یہ شکایات چیچک کا پیش خیمہ ہے۔

ملاحظہ فرمایئے تشخیص کا فرق۔ پہلے معالج کی رائے تھی۔ کہ بال بچہ ہونے والا ہے۔ دوسرے فرماتے ہیں۔ کہ نہیں چیچک کی آمد آمد ہے ٭

اے طبیبو مت کرو میرا علاج۔ رہنے دو اپنے نسخے۔ انسان، وطبیبوں میں سے جن کی رائے میں زمین آسمان کا فرق ہو۔ بھلا کس کو سچا سمجھے؟ مریضہ کو قدرت کے ہاتھوں میں چھوڑ دو۔ کیسا ہی

خطرناک مرض ہے۔ طبیبوں کے علاج سے زیادہ خطرناک نہ ہوگا۔

صبر سے انتظار کرو۔ شاید آج کچھ افاقہ ہو جائے۔

بے چارہ شوہر ہر وقت پٹی سے لگا بیٹھا رہتا تھا۔ ذرا ذرا سی دیر بعد پوچھتا۔ اب جی کیسا ہے۔ پہلے سے طبیعت بہتر ہے یا نہیں۔ نادان بھلا ان سوالوں سے فائدہ۔ تیرا یہ فکر اسے اَور زیادہ علیل نہ کردے گا۔

بیوی رک رک کر بات کرتی تھی۔ اس کی باتوں سے ظاہر تھا۔ کہ تکلیف لحہ بہ لحہ بڑھ رہی ہے۔ آہ نادر شاہ دُلھن! موت تیرے اردگرد منڈلا رہی ہے۔ تیرا کرب اب اسی کے دامن میں مٹ سکتا ہے۔

یہ سُننا دروازہ کون کھٹکھٹا رہا ہے۔ ڈاکٹر ہے؟ نہیں تو۔ یہ تو درزن ہے۔ کوئی جوڑا دکھانے کولائی ہے۔ آئی بھی تو کیسے وقت۔

بیوی نے بڑی مشکل سے پوچھا " یہ میرا کفن لائی ہے۔ ہائے زندہ رہتی۔ تو اس قسم کا جوڑا میں بھی پہنتی۔ میری سہیلی نے نمونہ دکھانے کو بھیجا ہوگا۔ تو تے ہی تو اس کے لئے یہ جوڑا بنایا تھا۔ ہائے ہائے کیسا پیارا لباس ہے۔ پچھلی دفعہ سہیلی کے ہاں گئی۔ تو اس نے پہن رکھا تھا۔ زندگی ناپائدار ہے۔ سب دھوکا ہے"۔

غم زدہ شوہر۔ حوصلہ کرو۔ دیکھو تیری بیوی باتیں کر رہی ہے۔ امید نہ چھوڑ۔ جبتک سانس تب تک آس۔ شوہر درزن کو لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اور دونوں دیر تک وہاں باتیں کرتے رہے درزن قسمیں کھا کر کچھ وعدہ کرتی رہی۔ اور پھر رخصت ہوگئی۔

شام کو واپس آئی۔ اور مریضہ کی چارپائی کے پاس پہنچی۔ دیکھنا تو درزن کیا لائی ہے۔ اس نے جلدی جلدی گٹھری کھولی۔ سبحان اللہ۔ جو نمونہ آیا تھا۔ اسی طرح کا بھڑک دار جوڑا تیار ہوگیا۔ پر اس سے حاصل؟ مریضہ غریب کو یہ لباس پہننا کہاں نصیب ہوگا۔

شوہر بولا۔ " میری حور۔ اللہ میرا سب کچھ لے لے۔ بس میں اتنا چاہتا ہوں۔ کہ تجھے ایک دفعہ تندرستی میں جوڑا پہنے ہوئے دیکھ لوں"۔

بیوی بولی۔ " میری حالت نازک ہو رہی ہے۔ اتنی بھی طاقت نہیں رہی۔ کہ انکار ہی کرسکوں۔ اُٹھتی ہوں۔ تمہیں یہ جوڑا پہن کر دکھائے لیتی ہوں"۔

نوکرانیاں کپڑا تان کر کھڑی ہوگئیں۔ بیوی بڑی ہمت کر کے اُٹھی۔ اور جوڑا پہن لیا۔ اس کے بعد بیٹھ کر چائے نوش کرنے لگی۔ سبحان اللہ۔ لباس میں عجب جادو تھا۔ کہ مرض کا نشان بھی نہ رہا۔

بیوی کو نئے جوڑے کا مرض تھا۔ اس مرض کا یہی علاج ہوتا ہے۔ اور اس کے معالج طبیب نہیں درزنیں ہیں۔

(ایک جرمن مصنفہ کی کہانی)

" ساعت "

جنتی چڑیا

(از غلام عباس صاحب)

نرگس کے پھول آسمان میں یوں نظر آ رہے تھے۔ جیسے سبز آسمان پر ستارے دمک رہے ہوں۔ انار کے درخت سنگریزوں سے کھیلتی اور ہنستی ہوئی قلقل کا ہلکا ہلکا شور کرنے والی ندی پر اپنی کلیوں کی برکھا کر رہے تھے۔ نسیم کے ہلکے ہلکے خوشگوار جھونکے مستانہ وار چل رہے تھے۔ اور درختوں کی ہری بھری ڈالیوں کا سایہ تالابوں میں رقص کر رہا تھا۔ رنگ برنگ کے پروں والی تیتریاں سورج کی کرنوں کے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔ عندلیب کے مسرت بھرے وجدانہ نغموں سے فضا لرز رہی تھی۔ اس وقت ہر جاندار اور بے جان شئے شاداں و فرحاں نظر آتی تھی۔ ہاں ایک ننھی سی بھورے رنگ کی چڑیا ایک اُجڑے ہوئے گھونسلے میں پر لٹکائے ضرور اُداس بیٹھی تھی۔ گھونسلے کے پاس ہی اس کا رفیق و ہمدم چڑا مرا پڑا تھا۔

ننھی چڑیا اس کی موت پر آنسو بہا رہی تھی۔ کہ اتنے میں ایک فاختہ آئی۔ اور مرے ہوئے چڑے کے پروں کو چونچیں مار کر اکھیڑنے لگی۔ تاکہ اس کے پروں سے اپنے گھونسلے کو استوار کرے۔

ننھی چڑیا نے دردناک آواز میں کہا:۔ "اے فاختہ بے چارے کے پروں کو نہ اکھیڑ۔ موت بہت سرد واقع ہوئی ہے۔ اس سے اس کے پروں کو نہ چھین۔ تجھے پر چاہئیں۔ تو لے میرے گھونسلے سے اکھیڑ لے"۔

یہ سُن کر فاختہ نے ایک ایک کر کے گھونسلے کے تمام پر نوچ لئے۔ تب ایک کوا آیا۔ اور وہ بھی مرے ہوئے چڑے کے پر نوچنے لگا۔ ننھی چڑیا نے غم سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میاں کوّے اس کے پَر نہ اکھاڑو۔ موت بہت سرد واقع ہوئی ہے۔ بے چارے کو پروں سے ڈھکا رہنے دو"۔

یہ کہہ کر ننھی چڑیا نے اپنے سینے سے ایک پَر نوچ کر کوّے کو دیدیا۔ اور خون کا ایک سُرخ قطرہ زمین پر ڈھلک پڑا۔

تب اَور پرندے آئے۔ ہر بار ننھی چڑیا نے یہی الفاظ کہے۔ اور ہر ایک کو اپنے سینے سے ایک پَر نوچ دیا۔ اور ہر مرتبہ خون کا ایک قطرہ زمین پر ڈھلک پڑا۔

جب رات ہوئی۔ تو ننھی چڑیا نے اپنا سر اپنے زخمی سینے پر جھکا لیا۔ اور رات بھر اپنے چڑے کے غم میں روتی رہی۔ تب ایک فرشتہ آیا۔ جس کے تمام جسم سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔

اس نے ننھی چڑیا کے خون کے قطروں کو زمین سے اُٹھا لیا۔ اور وہ قطرے اس کے ہاتھوں میں لعل بن گئے۔ ایسے لعل جن سے شعلے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

پھر فرشتہ بڑی ملائمت سے چڑیا سے کہنے لگا:-

"ننھی چڑیا! یہ غم اور محبت کے جواہر بادشاہ کے تاج میں زینت دیں گے۔ اور تو چڑیا نہیں رہے گی۔ بلکہ بادشاہ کے باغ کے پرندوں میں سب سے بڑھ کر حسین ہوگی"۔

اگلی صبح پرندے اپنے گھونسلوں کے لئے پر لینے پھر آئے۔ اب ننھی چڑیا ایسی نڈھال ہو گئی تھی۔ کہ کسی کو روکنے تک کی تاب نہ تھی۔ پرندے اس کے زخموں سے چور چور اور لہولہان سینے میں سے پر نوچنے لگے۔

دفعتہً ان میں سے ایک نہایت حسین اور درخشاں پرندہ چیخ مار کر نکلا۔ اور سیدھا آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ وہ پرندے جو ننھی چڑیا کے پر نوچنے آئے تھے۔ حیرت سے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اتنے میں وہ خوب صورت پرندہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہ پہلی جنتی چڑیا تھی۔

٭ ٭ ٭

ظل السلطان

ظل السلطان کے تازہ نمبر سے ہمیں یہ معلوم ہو کر دلی خوشی ہوئی۔ کہ اب اس کے فرائض ادارت محمود الحسن صاحب صدیقی بی اے (علیگ) نے سنبھال لئے ہیں۔ صدیقی صاحب کا نام تہذیبی بہنوں میں محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ نے گزشتہ چند سالوں میں نہایت دردمندی سے ہندوستان کے بعض اہم نسوانی مسائل پر تہذیب نسواں میں اظہار خیال فرمایا ہے۔ اگرچہ تہذیب میں آپ کے مضامین پر اکثر بحثیں چھڑ گئیں۔ اور ان کی مخالفت ہوتی رہی لیکن یقیناً مخالفین کے دل میں ترقی نسواں کے متعلق آپ کا خلوص ضرور قابل قدر تھا۔ اب ظل السلطان سے مستقل تعلق ہو جانے پر ہمیں توقع ہے۔ کہ کہ صدیقی صاحب کو خواتین ہند کی خدمت کا بہت زیادہ موقع حاصل ہو سکے گا۔

ظل السلطان کے تازہ نمبر کے مضامین سے ظاہر ہے۔ کہ اسے دلچسپ۔ متنوع اور فائدہ مند بنانے میں اہتمام سے کام لیا گیا ہے۔ صدیقی صاحب ابھی رسالہ کو اور بھی بہتر بنانے کے آرزومند ہیں۔ اور توقع ہے۔ کہ آئندہ پابندی وقت کے ساتھ رسالہ کی صوری و معنوی خوبیوں میں مزید قابل قدر اضافہ ہوگا۔

ہماری دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ صدیقی صاحب کو ان کے نیک ارادوں میں کامیاب کرے۔ خواتین دفتر ظل السلطان دارالاشاعت بھوپال سے رسالہ طلب فرما سکتی ہیں۔

منیجر

دستکاری

شیکوین ستاروں کی بیل

شیکوین ستارے بمبئی سے دور رہنے والی بہنوں کے لئے بالکل نئی چیز ہوں گے۔ سنہری روپہلی ستاروں کی طرح یہ بھی ایک قسم کے ستارے ہیں۔ فرق یہ ہے۔ کہ ان میں صدہا رنگ اور وصفیں ہوتی ہیں۔ خصوصیت صرف ان کے گوناگوں دل کش جھلک کی ہے۔ جو چشم انسان کو بے اختیار جذب کر لیتی ہے۔ یہاں کاریگر ہر سنہری روپہلی کے وسط میں خوشنمائی زیبائش کرنے کو ان رنگ برنگے ستاروں کے گل و غنچے بنا دیتے ہیں۔ اس رنگ آمیز جھلک سے سنہری بیلوں کی چمک اور رونق دوچند ہو جاتی ہے۔ اس پیاری رنگت کی دل آویزی سے اکثر بے ضرورت خریدار بھی انہیں خریدنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں شیکوین ستاروں کی بیلیں وزن میں بہت ہلکی ہوتی ہیں۔ اور بہت کم خرچ میں تیار ہو جاتی ہیں۔ ہلکے رنگین لباس کے لئے نہایت موزوں اور باعث رونق ہوتی ہیں۔ خصوصاً پھولدار ریشم پر حسب رنگ بیل بیحد
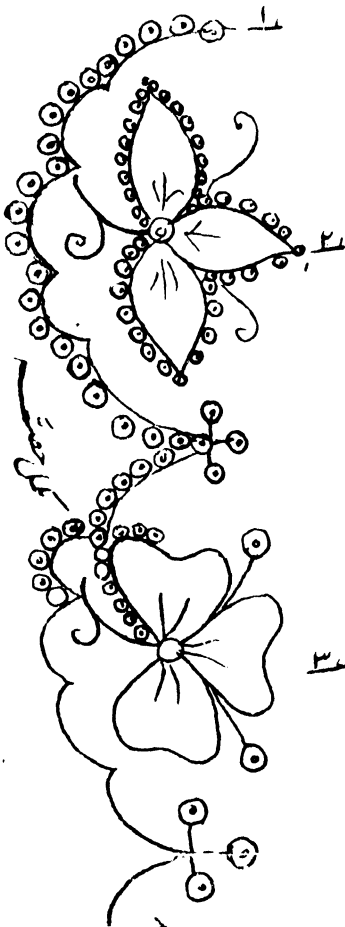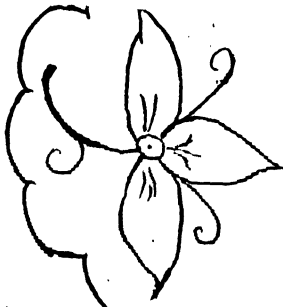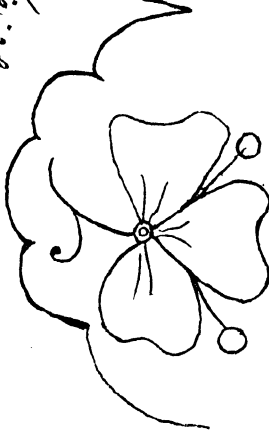
دلفریب اور زیب دہ معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بنانے کی ترکیب ذیل میں لکھتی ہوں۔ مگر واضح رہے کہ اس بیل کو کپڑے پر بنا کر لگانا چاہیئے۔ تاکہ دھلائی کے وقت بہ آسانی جدا ہو سکے۔ ورنہ پانی لگنے سے گل جاتی ہے؛

ٹیکوبن سفید	تولہ	۲
گلابی	"	۱
سبز	"	۱
موتی گہرے سبزی مائل	گچھے	۴
موتی سنہری گچھے		۴
تاگہ سفید نمبر ۵۰		
سوئی نمبر	۱۴	

مہین جال یا حسب رنگ مہین ریشم

ملا بیل کی نیچے کی کمان، نمبر ا کے پاس سے شروع کیجئے۔ سوئی میں ایک سفید ستارہ ایک موتی پرو لیں۔ پھر واپس ستارہ میں لیں۔ اور ستارے کے قریب نکالیں۔ اسی طرح تمام لائن ختم کر لیں؛

۲۔ پتی سبز ستاروں کی؛

۳۔ پھول گلابی۔ پھول پتی کی ڈنڈیاں۔ سبز پتی کے درمیان لکیریں سبز موتی کی بنائیے۔ پھول کے درمیان لکیریں سنہری موتی کی ہوں، دائیں بائیں کے دونوں ستارے بھی گلابی ہوں؛

خاکسار خدیجہ بائی بمبئی

خانہ دار لیس

یہ لیس بالکل سلیس و سادہ ہے۔ مگر بے حد خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔ یہ لیس بنا کر کرسی کے کپڑوں، تکیہ کے غلافوں اور ٹیبل پوشوں میں لگانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ڈرَان تھرڈ کا کام کیا گیا ہے؛ موٹی لیس بنانی ہو۔ تو موٹا دھاگا ۱۸ نمبر کا اور ۴ نمبر کا کروشیا لو۔ نازک بنانا ہو۔ تو ۷ نمبر کروشیا اور ۵۰ نمبر کا دھاگا لو؛ کرسی کے تولیہ یا دروازے کے پردے میں لگانے سے یہ لیس اس طرح دکھائی دے گی؛
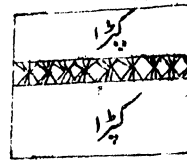
زر تار اور نفیس ریشم میں بناکر لگانے سے ساریوں اور دوپٹوں کے کام میں بھی آئے گی۔ بہنیں مندرجۂ ذیل ترکیب کے مطابق بناکر اپنی ساریوں میں ضرور ٹانکیں۔ بہت دیدہ زیب ہو گی۔

ترکیب ۱۔ ۷۰ چین بنالو۔ پھر کروشیا سے گن کر ۷ ویں چین میں یکے بعد دیگرے دو ٹریبل بناؤ۔ پھر ایک چین لے کر اسی ۷ ویں چین میں اَور دو ٹریبل لو۔ وہ یوں دکھائی دے گا۔

اس کے بعد پانچ چین بناکر ۱۰ چینوں کے درمیان چین میں ایک ڈبل کروشیا کے ذریعہ سے جا دو۔ پھر سب سے پہلی چین میں دو ٹریبل ایک چین دو ٹریبل لو۔ اور سات چین بناکر لوٹا لو اور دوسری قطار بناؤ۔ پہلی قطار یوں دکھائی دے گی۔

دوسری قطار پہلی قطار کے بعد ۷ چین لو۔ اور پہلی قطار کے دو دو ٹریبلوں کے درمیان جو خالی چین لی گئی ہے۔ اس میں اسی پہلی ترکیب کے مطابق دو ٹریبل ایک چین۔ دو ٹریبل لو۔ پھر پانچ چین لے کر اسی پہلی قطار والی ڈبل کروشیا میں اَور ایک ڈبل کروشیا لو۔ پھر پانچ چین بناکر دو دو ٹریبلوں کی درمیانی چین میں دو ٹریبل ایک چین دو ٹریبل لو۔ اور ۷ چین بناکر لوٹا لو۔ اور پھر تیسری قطار شروع کرو۔

تیسری چوتھی قطار۔ پہلی دوسری قطاروں کے مطابق تیار کر لو۔

پانچویں۔ ۷ چین بناکر دو دو ٹریبلوں کی درمیانی

لیس ٹانکا ہوا میز پوش ایسا ہوگا

چین میں دو ٹربل ایک چین - دو ٹربل بنا کر ۱۰ چین بناؤ + پھر دوسری طرف کی ٹربلوں والی خالی چین میں دو ٹربل ایک چین دو ٹربل بنالو اور ۵ چین بنا کر چھٹی قطار شروع کرو +

چھٹی - ساتویں - آٹھویں تینوں قطاریں دوسری - تیسری - چوتھی کے مطابق بناؤ + نویں پھر پانچویں کی مانند بناؤ +

نوٹ - ہر قطار کے آخر میں ۵ چین لینے ضروری ہیں - بالکل آسان لیس ہے - حسب ضرورت تیار کر لو - اور ٹانک کر پہنو - پہناؤ +

مس فاطمہ محمد حسین - بنگلور سٹی

+ + +

خوشنما گلدستہ

یہ گلدستہ چھوٹے بچوں کے فراک اور تکئے کے غلاف پر بیحد خوبصورت معلوم ہوگا بشرطیکہ بنیں اس کے بنانے میں بہت صفائی اور موزوں و خوش رنگ ریشم لگانے کا خیال مدنظر رکھیں + گلدستہ میں جابجا ایسے "o" گول نشان بنے ہیں - یہ گرہ بنانے کا نشان ہے - اور ان جگہوں پر خاص قسم کی گرہیں بنیں گی +

آمنہ خاتون - گورکھپور

دسترخوان پر

نان خطائی

ردا سیر بھر۔ شکر سیر بھر۔ گھی آدھ سیر تینوں چیزوں کو ملا کر خوب گوندھیں۔ بعد ازاں اس کے چھوٹے یا بڑے پیڑے بنا کر ایک طباق میں کاغذ بچھا کر اس پر ٹکیا بنا بنا کر رکھیں۔ اور دوسرا طباق اوپر سے ڈھانک کر نیچے اوپر کوئلے کے انگارے رکھ دیں۔ اور نگاہ رکھیں جب پھول جائیں۔ تو اتار لیں۔ اگر گھی اچھا ہو۔ تو دو ہفتہ رکھ کر کھا سکتے ہیں۔ انہیں نان خطائی کہتے ہیں۔

بالوشاہی

میدہ سیر بھر لیکر اس میں آدھ سیر گھی اور ڈیڑھ پاؤ پانی دے کر خوب سانیں۔ بعد ازاں اس کی لوئیاں بنا کر گھی میں پکائیں۔ پھر تین سیر شکر کی چاشنی ایک تار کی اتار لیں۔ اور اس میں چھوڑتے جائیں۔ اور کرچھے سے ان پر وہ چڑھاتی جائیں۔ جب ٹھنڈی ہو جائیں۔ تو خوشبو عطر کیوڑہ وغیرہ ڈال کر اتار لیں۔

حلوا بیضہ مرغ

بیس انڈوں کی سفیدی دور کر کے زردی نکال کر بانس کی تیلیوں سے خوب پھینٹیں۔ پھر ڈیڑھ پاؤ گھی میں ڈال کر گرم کریں۔ اور انڈے ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھیں۔ جب ذرا سختی پر آجائے۔ تو آدھ سیر شکر کا قوام تیار کر کے اس میں ڈالیں۔ جب سمٹ آئیں۔ اتار لیں۔ اور زعفران اور کیوڑہ ڈال دیں۔ اس کے بعد نوش کریں۔

راقمہ مس سید شاہ منظور احمد صاحب رزاقی لکھنوی۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس

نمکین بسکٹ

گھی پاؤ سیر۔ شکر چھٹانک بھر۔ نمک سوا آٹھ ماشہ۔ میدہ گیہوں کا سیر بھر۔

اوّل گھی۔ شکر اور نمک کو پیس کر ایک لگن میں پانچ منٹ تک خوب پھینٹیں۔ پھر میدہ بھی ملا کر خوب پھینٹیں۔ جیسے پوریوں کا آٹا گوندھا جاتا ہے۔ پھر جتنا بڑا بسکٹ بنانا ہو۔ اتنا بڑا بیلن سے بیل کر اسی طرح پتھر پر رکھ کر تنور میں رکھ دیں۔ اور بعد تیاری کے تنور سے نکال لیں۔

اس کو نان پاؤ کے پکانے سے پہلے پکانا چاہئے۔ کیونکہ اس کو آگ کا تاؤ بہت زیادہ چاہئے۔

خاکسار فاخرہ بیگم

انتقال پُر ملال

ہم نہایت دلی رنج و الم سے یہ افسوسناک اطلاع تہذیبی بہنوں کو پہنچاتے ہیں۔ کہ محترمہ میر سجاد حیدر صاحبہ کے والد ماجد خان بہادر میر نذر الباقر صاحب دل کی حرکت اچانک بند ہو جانے سے ۲۳ نومبر ۱۹۲۸ء کو ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں انتقال فرما گئے۔ میر صاحب کئی مہینوں سے امراض قلب میں مبتلا تھے۔ اس دوران میں بہتر سے بہتر معالجوں نے آپ کا علاج کیا۔ اور آپ کو مختلف صحت بخش مقامات میں رکھا گیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب آپ روبصحت ہیں۔ اور سوائے ضعف کے اور کوئی غیر معمولی شکایت باقی نہیں۔ چنانچہ ۲۳ نومبر کی صبح تک جب آپ کی چھوٹی صاحبزادی کے شوہر میر افضل علی صاحب انکم ٹیکس کلکٹر کسی قریبی مقام کے دورے کے لئے روانہ ہوئے۔ تو آپ کو خاصا تندرست اور ہنستا بولتا چھوڑ کر گئے تھے۔ لیکن ان کی موٹر بیس چالیس ہی میل گئی تھی۔ کہ ایک چوکی پر پولیس افسر نے انہیں روک لیا۔ اور بتایا۔ کہ ٹیلیفون کے ذریعے میر صاحب کے انتقال کی اطلاع ملی ہے۔

یہ صدمہ میر صاحب کے دوستوں اور ارادتمندوں کے لئے جیسا اچانک ہے۔ ویسا ہی روح فرسا بھی ہے۔ میر صاحب قوم کے ان روشن خیال مسلمان بزرگوں میں سے تھے جنہیں پہلے پہل تعلیم نسواں کی ضرورت اور اہمیت کا احساس ہوا۔ اور جنہوں نے اس سلسلے میں قوم کی سب سے بڑی خدمت یہ کی۔ کہ اپنے گھر کی خواتین میں تعلیم اور روشن خیالی پھیلانے میں پہل کی۔ چنانچہ میر صاحب نے اپنی دونوں صاحبزادیوں کو آزادی کی ایسی فضا میں پروان چڑھایا۔ جو بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں کچھ کم جرأت اور حوصلہ کی بات نہ تھی۔

آپ قوم کے ہر تعمیری کام میں بے انتہا دلچسپی لیتے تھے۔ تعلیمی کانفرنسوں میں شریک ہونا۔ اور ان کی تجاویز و آرا پر خلوص و توجہ سے غور کرنا آپ کا محبوب ترین شغل تھا۔ میر صاحب کے حسن اخلاق ملنساری اور خوش طبعی کا یہ عالم تھا۔ کہ جو شخص بھی آپ سے ایک مرتبہ ملتا۔ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ بچوں میں آپ بچے تھے۔ اور بڑوں میں بڑے۔ دوسروں کی دلداری اور راحت کا خیال ہمیشہ رکھتے تھے۔ مخیر اس قدر تھے۔ کہ اپنی تنخواہ کا بہت سا حصہ کم استطاعت طلبا کی امداد میں ہمیشہ صرف کرتے رہے۔

اس عظیم صدمہ پر محترمہ نذر سجاد حیدر صاحبہ اور محترمہ ثروت افضل علی صاحبہ کو جتنا بھی غم ہو کم ہے لیکن مشیت ایزدی یہی تھی۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور پس ماندگان کے دکھے ہوئے دلوں کو تسکین عطا فرمائے۔ مینیجر

محفل تہذیب

میں انتہائی مسرت سے مطلع کرتی ہوں۔ کہ بتاریخ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ بروز دوشنبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک چاند سا پیارا بھائی عطا فرمایا۔ نام عبدالمجید رکھا گیا ہے۔ براہ کرم کوئی تہذیبی بہن یا بھائی تاریخی نام لکھ کر ممنون فرمائیں + راقمہ زیب النسا۔ اہلیہ مخدوم علی ناظر تعلیمات گلبرگہ

میں نہایت خوشی کے ساتھ لکھتی ہوں۔ کہ بتاریخ ۱۳ نومبر ۱۹۲۸ء ڈھائی بجے دن کے وقت میری چچی زاد بہن حسن آرا بیگم کو خدا نے سا بیٹا عطا کیا ہے۔ کوئی تہذیبی بہن یا بھائی تاریخی نام نکال کر تہذیب کے ذریعے مطلع فرمائیں + راقمہ شکیلا خاتون بنت شاہ محمد توحید الدین۔ ازاروں

جناب مولوی صاحب قبلہ آداب عرض + علیا حضرت سابق بیگم صاحبہ بھوپال نے میری کتاب پسند فرما کر خاکسار کو انعام میں ایک سو روپے کا زیور ہاتھوں کے لئے مرحمت فرمایا ہے + اس خوشی میں دو روپے تہذیب فنڈ میں روانہ کرتی ہوں۔ قبول فرما کر ممنون فرمایئے + تہذیبی بہنوں کو اس خوشی میں "گلدستہ کروشیا" رعایتی قیمت پر دی جائے گی + مس فاطمہ محمد حسین معلمہ "بیلروز ولا" فورٹ۔ بنگلور سٹی

---

۱۷ نومبر ۱۹۲۸ء کے اخبار تہذیب نسواں میں ایک بہن نے لکھا ہے۔ کہ کروشیا میں اردو حروف کی ضرورت ہے، "کتاب" دھوتی کے فینسی ڈیزائن" ان کے لئے کافی ہوگی۔ جو مسٹر بنجمن نیجر جگی لال کملاپت کاٹن مل کانپور سے مل سکتی ہے + قیمت کتاب پر درج نہیں ہے۔ اس لئے مطلع نہیں کر سکتی +

مجھ کو کسی ایسی کتاب یا نمونہ جات کی ضرورت ہے جس میں کروشیا کی جالی میں سب انگریزی ہندسے ہوں۔ اور کروشیا میں حروف ہندی مع ماترائیں وغیرہ بنائی جا سکیں + مذکورہ بالا کتاب میں ہندی حروف تو ضرور ہیں۔ مگر ماترائیں نہیں ہیں + اس کے علاوہ میں یہ بھی معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کہ ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء کے پہلے صفحے پر جو کروشیا کا اشتہار درج ہے۔ (مصنفہ محترمہ بلقیس بیگم صاحبہ) آیا وہ پہلا حصہ ہے۔ یا دوسرا حصہ؟ خاکسار نعیمہ بیگم بنت حسرت موہانی

نیجر۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ ابھی شائع نہیں ہوا +

ولائتی معلومات

خاص تہذیب کے لئے

ہندوستان کی آزاد عورتیں

انٹرنیشنل سکول آف کلچر مدراس کے پرنسپل جیمز۔ایچ۔کزنز ڈاکٹر آف لٹریچر نے جو ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں میں لکچرار رہ چکے ہیں۔ لندن کے اخبار ڈیلی ایکسپریس" میں ایک مقالہ تحریر فرمایا ہے۔جس میں آپ نے بیان کیا کہ ہزہائی نس مہارانی آف برودا کا یہ فرمانا۔کہ ہندوستان میں ہر عورت کو چہرے پر نقاب پہننا یا گھونگھٹ نکالنا لازمی ہے حقیقت سے بعید ہے۔پردہ صرف شمالی اور وسطی ہندوستان میں رائج ہے۔اور وہاں بھی صرف چند طبقوں تک ہی محدود ہے۔جنوبی ہندوستان میں پردہ نام کو نہیں۔پچھلے سال ہزہائی نس کی صدارت میں خواتین ہند کی جو تعلیمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔اس میں کسی ہندو عورت کا بھی پردہ یا گھونگھٹ نہیں تھا۔حالانکہ اس میں مرد بھی شریک تھے +

پچھلے دسمبر میں مدراس میں انڈین نیشنل کانگریس کے موقع پر عورتوں کی والنٹیریوں کی ایک کثیر جماعت نے جلسہ کے دوران میں امن امان قائم رکھنے میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا علاوہ ازیں ایک وومن ڈے (یوم خواتین) بھی منایا گیا تھا۔اِس تقریب پر عورتوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہُوا تھا۔اور مرد بھی شریک تھے۔لیکن نہ تو کوئی عورت نقاب پہنے ہوئے تھی۔نہ گھونگھٹ نکالے +

تمام ملک میں ہندو عورتیں دفتروں میں ملازمت کرتی ہیں۔مدراس کا ہاؤس آف کامنز جو ۴۰ ملین اشخاص پر مشتمل ہے۔اس کی ڈپٹی سپیکر ایک خاتون ہیں +

مہارانی موصوفہ کا بیان ہے۔کہ "ہندوستانی عورتوں پر سخت قیود عاید ہیں"۔میں نے تمام ہندوستان کا دورہ کیا ہے۔ادنےٰ اعلیٰ ہر طبقے کے لوگوں سے مِلتا جُلتا بھی رہا ہوں میں نے تو ہر جگہ عورتوں کی بیش از بیش آزادی ہی دیکھی ہے۔میں نے ہر جگہ لیکچر دئے ہیں۔اور ہر جگہ میرے لیکچروں کے سامعین میں عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے +

بنارس ہندو یونیورسٹی جو ہندوؤں کی بہت بڑی تعلیمی درسگاہ ہے۔یہاں

جاپان کی ملکہ نیگاکو

جاپان کے شاہنشاہ ہیروہیتو

طالبات مردوں کے ساتھ تعلیم پاتی ہیں اور گھونگھٹ کے بغیر ہوتی ہیں۔ میں نے بارہا ہندو عورتوں کو مستقل طور پر اپنی موٹریں آپ چلاتے دیکھا ہے۔ سفر کے موقع پر بھی ملک بھر میں عورتوں کو گھونگھٹ اُتارے مرد مسافروں کے پہلو بہ پہلو بیٹھے دیکھتا رہا ہوں +

ہندوستان کے متعلق کوئی ایک سی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ میں نے ہندوستانی عورتوں کی پست حالت پر متعدد مضامین پڑھے ہیں۔ اس کے باوجود مالابار میں عورتیں جاگیروں کی مالک ہیں۔ شادی اور طلاق کی خود مختار ہیں۔ فنون لطیفہ کی طالب علم ہیں۔ علاوہ ازیں کسرت کرنے والی اور تیراک عورتیں بھی ہیں۔ اور یہ عورتیں ہر ایک قید سے آزاد ہیں +

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان میں پردہ ہے۔ لیکن شہر کی حدود کے اندر اندر کم سنی کی شادی کا بھی رواج ہے۔ لیکن یہ رواج لوگوں کے ایک مخصوص طبقے تک ہی محدود ہے۔ یہ دونوں باتیں تاریخی مجبوریوں سے رواج پا گئی ہیں۔ اور تمام ہندو تہذیب تمدن اور معاشرتی زندگی پر عاید نہیں ہو سکتیں اور یہ رفتہ رفتہ اُڑتی جا رہی ہیں +

ہندوستان کے مردوں کو جو نہی حق حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی عورتوں کو پالیمنٹ میں ووٹ دینے کی اجازت دے دی +

ہندو عورتوں نے عام انتخابات کے موقعوں پر کھُلے بندوں ووٹ دیئے ہیں۔ اور وہ دن دُور نہیں۔ کہ عورتیں کثرت کے ساتھ پارلیمنٹ کی انتخاب شدہ ممبر شمار کی جائیں گی۔ اور کابینہ کے عہدے پر فائز ہوں گی + ہندوستان کی ایک ریاست میں ایک خاتون وزیر صحت کے عہدے پر ممتاز ہیں +

جاپان کے شاہنشاہ کی تخت نشینی

۲۵ دسمبر کی رات کو جاپان کے شاہنشاہ تائے شو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ تو آپ کی جگہ آپ کا بیٹا اور جانشین شہزادہ ہیرو ہیٹو تخت پر بیٹھا + اُس وقت تخت نشینی کی رسم ایک نہایت سادہ مگر موثر طریق سے ادا کر دی گئی + لیکن تخت نشینی کی وہ تمام قدیمی رسوم جو ڈھائی ہزار سال سے زیادہ عرصہ سے چلی آتی ہیں۔ اور ابھی تک ان میں سرِمو فرق نہیں آیا۔ پہلے شاہنشاہ کے سوگ کی میعاد گزر جانے پر اُٹھا رکھی گئی تھیں + چنانچہ اب سوگ کی میعاد پوری ہوئی۔ تو ۶۔نومبر ۱۹۲۸ء کو نئے سرے سے تخت نشینی کی تمام رسوم نہایت دھوم دھام کے ساتھ ادا کی گئیں +

بہت قدیم روایت چلی آتی ہے۔ کہ جاپان

کی سب سے پہلی دیوی اماٹراسو (سورج کی دیوی) نے اپنا ایک نواسا آسمانی بادشاہت سے زمین پر بھیج دیا تھا۔ کہ وہ جاپان کے ملک پر حکومت کرے۔ جاپان کے لوگوں نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ اِسے تخت پر بٹھایا اور اُس کے لئے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔

اُس عہد سے لے کر آج تک اسی کے مطابق تمام رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے رسوم ادا کرنے والے پجاریوں کا فرض ہوتا ہے۔ کہ وہ بادشاہ کے تخت پر جلوہ افروز ہونے کی کوئی شُبھ گھڑی مقرر کریں۔ جب تاریخ مقرر ہو جاتی ہے۔ تو اس کی اطلاع تمام قدیمی دیوتاؤں کو دی جاتی ہے۔ اور دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دُعا مانگی جاتی ہے۔ کہ آنے والی تخت نشینی کی تقریب نہایت حُسن و خوبی کے ساتھ انجام پا جائے۔ یہ دُعا ٹوکیو کے شاہی مندر میں مانگی جاتی ہے۔

پھر شاہنشاہ قدیم زمانے کا لباس فاخرہ زیب تن کئے شاہی مندر میں داخل ہوتے ہیں۔ اور تمام چڑھاؤں اور نذروں کا معائنہ کر کے مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور قاصد کو طلب کرتے ہیں۔ اور انہیں اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نامہ دیتے ہیں۔ کہ وہ اسے شاہی مقبروں اور معبدگاہوں میں پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ جہاں جاپان کے قدیم شاہنشاہوں کے مرقد ہیں۔ اور جن کی لوگ پرستش کرتے ہیں۔

بعد ازاں شاہنشاہ ٹوکیو سے کیوٹو کی جانب روانہ ہوتے ہیں۔ یہ خوب صورت شہر گیارہ سَو سال تک جاپان کا دارالخلافہ رہ چکا ہے۔

علی الصباح بادشاہ سلامت ٹوکیو سے چلنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت پھر شاہی مندر میں چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ بادشاہ سلامت دیوتاؤں کی پوجا کے بعد بڑے بڑے عہدہ دار پوجاریوں کے آگے آگے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ آگے آگے ایک عالی شان مندر ہوتا ہے۔ جسے ۳۲ قوی ہیکل نوجوانوں نے کندھے پر اُٹھایا ہوتا ہے۔ یہ نوجوان ہمیشہ کیوٹو کے نزدیک "یاسے" کے گاؤں سے منتخب کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ اَن گنت سال سے یہاں کے نوجوانوں نے یہ قابل عزت خدمت انجام دی ہے۔ مندر میں سورج کی دیوی اماٹراسو کا ایک آئینہ رکھا ہوتا ہے۔ غرض چھ بجے کے قریب یہ جلوس بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ کیوٹو کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

جب یہ جلوس کیوٹو کے قریب پہنچ جاتا ہے

تو وہاں کے افسران اعلیٰ کی طرف سے نہایت شاندار طریق سے اس کا استقبال کیا جاتا ہے۔ ڈھول اور باجے والے نہایت سُریلی اور قدیم سروں سے بادشاہ سلامت کو سلامی دیتے ہیں ؛

محل میں پہنچ کر بادشاہ سلامت حمام جاتے ہیں۔ یہ بہت عجیب و غریب رسم ہے۔ بادشاہ ایک پرندوں کے پروں کی بنی ہوئی پوشاک جو جاپانیوں کے عقیدے کے مطابق آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ زیب تن کرتے ہیں۔ اور ایک چوکی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ پجاری منتر پڑھ پڑھ کر خوشبودار پانی چھڑکتے۔ اور آہستہ آہستہ نہلاتے ہیں ؛

اس رسم سے فارغ ہو کر بادشاہ دربار میں تشریف لاتے ہیں۔ اور لوگ گیت گانا شروع کر دیتے ہیں۔ ان گیتوں میں بیج بونے اور فصل کاٹنے کا ذکر ہوتا ہے۔ خواتین زرق برق لباس پہن کر چڑھاوے لاتی۔ اور مورتیوں کے سامنے پیش کرتی ہیں ؛

بادشاہ سلامت پہلے دیوتاؤں کو ایک عرضداشت پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور پھر چاول اور باجرا چکھتے ہیں۔ اور کبوتر کے کاما مندر میں کشید کی ہوئی کالی اور سفید شراب کا گھونٹ پیتے ہیں ؛

تاجپوشی کے بعد دو دن رات جشن ہوتا رہتا ہے۔ جس کے دوران میں بعض اور رسوم ادا کی جاتی ہیں۔ دوپہر کے بعد اور شام کے وقت محل کے ایوانوں میں بڑی بڑی ضیافتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے سامنے رقص و سرود بھی جاری رہتا ہے ؛

جب تمام رسوم اور کھیل تماشے ختم ہو جاتے ہیں۔ تو شہنشاہ اس مقام سے رخصت ہو کر آتش میں چلے جاتے ہیں۔ اور وہاں سے جاپان کے گذرے بادشاہوں کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ جاپان کے نئے بادشاہ سب سے پہلے شہنشاہ جمّو کے مقبرے میں گئے۔ وہاں سے اپنے دوسرے بزرگوں کے مقبروں میں پہنچے۔ اس کے بعد اپنے پڑدادا کامئی کے مقبرے کی زیارت کی۔ پھر اپنے دادا مچی کے مقبرے میں آئے۔ اور سب سے آخر میں اپنے باپ شہنشاہ ٹیشو کے مزار پر تشریف لے گئے ؛

جب شہنشاہ ٹوکیو میں واپس پہنچتے ہیں تو ہیں کے نوجوان ایک مرتبہ پھر اسی مندر کو اپنے کندھوں پر اُٹھاتے۔ اور محل کے مقررہ مقام پر رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح عرصہ تک خوشیاں منانے کے بعد آخر لوگ پھر اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور نئی حکومت کی برکات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کر دیتے ہیں ؛

خبریں اور نوٹ

بروسا (ٹرکی) میں تقریر کرتے ہوئے محترمہ نجیبہ خانم نے ترکی میں جدید اصلاحات کو اسلامی نقطۂ خیال سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بعثت نبوی سے پہلے دنیا میں عورت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اور عرب محض اس لئے۔ کہ کسی کو اپنا داماد نہ بنانا پڑے اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ نبی کریم نے اس لعنت کو دور کر کے عورتوں کی قدر سکھائی۔ اور انہیں آزاد کر کے سوسائٹی میں ان کی حیثیت بلند کی۔ اسلام میں زبردست پردہ کا حکم نہیں صرف چند اعضاء کے چھپانے کے احکام ہیں۔ اور وہ بھی محض معزز عورتوں کو معمولی عورتوں سے ممتاز کرنے کے لئے۔ مگر چہرے کو چھپانے کے احکام کہیں بھی موجود نہیں۔ اسلامی کتاب میں شدید پردہ کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ یہ تو قیدِ ہے بعض لوگوں نے اپنی رائے کے ماتحت سخت پردہ جاری کر دیا۔ جسے توڑنے کا ہمیں کلی اختیار ہے۔ اور ہم مذہبی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر پردے کو ترک کر سکتے ہیں۔

سمرنا کی خبر ہے۔ کہ قسطنطنیہ میں ایک انجمن ہے۔ جس کی ایک شاخ سمرنا میں بھی ہے۔ اس انجمن کا مقصد رفاہ عام ہے۔ یعنی لوگوں میں تعلیم کی رغبت پیدا کرنا۔ اور عورتوں کو آزادی دلا کر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا۔

عراق کی وزارت تعلیم نے شام و فلسطین سے دس اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اور سات مرد استاد اپنے ملک کے ان ثانوی مدارس کے لئے طلب کیا ہے۔ جو حال میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جاری کئے گئے ہیں۔

عراق کے مقام رطبہ کے شمال مشرقی حصے میں سونے کی ایک کان دریافت ہوئی ہے۔ اگر یہ خبر درست ہے۔ تو عراق کو ایک گرانقدر خزانہ مل جائیگا۔ اور اس کی مالی کمزوریاں بہت جلد رفع ہو جائیں گی۔

خبر ہے۔ کہ شاہ ایران نے ولی عہد ایران شہزادہ رضا محمد خاں کی نسبت اعلیٰ حضرت شہریار افغانستان کی چھوٹی شہزادی سے کر دی ہے۔

"ڈیلی میل" لکھتا ہے۔ کہ ۲۔اکتوبر سے انگورا میں ترکی زبان کا پہلا اخبار لاطینی حروف میں شائع ہونے لگا ہے۔

قسطنطنیہ کا تار ہے۔ کہ حکومت ترکی نے وہ تجاویز منظور کر لی ہیں۔ جو وزیراعظم یونان نے بحری قوت کو کمزور کرنے کے متعلق پیش کی تھیں۔

ایرانی بلوچستان کے صدر مقام بام پور میں دوست محمد ایک طاقتور سردار تھا۔ اور دولت ایران کے ماتحت ایک باجگذار گورنر تھا۔ لیکن اس نے پچھلے

کئی سال سے شاہ ایران سے بغاوت کرکے باجگذاری سے انکار کر دیا تھا۔ اور خود مختار بن بیٹھا تھا۔ دوست محمد اپنے علاقے ایرانی بلوچستان میں ایرانیوں کے داخلہ اور ایرانی جھنڈا لہرانے کا بھی روادار نہ تھا۔ اس سال موسم گرما میں شاہ ایران نے اس کو زیر کرنے کے لئے فوجیں جمع کیں۔ سرحدی قبائل کو دوست محمد کا ساتھ دینے سے روکا۔ اور اسے ایک اعلان کے ذریعے گورنری کے عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔ پھر پچھلے مہینے پیش قدمی کرکے بام پور اپنے قبضے میں لے لیا۔ باغی سردار ایک دو معرکوں کے بعد شکست کھا کر بھاگ گیا۔

خبر آئی ہے۔ کہ ایرانی سپاہ ۲۰ نومبر کو فاتحانہ طور پر بام پور میں داخل ہوگئی۔ شاہ ایران نے اس فوج کے سردار کو ترقی دے کر امیر لشکر بنایا ہے۔ اور باغیوں کو زیر کرنے پر سپاہ کو مبارک باد کا پیغام بھیجا ہے۔

سرحد کی خبروں نیز مسافروں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرحدی قبیلہ شنواری نے شاہ افغانستان کے خلاف بغاوت کرکے کاہی اور ڈکہ کے مواضع اور افغانی فوجی چوکی پر حملہ کر دیا۔ لیکن ڈکہ میں افغانی فوج نے انہیں پسپا کر دیا۔ اس جنگ میں شنواری اپنے بہت سے مقتول اور مجروح چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دوسرے دن افغان فوج کی کمک اور ہوائی جہاز پہنچ گئے۔

پشاور ۲۳ نومبر۔ کابل و خیبر کے نزدیک جو جنگ ہوئی۔ اس کی وجہ سے خیبر و کابل کی درمیانی سڑک بند ہوگئی تھی۔ اب راستہ کھل گیا ہے۔ اور کابل کی ڈاک بحفاظت مقام ترکھام پہنچ گئی ہے۔ لشکریوں اور مخالف دیہات پر کابل کے ہوائی جہاز بم باری کر رہے ہیں۔ اور افغانی ہوائی جہازوں کی تاخت کا اثر قبائل پر اچھا پڑا ہے۔

کابل کی اطلاع ہے۔ کہ شاہ امان اللہ خاں کابل سے جلال آباد روانہ ہوگئے ہیں۔ شنواریوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے آپ کی زیر ہدایت فوجی کارروائی کی جائے گی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ قبیلہ شنواری نے شاہ افغانستان کے اس حکم سے ناراض ہو کر بغاوت کی ہے۔ کہ سرکاری دفاتر میں تمام ملازم یورپین لباس پہن کر آیا کریں۔

شہنشاہ جارج پنجم زکام اور بخار میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ آپ کی حالت سدھر رہی ہے۔ ۲۴ نومبر کا تار ہے۔ کہ رات اچھی طرح گزری۔ بخار کم ہوگیا۔ اور دن بھی بغیر بے چینی کے گزرا۔ ایکس رے کے ذریعے معائنہ کیا گیا۔ گو پھیپھڑوں میں ورم آگے نہیں بڑھا۔ اگرچہ الجھاؤ باقی ہے۔ ۲۵ نومبر کا تار ہے۔ درجۂ حرارت آج پھر بڑھ گیا۔ اور بے چینی رہی۔ آدھی رات کے بعد آرام سے وقت گزرا۔ آج رات کو بادشاہ کی خدمت کے لئے دو نرسیں حاضر رہیں۔ پہلے ایک نرس موجود رہتی تھی۔

بادشاہ سلامت کی علالت کی اطلاع پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف گلوسسٹر کو دی گئی۔ لیکن انہیں بلایا نہیں گیا۔ پرنس آف ویلز آج کل ٹانگانیکا میں شکار کھیل رہے ہیں۔ آپ نے شکار کھیلنا بند کر دیا ہے۔ لیکن آپ کو اپنا دورہ ملتوی کرنے سے روک دیا گیا ہے۔

لندن ۱۹ نومبر۔ مصری حکام قومی سرگرمیوں کو روکنے اور وفد پارٹی کے جذبات کو دبانے کے لئے تشدد سے کام لے رہے ہیں۔ چنانچہ انہی دنوں جب محمود پاشا وزیر اعظم مصر ایک مقام پر پہنچے۔ تو لوگوں نے وفد پارٹی کے لیڈر نحاس پاشا کی حمایت میں "زندہ باد نحاس پاشا" کے نعرے لگائے۔ اس جرم کی پاداش میں ۸۰ آدمیوں کو گرفتار کرکے بند کر دیا گیا۔ اور پھر ان کے تازیانے لگائے گئے۔ اس کے علاوہ ایک مصری اخبار کے اڈیٹر توفیق بے کو باغیانہ تقریر کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔

ٹانگکن ۱۱ نومبر۔ مسلح چوروں کا ایک گروہ موٹر کاروں میں سوار ہوکر دن دھاڑے چین کے دو بڑے بنکوں پر حملہ آور ہوا۔ ڈاکو علہ پر ریوالوروں سے گولیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے۔ اور بندوق کی گولیوں سے صندوق توڑ کر ہزاروں ڈالر لیکے چنپت ہو گئے۔

پیکن ۲۰ نومبر قحط سالی کی رپورٹ سے پایا جاتا ہے۔ کہ شمالی اور مرکزی چین میں ایک کروڑ بیس لاکھ ایسے آدمی ہیں۔ جو فاقہ کشی کی حالت کو پہنچ گئے ہیں۔ اگر قحط کی شدت یونہی بڑھتی رہی۔ تو یہ تعداد دو کروڑ تک پہنچ جائے گی۔

روما کا تار۔ سرکاری طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ کوہ ایٹنا کی آتش فشانی سے ۸۰۰ مکانات نذر آتش ہو گئے۔ ۵ ہزار آدمی بے گھر بے در پھر رہے ہیں۔ ۱۲ سو ایکڑ کے سنترے کے باغات جل کر خاک ہو گئے۔

لندن میں بنک آف انگلینڈ نے خزانے کے موجودہ نوٹوں کی جگہ پونڈ اور دس شلنگ کے نوٹ تیار کئے ہیں۔ وہ انہی دنوں پہلی مرتبہ جاری ہوں گے۔ پہلے رائج الوقت نوٹ طلب کئے گئے ہیں تاکہ ان کو تلف کر دیا جائے۔ ماہرین کا خیال ہے۔ کہ جدید نمونے کے نوٹ جعلی نہیں بنائے جا سکتے۔ پونڈ والے نوٹ سبز اور دس شلنگ کے نوٹ سرخ رنگ کے ہیں۔

انگلستان کی ایک مشہور گھوڑ دوڑ میں ایک خاتون جن کا نام مس آئرس رکیبی ہے۔ سب میں اول رہیں۔ اور اس گھوڑ دوڑ کا اعلیٰ انعام آپ نے حاصل کیا۔

خواتین انگلستان کی ایک ہاکی ٹیم امریکہ گئی ہے۔ جہاں اس کے کھیل کی بڑی تعریف ہو رہی ہے۔ امریکہ کی ایک منتخب ہاکی ٹیم کو جس میں امریکہ کے مشہور کھیلنے والے شامل ہیں۔ انگریز خواتین کی اس ٹیم نے شکست دی۔ انگلستان

ہیں آج کل ہاکی سے بہت دلچسپی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ وہاں حال ہی میں کھیل کے میدانوں کی انجمنوں نے ۱۰۰ پونڈ چندہ کر کے عورتوں کے ہاکی کلب کو دیا ہے ٭

سویڈن مشہور و معروف ناول نویس میڈم سلما لیگر لوف جنہیں ادب کا نوبل پرائز مل چکا ہے۔ ۲۰ نومبر کو ان کی سترھویں سال گرہ منائی گئی ٭

کینیڈا کی آبادی ۹۵ لاکھ ہے۔ جس میں ۷۲ آدمی لکھ پتی ہیں ٭

یروشلم ۲۱ نومبر۔ ہندوستان کے مسلم رہنما مولانا محمد علی کو شام سے فلسطین میں داخل ہونے کی اجازت بدیں عذر نہیں دی گئی۔ کہ ان کے وہاں جانے سے یہودیوں اور عربوں کے مناقشات بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ مولانا ممدوح ان دنوں اسلامی ممالک کی سیر کر رہے ہیں ٭

خبر ہے۔ کہ حضور والیسرائے رخصت لے کر انگلستان جائیں گے۔ لیکن یہ نہیں بتایا جا سکتا۔ کہ کب اور کس مقصد کے لئے تشریف لے جائیں گے ٭

سرکاری گزٹ میں اعلان کیا گیا ہے۔ کہ ملک معظم نے اس بہادری کے صلے میں جو بابو لکھن رام نے انسان کی جان بچانے میں دکھائی تھی۔ ان کو کنگ ایڈورڈ میڈل عطا فرمایا ہے ٭

پچھلے دنوں نجیب آباد اسٹیشن پر جب ایک ٹرین آرہی تھی۔ ایک شخص پٹڑی پر لیٹ گیا تھا۔ یہ دیکھ کر بابو لکھن رام فوراً پٹڑی پر کود پڑے۔ اس وقت ٹرین ۳۰ گز کے فاصلہ پر تھی۔ انہوں نے اس شخص کی جدوجہد کے باوجود پٹڑی سے باہر گھسیٹ لیا۔ یہ شخص پاگل تھا ٭

حکومت بنگال کے محکمۂ تجارت نے اعلان کیا ہے۔ کہ چونکہ پٹاخوں اور گولوں کی وجہ سے پچھلے دنوں کئی شخص ہلاک اور مجروح ہوئے۔ اس لئے اس قسم کے پٹاخے وغیرہ بنانا خلاف قانون قرار دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس سے بغیر لائسنس اس قسم کا مسالہ دستیاب ہوگا۔ وہ مستوجب سزا قرار دئے جائیں گے۔ اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو شدید سزا دی جائے گی ٭

حضور نظام دہلی سے حیدر آباد جاتے ہوئے ۲۱ نومبر کی صبح کو دو گھنٹے کے لئے قیام پذیر ہوئے۔ ہز ہائنس نواب صاحب بھوپال نے اپنے اسٹاف کے ساتھ اسٹیشن پر آپ کا استقبال کیا۔ گارڈ آف آنر کے معائنہ کے بعد حضور نظام اور نواب صاحب ممدوح "راحت منزل پیلس" تشریف لے گئے۔ جہاں تمام پارٹی کو پر تکلف ناشتا کھلایا گیا۔ مختصر گفتگو کے بعد نواب صاحب بھوپال نے اپنے معزز مہمان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ بعد ازاں دونوں فرمانروا اسٹیشن تشریف لے آئے ٭

(اڈیٹر محترمہ آصف جہاں بیگم مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور سید ممتاز علی مالک و منیجر نے دفتر تہذیب سے شائع کیا)

جو
محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ نے
لڑکیوں کے فائدے کے لئے ۱۸۹۸ء میں جاری کیا
چندہ سالانہ مع محصول ڈاک صہ پیشگی

جلد ۳۱	لاہور ہفتہ ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء	نمبر ۴۹

تہذیب نسواں

لاہور ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ

فہرست مضامین

ایک ضروری عرضداشت

خواتین کی خدمت میں

ہمارے خاندان کے بعض مردوں نے ایک بی بی کی زندگی میں دوسرا عقد کیا۔ حالانکہ یہ عقد ثانی بعض ایسی صورتوں میں عمل میں آیا۔ جبکہ شوہر اپنی پہلی بیوی کی وفاداری۔ اطاعت شعاری اور حسن انتظام خانہ داری کے سراسر ممنون تھے۔ اور اب تک پہلی بیوی کے حسن خدمات کے معترف ہیں ؛

یہ ظاہر ہے۔ کہ شریعت نے جن شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ عقد کی اجازت دی ہے۔ وہ کچھ آسان شرائط نہیں ہیں۔ اور ان کی پابندی اگرچہ ناممکن نہیں۔ تو دشوار ضرور ہے + سب سے زیادہ ضرورت نسل انسانی کی فراوانی کی خاطر حضرت آدم علیہ السلام کو تھی۔ مگر آپ نے غالباً بتقاضاء فطرت ایک بی بی پر قناعت فرمائی + ہمارے رسول خدا صلعم چونکہ نبی آخر الزماں تھے۔ لہذا آپ کو زندگی کے ہر ہر شعبہ کا نمونہ قایم کرنا مدنظر تھا۔ بہر حال عدل انصاف میں آپ کی ہمسری کا کون مرد دعویٰ کر سکتا ہے ؛

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ ان بعض مردوں کے طرز عمل سے متاثر ہو کر ہمارے خاندان کی بہت سی تعلیم یافتہ اور سمجھ دار خواتین نے ایک عرضداشت عنوان بالا کے ساتھ اپنے دستخطوں سے تمام افراد خاندان میں تقسیم کرائی ہے۔ اور اس غرض سے ایک نہایت مختصر سی تعداد چھپوائی گئی تھی ؛

چونکہ یہ ایسا مضمون ہے۔ جو ہندوستان کی تمام خواتین سے یکساں تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے بنظر آگاہی جملہ خواہران تہذیب اس کو تہذیب میں شائع کراتی ہوں + اگر خواتین کسی قدر ایثار سے کام لے کر اس معاملہ کی طرف توجہ کریں۔ اور دوسری بیٹیوں کے معاملہ کو اپنا معاملہ سمجھا کریں۔ تو بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے ؛ خدیجۃ الکبریٰ۔ بریلی

مسلمان خاندانوں میں طبقۂ نسواں کی ترقی کی جانب سے جو غفلت برتی جاتی ہے۔ اس کی طرف بارہا توجہ دلائی جا چکی ہے۔ عورتوں کے حقوق جس طرح پامال ہوتے ہیں۔ وہ ہماری معاشرت کا نہایت دردناک افسانہ ہے + عام طور پر یہ خیال ہے۔ کہ تعلیم کی اشاعت سے حالت روبہ اصلاح ہو گی۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ اپنی ماؤں۔ بہنوں۔ بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ ناانصافی کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ لیکن ہماری بدنصیبی کی کوئی انتہا ہے۔ کہ یہی تعلیم یافتہ طبقہ ایسی مثالیں قایم کر رہا ہے۔ کہ ان کو دیکھ کر ترقی کی طرف سے مایوسی ہو جائے۔ تو تعجب نہیں ؛

ان مثالوں کے قایم کرنے میں سب سے پہلا قدم بعض ان بزرگ اور معزز افراد نے اٹھایا ہے۔ جو قوم کی رہبری اور ہدایت کے دعویدار ہیں۔ جو اس بات کے خواہشمند ہیں۔ کہ پرانی

اور نئی دونوں تہذیبوں میں جو خوبیاں ہیں۔ ان کی ذات والاصفات کو ان خوبیوں کا بہترین اور لائق تقلید مجموعہ خیال کیا جائے ﴿ ہم اپنا مقدس فرض خیال کرتی ہیں۔ کہ آپ کی توجہ ان خطرناک مثالوں کی طرف منعطف کی جائے۔ تاکہ ردک تھام کی جو تدبیریں ہو سکتی ہیں۔ ان پر غور کر کے کوئی طریقہ اختیار کیا جا سکے ﴿

ہم یہ سمجھتی ہیں۔ کہ جن صاحبان کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ وہ اپنے اعمال کی ذمہ داری شریعت کے مضبوط کندھوں پر رکھ کے بریت کی کوشش کریں گے۔ لیکن اگر آپ اس مسئلہ پر تھوڑی سی دیر کے لئے غور کریں گی۔ تو آپ پر روشن ہو جائے گا۔ کہ یہ دلیل نہایت کمزور ہے ﴿ یہ اصحاب شریعت کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں اور اس کا بین ثبوت یہ ہے۔ کہ شریعت نے جو فرائض انسان پر لازم کئے ہیں۔ اور زندگی کے اعمال کے لئے جو اصول قایم کئے ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کو ایک ناقابل برداشت بوجھ معلوم ہوتا ہے ﴿

تو کیا شریعت کا وجود محض اس لئے رہ گیا ہے۔ کہ ذاتی خواہشات کے پورا کرنے میں اس سے امداد لی جائے۔ کیا شریعت کا مقصد اس سے زیادہ وسیع نہیں ہے؟

کیا شریعت کا وجود اس لئے نہیں۔ کہ نماز روزہ زکوٰۃ اور حج کے فرائض ادا کئے جائیں۔ بدکاری سے پرہیز کر کے بیوی کے حقوق ادا کئے جائیں؟ رشوت کذب و افترا اور جھوٹی شہادتوں سے دور کا بھی تعلق نہ رکھا جائے؟ اپنی زندگی کو سود کے اثر سے پاک رکھا جائے؟ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کے پیشہ سے احتراز کیا جائے؟ جس سے ایمان دارانہ خدمت کا معاہدہ ہو۔ اس کے ساتھ ہر قدم پر خیانت اور فریب کا سلوک نہ روا رکھا جائے۔ احکام مذہب کی تحقیر نہ کی جائے؟ اور پھر کیا شریعت کا وجود اس لئے نہیں ہے۔ کہ غیر عورتوں سے بے تکلفانہ تعلقات سے پرہیز کیا جائے؟

ہاں شریعت کا وجود ان سب چیزوں کے لئے ہے۔ لیکن کیا ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ باوجود وعظ و پند ان کا عامل ہے؟ اس طبقے کے نزدیک شریعت کا وجود محض اس لئے ہے۔ کہ عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ اٹھے تو احکام شریعت کے نام اور حوالہ سے اس کی مخالفت کی جائے۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اُمنگ سے دل بے قرار ہو۔ تو شریعت کو امداد کے لئے طلب کیا جائے ﴿ ہم دریافت کرتی ہیں۔ کہ یہ کہاں کا انصاف ہے؟

ہمارے تعلیم یافتہ مرد چاہتے ہیں۔ کہ مغربی تہذیب اور اسلامی شریعت دونوں کے ماتحت جو جو آسانیاں ممکن ہوں۔ وہ حاصل کی جائیں۔ اور جب ذاتی پابندیوں اور ذاتی فرائض کا سوال پیدا ہو۔ تو اگر وہ پابندیاں شریعت کی قایم کردہ ہوں۔ تو مغربی تہذیب کے قصر خوشنما میں پناہ لیں۔ اور اگر مغربی

تہذیب نے وہ پابندیاں عائد کی ہیں۔ تو شریعت کو نعوذ باللہ ترک کر ان سے نجات حاصل کی جائے؟ کیا ترقی کا یہی اصول ہے۔ کیا تو میں اسی طرح نشوونما پاتی ہیں؟ کیا ہدایت اور رہنمائی کے مدعیوں کے لئے ایسی ہی مثالیں قایم کرنا رہا ہے؟

اس بات سے کوئی ذی ہوش انکار نہیں کرسکتا۔ کہ مردوں کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دینا گویا اس بات کا اعتراف تھا۔ کہ عورت کا درجہ مرد سے کمتر ہے۔ اور ہم اس پر خوشی سے قناعت کرتیں بشرطیکہ احکام اور حالات کے اعتبار سے شریعت نے جو جو حقوق ہمیں عطا کئے تھے۔ ان میں مردوں کی جانب سے رخنہ اندازی عمل میں نہ آتی۔

ابتدائی اسلامی حکومتوں میں عورتوں کو یہ حقوق بلا خدشہ حاصل تھے۔ اور قاضیوں کے سامنے وہ اپنے خاوندوں کی شکائتیں لے جاکر اپنے حقوق حاصل کرتی تھیں۔ کیا ہندوستان میں موجودہ مغربی نظام قانون کے ماتحت یہ حقوق ہمیں حاصل ہیں؟ اگر قانون نے ان حقوق کو تسلیم بھی کیا ہے۔ تو کیا حالات کے اعتبار سے ہم عملی طور پر ان کے حصول پر قدرت رکھتی ہیں؟

قانون کی پیچیدگیوں اور باریکیوں کے ساتھ جب قانونی پنڈتوں یعنی وکیلوں اور عدالتوں کی فیسیں شامل کی جائیں۔ تو ہم پوچھتی ہیں۔ کہ ہمارے شرعی حقوق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ کیا وہ بے کس اور ناچار عورت جو اپنے حقوق کے لئے اپنے خاوند کے خلاف دادرسی کی خواہشمند ہو۔ انصاف حاصل کرنے کی قیمت ادا کرسکتی ہے۔ اگر اس کے پاس ذاتی جائداد ہو۔ تو غالباً انصاف حاصل کرسکتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ اسی صورت میں انصاف حاصل کرسکتی ہے۔ کہ اسے اپنے حقوق حاصل کرنے کی کوئی حقیقی ضرورت نہ ہو۔

ہم دریافت کرتی ہیں۔ کہ جب عورتیں اپنے شرعی حقوق مردوں سے حاصل نہیں کرسکتیں تو یہ کونسا انصاف ہے۔ کہ مرد اپنے حقوق عورتوں کے خلاف استعمال کرتے رہیں؟

ہمارا دیانتداری کے ساتھ خیال ہے۔ کہ برادری کی عام رائے جس میں مرد و زن سب شامل ہیں۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کے خلاف ہے۔ اور اس کی وجوہ غالباً وہی ہیں۔ جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں۔ یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر غالباً افغانستان کا بیدار مغز فرمانروا تعدد ازدواج کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم مردوں سے پوچھتی ہیں۔ کہ وہ اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر یہ بتائیں۔ کہ وہ کیا اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے اوپر سوکن کا آنا برضا و رغبت گوارا کرتے ہیں۔ ہم اپنی بہنوں اور بزرگ خواتین سے بھی پوچھتی ہیں۔ کہ وہ اپنے دلوں کو ٹٹول کر بتائیں۔ کہ کیا وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کے لئے سوکن کا جلاپا

پسند کرتی ہیں؟

اگر ان کا جواب نفی میں ہے۔ تو ہم دریافت کرتی ہیں۔ کہ کیا وہ چیز جس کو آپ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے لئے گوارا نہیں کرتیں۔ محض اس لئے گوارا کی جاتی ہے۔ کہ اس کے نتائج دوسروں کی بہنوں اور بیٹیوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں؟ کیا یہی اخلاق۔ مساوات اور انصاف کے وہ اصول ہیں۔ جن پر آپ تمام دنیا کو عمل پیرا دیکھنے کی خواہش مند ہیں؟

جو مثالیں ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ نے قایم کی ہیں۔ ان کی طرف توجہ دلانا ہمارا مقدس فرض تھا۔ اب ہم آپ سے التماس کرتی ہیں۔ کہ اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرکے وہ تدابیر سوچیئے جو آیندہ اختیار کی جا سکتی ہیں۔

امر اتفاقی یا اعتقاد

کوا کائیں کائیں کر رہا تھا۔ بڑی بی نے کہا۔ کوا بہت بول رہا ہے۔ کوئی آتا ہوگا۔ ہم سب ہنستے رہے۔ مگر وہ اپنے خیال پر قایم رہیں۔ اور اتفاق سے ان کا یہ اعتقاد پورا ہو گیا۔ چند گھنٹے بعد ڈاک سے یہ اطلاع ملی۔ کہ ناگپور سے خواہر تشریف لائی ہیں۔

ہماری ملازمہ کی لڑکی قبض اور بخار سے سخت بیمار ہو گئی۔ بہتیری دوائیں کی گئیں۔ مگر وہ بجائے اچھی ہونے کے اور بیمار ہوتی گئی۔ ملازمہ نے یہ انوکھی منت مانی۔ کہ اگر لڑکی اچھی ہو گئی۔ یا آرام ہونا شروع ہو گیا۔ تو اتوار کے دن وہ اپنے مالک کے گھر پیٹ بھر دہی چاول کھائے گی۔ امر اتفاقی۔ کہ اسی ہفتے لڑکی کو آرام ہو گیا۔ اب گنگی کو اپنی منت پوری کرنا تھی۔ لہذا سب حال کہنا پڑا۔ خیر اس کی اشتہا دہی چاول سے پوری کر دی گئی۔ اس کا خیال ہے۔ کہ اس منت سے میری مراد پوری ہوئی۔

اب کی برسات میں شروع جون سے آخر جون تک اچھی بارش ہوتی رہی۔ مگر جولائی اور تقریباً ۱۵ اگست تک گو کہ ابر ہر وقت محیط آسمان رہتا۔ مگر پانی نہ برستا تھا۔ کاشتکار اور دیگر مخلوق خدا بہت پریشان تھی۔ ایک کولام دہقانی کھانا پینا چھوڑ زندہ بشکل مردہ بن کر بیٹھ گیا۔ اور کہا۔ دیکھو میں اپنے دیو (خدا) کے پاس جا رہا ہوں۔ پانی کے لئے۔ اگر وہ پانی برسائے تو اچھا ہے۔ ورنہ میں نہیں آوں گا۔ اللہ پاک غفور رحیم ہے۔ دوسرے روز صبح باران رحمت شروع ہوئی۔ تو موسلا دھار پانی۔ اب فصلیں جو قریب المرگ تھیں لہلہا اٹھیں۔ اور بہ نسبت سال گزشتہ کے یہاں کی فصلیں زیادہ اچھی ہو گئیں۔ یہ خدا کی رحمت ہے۔ کولام کا خیال ہے۔ کہ اس کے اس طرح کرنے سے پانی برسا۔

پلنگ پر بیٹھے ہوئے عبدالرب صاحب کا جوتا جو وہ پاؤں سے اتار رہے تھے۔ دوسرے جوتے

پر جا پڑا ۔ آپ کہہ اٹھے ۔ کہ اب ہمارا کہیں سفر ہوگا
ہم نے کہا ۔ یہ کس طرح قابل یقین ہو ۔ کہا ۔ آزما دیکھو ۔
اس درمیان میں والد صاحب جو باہر گئے ہوئے
تھے ۔ آ گئے ۔ اور عبد الرب سے فرمایا ۔ دوپہر کی
ٹرین سے ناگپور چلے جاؤ ۔ اور موٹر کے ٹیوب اور ٹائر
جو پھٹ گئے ہیں ۔ سنئیے لے کر پرسوں آ جاؤ ۔

ایک تحصیلدار صاحب کو جو دادا جان قبلہ کے
زیر علاج تھے ۔ چوتھیا بخار آتا تھا ۔ بہت دوا دارو
کے بعد بھی بخار نہ گیا ۔ باوجود کانی انحطاط کے بھی
چوتھے روز بخار ضرور آ جاتا ۔ ان کی ہر ممکن کوشش
بے کار ثابت ہوئی ۔ اتفاقاً ایک دہقان جو اس
وقت وہاں موجود تھا ۔ بولا ۔ اس کا علاج میں بہت
اچھا جانتا ہوں ۔ میں علاج کروں گا ۔ بشرطیکہ آپ
میری ہدایات پر عمل کریں ۔ تحصیلدار صاحب
راضی ہو گئے ۔ دہقانی نے کہا ۔ جس دن بخار کی
باری ہو ۔ تڑکے چار بجے آپ میرے گھر آ جائیں ۔
تحصیلدار صاحب باری کے روز چار بجے دہقانی
کے گھر پہنچ گئے ۔ دہقانی بجائے اس کے ۔ کہ
کچھ علاج کرتا ۔ تحصیلدار صاحب کو ڈانٹنے لگا
اور بولا ۔ میرے گھر کیوں آئے ؟ فوراً چلے جاؤ ۔
ورنہ خوب خبر لوں گا ۔

تحصیلدار صاحب یوں بھی مدت سے بیمار
چلے آ رہے تھے ۔ تاب نہ لا سکے ۔ سیدھے گھر آئے ۔
اردلی سے کہا ۔ فوراً اس دہقانی کو حاضر کرو ۔ مگر اتنی
دیر میں دہقانی اپنے گھر سے فرار ہو گیا تھا ۔ اب

تحصیلدار صاحب بہت تلاش کراتے ہیں ۔ مگر اس
کا کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ یہ دن پھر غیظ و غضب میں
رہے ۔ اور بخار کی باری کا خیال جاتا رہا ۔ بخار اس
دن سے جو گیا ۔ تو ہمیشہ کے لئے چلا گیا ۔

دوسرے دن تحصیلدار صاحب نے ڈاکٹر صاحب
یعنی دادا جان سے شکایت کی ۔ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے
کہا ۔ کبھی فرمائیے ۔ بخار تو نہیں آیا ؟ کہا ۔ نہیں ۔
دادا جان نے دہقانی کو بلوا کر کہا ۔ کہ اس نے آپ
کو تندرست کر دیا ۔ اب اسے معاف فرما دیجئے ۔
بے چارہ بہت خائف ہے ۔ اس نے بھی عذر معذرت
چاہی ۔ انہوں نے معاف کر دیا ۔ یہ دہقانی کا اعتقاد
تھا ۔ کہ اس طرح بخار چلا جائے گا ۔ اور وہی ہوا ۔

جمعہ کے روز ایک صاحب نماز سے پہلے کوئی
کام کرنا نحوست سمجھتے ہیں ۔ ایک جمعہ کو صبح سویرے
ایک ملازم نے اطلاع دی ۔ کہ کہیں دور کھیت میں
بہت سے ہرن آئے ہیں ۔ جلدی چل کر مار لیجئے ۔
آپ نے فوراً بندوق سنبھالی ۔ اور گاڑی پر سوار
ہو کر مع ملازم کے چل دیئے ۔ خیر سے ہرن تو نظر
آئے ۔ مگر بھاگتے ہوئے ۔ آپ نے ملازم کو ڈپٹ
کر کہا ۔ کہ گاڑی جلدی چلاؤ ۔ اب ملازم بیلوں کو
مارتا ہے ۔ کہ جلدی چلیں ۔ مگر وہ چلتے نہیں ۔ صاحب
کا عتاب بڑھتا جاتا ہے ۔ ملازم کا غصہ بیلوں پر اتر
رہا ہے ۔ اور ہرن بھاگے جا رہے ہیں ۔ آخر ایسے
غائب ہوئے ۔ کہ صاحب کو بے نیل و مرام واپس
ہونا پڑا ۔ لوٹتے ہوئے بندوق گر کر اس کا دستہ ٹوٹ

گیا۔ اب یہ گھر لوٹے۔ مگر اس حالت میں۔ کہ بھوک اور پیاس۔ اس پر نیند وقت لوٹنے کا صدمہ۔ شدت کی گرمی۔ دوپہر کا وقت۔ شکار نہ ملنا۔ بس تھکے ماندے ہو رہے تھے۔

خیر سے جب سب ضرورتوں سے فارغ ہو کر بیٹھے۔ تو سوچ کر بولے۔ اخاہ آج جمعہ تھا۔ مگر اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا۔ جمعہ کی نماز قضا ہو چکی تھی۔ صاحب مذکور کا یہ اعتقاد کہ جمعہ کی ادائیگی سے پہلے کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔ پورا ہو گیا۔

اس قسم کے اتفاقی حادثات کو اعتقاد میں کبھی شامل نہ کرنا چاہئے۔ ایک دفعہ اتفاق سے اس قسم کی باتیں سچ نکل آتی ہیں۔ تو سب کو یاد رہ جاتی ہیں۔ لیکن ہزاروں دفعہ جو غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اس کا کوئی خیال نہیں کرتا۔

مزاروں اور درگاہوں پر منت اور مرادیں ماننا بھی اعتقاد ہے۔ میں نے جو نمونتاً چند مثالیں پیش کی ہیں۔ یہ سب اتفاقی ہیں۔ خیال بڑی قوت رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات صحیح بھی ہو جاتا ہے۔ اگر ایک مرتبہ خیال صحیح نکل آئے۔ تو ہم کو یہ نہ چاہئے۔ کہ شرک و بدعت جیسے گناہ کبیرہ میں مبتلا ہو جائیں۔ ذرا کسی کی طبیعت خراب ہوئی۔ اور سن لیا۔ کہ کوئی ولی آئے ہیں۔ تو منت ماننے چل پڑیں۔ آپ دیکھتے ہیں۔ کہ ولیوں کے ہاں اپنے بزرگوں کے تصدق کے کئی تک جمع رہتے ہیں۔ اگر وہ صاحب اچھے بزرگ ہوتے ہیں۔ تو ان سے بچتے اور بیزار ہوتے ہیں۔ اور اگر نقلی ہوتے ہیں۔ تو موقع کو غنیمت جانتے ہیں۔ خود و سنو میں اگر کسی کا اعتقاد پورا ہو گیا۔ تو نعوذ باللہ ایسے ایسے سوال اور ایسی ایسی درخواستیں منت کی جاتی ہیں۔ کہ اگر اسی طرح ہم اپنے خدا سے منت گڑگڑا کر دعا کریں۔ تو انشاء اللہ وہ ضرور مستجاب ہو جائے۔

ب۔ ن بنت ڈاکٹر اے آر احمد صاحب زمیندار
اورن ضلع ایوت محل

سوئٹزرلینڈ سے خط

چند دن ہوئے میں نے ایک خط تہذیب کے لئے بھیجا تھا۔ جس میں پیرس کے حالات تھے اور اب ایک دوسرا خط ارسال خدمت ہے جس میں سوئٹزرلینڈ کے مختصر حالات درج ہیں۔

ش۔ ف

زیوریچ کی خوب سیر کی بہت عمدہ جگہ ہے۔ روز جھیل کے کنارے پانچ چھ میل کا چکر لگا لیتے ہیں۔ عام طور پر باہر کے لوگ یہاں کم آتے ہیں۔ زیادہ تر جنیوا یا لوزان وغیرہ جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں غالباً ہم دو آدمیوں کے سوا (میرے ایک دوست بھی میرے ساتھ ہیں) اور کوئی بھی ہندوستانی نہیں۔ زیادہ بھیڑ بھاڑ بھی نہیں ہے۔ بہت امن اور عافیت کی جگہ معلوم ہوتی ہے۔

اب خیال آتا ہے۔ کہ پیرس میں اتنے دن
ٹھہرنے کے بدلے اگر یہیں زیادہ رہتا۔ تو اچھا تھا
مکان بھی یہاں کے بہت صاف ستھرے اور خوبصورت
ہیں۔ میرے پاس ایک خاصا بڑا کمرہ ہے۔ کمرے
کے سامنے ایک چھجا ہے۔ اس میں پھولوں کے
گملے ہیں۔ کمرے میں تین چار کرسیوں کے علاوہ
ایک بہت آرام دہ دیوان ہے۔ ایسا اچھا فرنیچر
وغیرہ میں نے لندن کے کسی بورڈنگ ہاؤس میں نہیں
دیکھا۔ اور پھر یہ کوئی یہاں کا بڑا ہوٹل نہیں ہے بلکہ
بہت معمولی سمجھنا چاہئے۔ کھانا وغیرہ یہاں بہت
اچھا لذیذ ہوتا ہے۔ اور کرایہ روزانہ سب ملا کر۔ اسوس
فرانک یعنی کوئی آٹھ شلنگ ہے۔

مکان میں زیادہ تر آدمی جرمن سوس ہیں صرف
لینڈ لیڈی اور اس کی لڑکی انگریزی بول سکتی ہیں
اس لئے باقی لوگوں سے ملنے ملانے میں بہت
دقت ہوتی ہے۔ ورنہ ویسے بہت اچھے آدمی معلوم
ہوتے ہیں۔ ایک ڈرائنگ روم بھی ہے۔ اس
میں رات کو باجا وغیرہ بجتا ہے۔

کل اور آج یہاں پھولوں کا میلہ تھا۔ جسے
جرمنی میں بلومین فیسٹ (Blumenfest)
کہتے ہیں۔ ہم بھی کل دیکھنے گئے تھے۔ بہت سی گاڑیاں
پھولوں سے طرح طرح پر سجائی گئی تھیں۔ بعض پر
چھوٹے چھوٹے بچے۔ اور بعض پر لڑکیاں اور عورتیں
خاص لباس پہنے ہوئے سوار تھیں۔ علاوہ اس
کے سوٹزرلینڈ کے مختلف زمانوں کے لباس پہنے
ہوئے بہت سی عورتیں اور مرد بھی تھے۔ کئی گاڑیوں
میں باجا اور ناچ بھی ہوتا جاتا تھا۔ یہ جلوس کوئی آدھ
میل کے فاصلے میں چکر لگاتا رہا۔ خوب رونق تھی۔

آج ہم لیوسرن Lucerne گئے تھے۔ یہاں
سے ایک گھنٹے کا راستہ ہے۔ یہ بھی بہت خوبصورت
جگہ ہے۔ مگر یہاں امریکن اور دوسرے اجنبی آدمیوں
کا بہت اژدھام ہے۔ انہی کی وجہ سے انگریزی میں جگہ
جگہ نوٹس لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور تقریباً
سب دکانوں اور ہوٹلوں میں انگریزی بولی جاتی
ہے۔ یہاں سے بعض بہت اونچے پہاڑ بھی دکھائی
دیتے ہیں۔ مثلاً پلٹس اور راگی۔ یہاں کی جھیل
بھی زیورچ کی جھیل سے کچھ بڑی ہے۔
لیکن مجھے تو زیورچ ہی زیادہ پسند آیا۔

چند دن ہوئے میں بیڈان گیا تھا۔ یہ زیورچ
سے تقریباً بیس منٹ کے راستے پر ایک چھوٹا سا
شہر ہے۔ یہ گرم پانی کے چشموں کی وجہ سے بہت
مشہور ہے۔ جن کی بابت کہا جاتا ہے۔ کہ ان کے
پانی میں شفا کی تاثیر ہے۔ میں نے بھی ایک چشمے
میں سے دو گلاس پانی کے پئے۔

یہ پانی ہلکا گرم تھا۔ اور خواہ اس کی تاثیر صحت
بخش ہو۔ پر اس کا مزہ کسی قدر برا تھا۔ اور گندھک
اور ہائیڈروجن کی نہایت تیز بو تھی۔ یہ شہر بھی بہت
خوبصورت ہے۔ چنانچہ میں لندن جانے سے
پہلے ایک دفعہ پھر وہاں جاؤں گا۔

آج یہاں خوب مینہ برسا۔ مگر اس وقت آسمان

بالکل صاف ہے۔ اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر ستارے
خوب دمک رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی بجلی کی روشنیاں
بھی چمک رہی ہیں ÷

حسن اخلاق

۲۰۔ اکتوبر کے تہذیب میں اسی موضوع پر جو
مضمون محترمہ ایس ایس صاحبہ نے لکھا ہے۔ وہ
واقعی نہایت مفید اور ضروری تھا۔ آج کل اگرچہ تعلیم کا
چرچا زیادہ ہو رہا ہے۔ لیکن عجیب بات ہے۔ کہ اکثر
تعلیم یافتہ خواتین اخلاق کی تربیت سے محروم نظر
آتی ہیں ÷

غالباً اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ مغربی تعلیم کے ساتھ
انہیں اخلاق بھی مغربی ہی سکھا جاتے ہیں۔ ہر ملک
میں اخلاق و تہذیب کا معیار جدا جدا ہوتا ہے۔ کئی
باتیں جو مغرب میں حسن اخلاق سے تعبیر کی جاتی ہیں
ہمارے ملک میں بداخلاقی سمجھی جاتی ہیں۔ اور کئی
ایسی باتیں جنہیں ہم اخلاق میں سمجھتے ہیں۔ مغربی لوگوں
کے نزدیک بداخلاقی میں شمار ہوتی ہیں ÷ اس قسم
کی تقلید ہمارے لئے کس حد تک مناسب ہے۔
اور ہندوستان میں کہاں تک نبھ سکتی ہے۔ سمجھدار
بہنیں خود سوچ سکتی ہیں ÷

لیکن اپنے مضمون میں محترمہ ایس ایس نے
اپنے جس دل خراش تجربے کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنی
میزبان بی بی کے جس سلوک کو ناروا کہا ہے۔ مجھے
وہ نہ تو مغربی تہذیب کے لحاظ سے قابل اعتراض
معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ مشرقی تہذیب و اخلاق کے
لحاظ سے ÷ سب جگہوں کا حال مجھے معلوم نہیں۔
لیکن انگریزوں کے نزدیک بھی اور پنجاب و یوپی
میں بھی بلا اطلاع کسی کے ہاں جانا بڑا معیوب سمجھا
جاتا ہے ÷

اول تو بغیر تعارف کے کسی کے ہاں جانا ہی کچھ
اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ اور پھر اگر جانے
سے پہلے اطلاع دینے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی جائے
تو مروجہ اخلاق کے نزدیک یہ قصور ناقابل معافی
بن جاتا ہے ÷

محترمہ موصوفہ تعلیم یافتہ ہیں۔ مضمون نگار ہیں۔
انہیں چاہئے تھا۔ کہ میل ملاقات کے دستور پر عمل
کرتیں۔ جو ہمارے ہاں مروج ہے ÷ یہ ہندوستان
کا ملک ایک براعظم سے کم نہیں۔ اور اس کا ہر
صوبہ اپنی وسعت اور خصوصیت کے لحاظ سے
بجائے خود ایک ملک کے برابر ہے ÷ ممکن ہے۔
بہن صاحبہ کے صوبہ میں۔ یہاں کے طور طریقوں
پر عمل نہ ہوتا ہو۔ ہر ملکے اور ہر رسمے۔ لیکن انسان
جب کسی دوسرے ملک یا شہر میں جاتا ہے۔ تو میل
ملاقات کرتے وقت وہاں کے آداب و قواعد کو
ملحوظ رکھتا ہے ÷

یہاں کے طریق کے مطابق ان کے لئے مناسب
تھا۔ کہ ان بیگم صاحبہ کے ہاں ایک خط ملازمہ کے
ہاتھ بھیج دیتیں۔ جن کے اخلاق سے بہن صاحبہ

کو شکایت ہے۔ اور انہیں لکھتیں۔ کہ ہم بغرض سیر یہاں آئے ہیں۔ اور چونکہ ہم لوگ میل ملاقات کا دائرہ وسیع رکھتے ہیں۔ اور اس بات کے مشتاق ہیں۔ کہ آپ کی ملاقات سے بھی محظوظ ہوں۔ اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں۔ تو یا ہمارے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمائیں۔ ورنہ جس وقت آپ کو فراغت ہو۔ ہمیں حاضر ہونے کی اجازت دیدیں۔ جیسا پھر وہ جواب دیتیں موصوفہ اس پر عمل کرتیں۔

میری رائے میں تو بیگم صاحبہ نے غیر معمولی اچھا سلوک کیا۔ کہ بغیر اطلاع جانے پر بھی مہمانوں کو اندر بلوالیا۔ ورنہ انہیں ہر طرح اس بات کا اختیار تھا۔ کہ بغیر بد اخلاق کہلائے ملاقات سے انکار کردیتیں۔

بغیر اطلاع ہرگز ہرگز کسی کے گھر نہیں جانا چاہئے۔ اس سے صاحب خانہ کو اکثر پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ ممکن ہے۔ جس روز کوئی بغیر اطلاع ملنے کو جائے۔ وہ سارا دن صاحب خانہ نے گھر کی خوب اچھی طرح صفائی کرنے کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔ یا گھر میں کوئی اور مہمان آئے ہوئے ہیں۔ یا صاحب خانہ کی طبیعت اچھی نہیں۔ یا وہ اس روز کسی اور جگہ ملنے کو گئی ہیں۔ انسان کے دم کے ساتھ ہزاروں ضرورتیں ہیں۔ جنہیں پورا کرنے کے لئے روزانہ مصروفیتوں میں سے وقت نکالنا پڑتا ہے۔ اور کسی کو حق نہیں۔ کہ دوسرے کے پروگرام میں رخنہ انداز ہو۔ اس قسم کی ملاقاتیں بہت پھیکی اور بے لطف بھی ہوتی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی میں میزبان بیگم صاحبہ کے متعلق اتنا ضرور کہوں گی۔ کہ ان کا مہمانوں سے بے اعتنائی سے پیش آنا ہرگز مناسب نہ تھا۔ اگر کسی وجہ سے وہ نہ ملنا چاہتی تھیں۔ تو ان کو کہلا بھیجنا چاہئے تھا۔ کہ میں نادم ہوں۔ کہ آج فلاں مصروفیت کے باعث ملاقات نہیں کرسکتی۔ لیکن جب مہمان کو گھر میں بلالیا۔ تو پھر اپنے رویہ سے یہ ظاہر کرتے رہنا۔ کہ تمہارا آنا ہمیں ناگوار ہوا کسی طرح تہذیب و اخلاق کے مطابق نہ تھا۔

کسی وجہ سے میزبان نہ بننے کا ہر ایک کو حق ہے۔ لیکن میزبان بن کر کج خلقی سے پیش آنا۔ کسی طرح قابل معافی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ میل ملاقات میں نہ کوئی کسی کو کچھ دے آتا ہے۔ نہ کچھ لے آتا ہے۔ صرف خندہ پیشانی سے ملاقات کرنے کا نقش دلوں میں رہ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک دوسرے کی یاد آ آ کر دل کو خوش کرتی رہتی ہے۔ حسن اخلاق کا یہ کیا اچھا ثمر ہے۔ کہ ہمارے دو بول محبت کے بولے ہوئے تمام عمر کسی کے دل پر نقش ہوجائیں۔ خدا سب بہنوں کو اس پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت دے۔ آمین!

خاکسار آر کے۔ بنت شیخ حفیظ اللہ صاحب

ناظم پولیس ریاست خیرپور

زنانہ طبیہ کالج دہلی

ہم مسلمان مستورات میں تعلیم کی جس قدر کمی ہے۔ اور سب سے زیادہ معقول تعلیم گاہوں کا جتنا قحط ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کا وہ احسان جو دہلی میں طبیہ کالج اور زنانہ طبیہ کالج قایم کرکے آپ نے جاں بلب فن حکمت اور خصوصاً طبقہ نسواں پر کیا ہے۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی صفحۂ دل سے فراموش نہیں ہو سکتا ٭

مسیح الملک مرحوم اس فانی دنیا کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔ لیکن اپنی چند روزہ زندگی میں وہ وہ کام کر گئے۔ کہ قیامت تک آپ کا نام نامی زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں + کیا طبیہ کالج۔ زنانہ طبیہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ دہلی جیسی شاندار یادگاریں مرحوم کے بقائے دوام کے لئے کافی نہیں؟ مگر زنانہ و مردانہ دونوں کالج آجتک جس خوبی اور نیک نامی کے ساتھ جاری ہیں۔ ان کی یہ خصوصیت بھی مرحوم کی ہی ذات سے قائم تھی ٭

لیکن میں نے نہایت باوثوق طور پر اور بیحد افسوس کے ساتھ یہ خبر سنی ہے۔ کہ ابھی آپ کی آنکھ بند ہوئے پورا ایک سال بھی نہیں گزرا۔ کہ وہ پارٹی جو زمانہ حیات مسیح الملک میں اپنی انتہائی کوشش کے باوجود بھی زنانہ کالج کو مردانہ کالج کے متصل نہ کر سکی۔ آج اس پارٹی کے ینگ اور ان کے ہم خیال غیر ینگ اکثر ممبران کی رائے ہے۔ کہ زنانہ کالج کو شہر سے اُٹھا کر مردانہ کالج کے متصل قرول باغ میں پہنچا دیا جائے۔ معلوم نہیں معزز ممبران کا مرکز خیال کیا ہے۔ اور ان کا اس تغیر کی خواہش دیرینہ کا خواب ایک معمر و تجربہ کار دوربیں اور مصلحت اندیش موجود اور سب سے بڑی ذمہ دار ہستی کے نظر سے پوشیدہ ہوتے ہی پھر کیوں نظر آنے لگا؟ بظاہر تو اس میں ہر دو کالج کی نیک نامی پر حرف آنے کے سوا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ خصوصاً زنانہ طبیہ کالج کے لئے تو یہ تجویز بہت ہی خطرناک معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مخالفین تعلیم نسواں ہمیشہ زنانہ تعلیم گاہوں کی عیب جوئی میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ذرا سا بہانہ بھی مل جائے۔ تو رائی کو پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیتے ہیں٭

اس وقت بھی جبکہ دونوں تعلیم گاہوں میں کافی سے زیادہ فاصلہ ہے۔ اور ہر طرح کی سخت سے سخت احتیاطیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ بعض حلقوں میں اس کے متعلق بے اصل بری خبریں مشہور ہیں۔ پھر جب دونوں کالج یکجا کر دئے جائیں گے۔ اور دنیا کی نظروں میں مردانہ کالج کے طلباء اور زنانہ کالج کی طالبات کو اپنے ہاتھوں بدنام ہونے کے مواقع دئے جائیں گے۔ تو کیا نیک مخالف گروہ میں اس پر نکتہ چینیاں ناواجب و ناقابل تسلیم سمجھی جائیں گی۔ اور خصوصیت کے ساتھ

زنانہ کالج کے حق میں ایسے خیالات کا نتیجہ کتنا کچھ مضر نہ ہوگا؟

کم از کم اس تجویز کے محرکین کو اتنی مآل اندیشی تو چاہئے۔ کہ ان تعلیم گاہوں کے بانی حکیم صاحب کوئی معمولی شخص نہ تھے۔ ان کا سا تدبر اور دور اندیشی آج کل کے لوگوں میں دور دور تک نظر نہیں آتی۔ آخر انہوں نے بھی کچھ سوچ سمجھ کر ہی ہر دو کالج کو اتنے فاصلے پر رکھنا پسند کیا ہوگا۔

کیا اچھا ہو۔ اگر معزز ممبران اپنی اس تجویز پر دوبارہ غور فرماکر یا تو اسے منسوخ کردیں۔ یا کم از کم اپنی وہ مصلحتیں اور ضرورتیں جتا کر جو اس تغیر کا اصلی سبب ہیں۔ عام پبلک کو مطمئن کردیں۔

بہر حال چونکہ یہ پبلک تعلیم گاہیں ہیں۔ اس لئے منتظمان کمیٹی کو ان کے متعلق کوئی کارروائی کرتے وقت پبلک کے جذبات کا پورا احترام کرنا چاہئے اور قبل اس تغیر کے اخبارات کے ذریعے سے پبلک سے مشاورت کر لینی چاہئے۔ ورنہ اس قدر اہم مسئلہ کو اس طرح چپ چپاتے طے کرنا ہر دو کالج کو بدنام و برباد کر دینے کا مرادف ہوگا۔

مجھے امید ہے۔ کہ میری یہ تحریر بیکار نہ جائے گی۔ اور منتظمان کالج ضرور اس پر اپنی توجہ مبذول فرماکر اخبارات کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔

خاکسار ظفر جہاں۔ بریلی

کتاب زندگی کا گزشتہ ورق

بچھڑا ہوا وقت

گزرتا ہے نظر سے جب کوئی پھولا پھلا گلشن
تو پہروں ہم کو اپنا رنگِ گلشن یاد آتا ہے

خزاں کی صبح بادلوں کے میلے کچیلے پردوں میں سے کائنات کو جھانک رہی تھی ——— اور آج وہ شگفتہ پھول مرجھانے والا تھا!

ابر و گرد نے موسم کو نہایت بے لطف اور قدرے وحشتناک بنادیا تھا۔ ساحلوں پر گرد و غبار کا ایک ہلکا سا طوفان آگیا تھا۔ ہر طرف ایک بھیانک خاموشی برس رہی تھی۔ صرف جنگلوں سے ہواؤں کی سراسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ قبرستان کے تناور درختوں پر فاختائیں بیٹھی دل گداز راگ گا رہی تھیں!

کبھی کبھی بحری راستوں سے دریائی طوطوں اور پہاڑی بیناؤں کی وحشت خیز چیخیں سنائی دے جاتیں۔ ہوا کی تیزی سے بادام اور انجیر کے اونچے اونچے درخت بار بار جھک کر زمین کا بوسہ لے رہے تھے۔ دور سے ماہی گیروں کے "سمندری گیت" سنائی دیتے تھے! ——— آہ میرے معبود کیسی المناک صبح تھی۔

اس وقت میں نیچے کی منزل میں باغ کے زینے پر تنہا کھڑی تھی۔ اور گلاب کی ان بکھری ہوئی پتیوں کو دیکھ رہی تھی۔ جنہیں ہوائے سموم نے

پژمردہ کر دیا تھا۔ سامنے نیلا سمندر موجیں مار رہا تھا۔
اوہ مالک کیسا دلخراش سماں تھا ——— !

آہ اس وقت مجھے بچھڑا ہوا وقت یاد آرہا تھا۔
عیش ونشاط کے دنوں کی دلچسپ مگر الم انگیز
یاد میرے شیشہ دل کے ٹکڑے ٹکڑے کئے دیتی
تھی۔ ——— ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے مری
غمگین روح میرے بیچارے جسم سے علیحدہ ہو
رہی ہے!

میری آنکھ آج سے پانچ سال قبل کے خوشگوار
مناظر دیکھ رہی تھی۔ اے دوست مجھے وہ دن
یاد آرہے تھے۔ جبکہ تم اور ہم باوقار شہزادیوں کی
طرح ریاست مالی شور کے باغوں میں ہرنوں اور
خرگوشوں کا شکار کرتے پھرتے تھے۔ ہمارے دراز اور
ایشیائی حسن وشاعری کے ذمہ دار سیاہ گیسو ہمارے
عربی النسل محبوب گھوڑوں پر لہرایا کرتے تھے۔ اور
ہماری سیاہ سیاہ پرشوق آنکھیں جھاڑیوں کی ٹکریوں
میں ڈوب ڈوب کر جانوروں کو ڈھونڈا کرتی تھیں؟
مجھ کو یاد ہے۔ ہم کو جانوروں کے شکار کا بڑا
زبردست شوق تھا۔ آہ وہ دن جو گزر گئے ———
وہ وقت جو چلا گیا ———

ہم دونوں نہروں پر چچا کی نظر بچا کر برہنہ پا
گھنٹوں مچھلیاں پکڑا کرتی تھیں۔ اور ہمارے
بالوں سے بندھے ہوئے نیلی ساٹن کے فیتے
ہوا میں اڑ رہے ہوتے تھے۔

ہم دونوں وحشی ہرنیوں کی طرح باغوں میں
بھاگتی پھرتی تھیں۔ ان ایام کے بعد ———
آج کا یہ دن ——— ؟ سوگوار دن ——— ؟ ؎

مرتے دم تک دل سے جائیں گی نہ وہ باتیں کبھی
ہم کو بھولیں گے نہ وہ دن اور نہ وہ راتیں کبھی؟

دلفگار رئیس احباب اسٹیل۔ ڈیپری

ہاتھی کا شکار

بہنوں کی دلچسپی کے لئے ذیل میں ہاتھیوں
کے شکار کے چند مختصر و دلچسپ حالات روانہ کرتی
ہوں۔ امید ہے۔ کہ بہنیں مطالعہ سے محظوظ ہونگی؟

یہاں ملک میسور میں جب کوئی شاہی مہمان
مثلاً شہزادہ ویلز۔ وائسرائے ہند وغیرہ ریاست کی
سیر کو آتے ہیں۔ تو ریاست کی طرف سے ان معزز
مہمانوں کو ہاتھیوں کے شکار کی سیر کرائی جاتی ہے۔
جس سے شاہی مہمان بہت محظوظ ہوتے ہیں۔ اور
ریاست کو بھی ہاتھیوں کی فروخت سے منفعت
کثیر حاصل ہوتی ہے۔

ملک میسور کی سطح زمین جنوب و مشرق کے
درمیان میں جنگلات سے پاک اور بالکل ہموار
ہے۔ مگر اس کی سرحد کے مغربی و شمالی کناروں
میں گھنے جنگل آباد ہیں۔ جو پھیلتے پھیلتے نیلگری
کی پہاڑی وادیوں میں چلے گئے ہیں۔ ان گھنے
جنگلوں میں جنگلی ہاتھی بکثرت آباد ہیں۔ نیلگری
پہاڑ کے بازو بازو نیلگری رنگا کی پہاڑیوں کا ایک

طویل سلسلہ چلا گیا ہے۔ جن کی چوٹیاں تقریباً پانچ پانچ ہزار فٹ اونچی ہیں + ان پہاڑوں کی وادیاں ان ہاتھیوں کے گلوں کی دل پسند چراگاہیں ہیں۔ انہی چراگاہوں کے قرب وجوار میں کسی عمدہ سی جگہ کو شکارگاہ کے لئے منتخب کر لیا جاتا ہے +

ان کی شکارگاہ کو یہاں کھدا یعنی ہاتھیوں کے پنجرے کہتے ہیں + ذیل میں اس کی مختصر کیفیت لکھتی ہوں +

شکار کرنے سے کئی مہینے پہلے جنگل میں ایک جگہ شکار کے لئے تجویز کر لی جاتی ہے + جنوری سے مئی تک کے خشک مہینوں میں جبکہ میدانوں میں گھاس وغیرہ ناپید ہو جاتی ہے۔ تو غذا کی تلاش میں ہاتھیوں کے غلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاتے ہیں۔ جہاں انہیں سبز غذا بکثرت میسر ہو سکتی ہے + جون کے مہینے میں پہلی بارش ہوتے ہی ہاتھیوں کے گلے پہاڑوں کے دامن میں اُتر کر اطراف واکناف کے کھیتوں کا صفایا کرنا شروع کر دیتے ہیں +

شکاری لوگ ہاتھیوں کی غیر حاضری کے عرصے میں یعنی جنوری سے مئی تک شکارگاہ میں جو گھرے جنگل میں ہونے کے علاوہ بالکل پہاڑی کے دامن میں واقع ہوتی ہے + ایک منتخب شدہ مقام میں پانی کا اچھا انتظام کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد مقررہ زمین میں ایک دو بار ہل کر کے ایسی چیزیں بو دی جاتی ہیں۔ جو ہاتھیوں کو بے حد مرغوب ہوں +

اس منتخب شدہ جگہ میں تین احاطے تیار کئے جاتے ہیں + پہلا احاطہ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اور اس کا دور ۱۵۰ ایکڑ رکھا جاتا ہے۔ دوسرے کا ایک ایکڑ اور تیسرے کا نصف ایکڑ + پہلے احاطے سے دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں ایک دروازہ ہوتا ہے + تیسرے میں ایک آٹھ فٹ گہری اور چھ فٹ چوڑی خندق ہوتی ہے + جب ہاتھی پہاڑی سے اُتر کر پہلے احاطے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ تو ان کو پہلے احاطے میں جب تک شکاریوں کا جی چاہے رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات شکاریوں کو شکار کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اور ہاتھیوں کو دو تین دن بلکہ بعض اوقات ہفتہ ہفتہ بھر تک مقید رکھنا ہوتا ہے + اس احاطے میں ہاتھیوں کے کھانے پینے کا انتظام پہلے ہی سے تیار رہتا ہے۔ وقت کے وقت کسی بات کی فکر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ پہلے کئی طرح کے اناج وغیرہ بو کر فصلیں تیار کی جاتی ہیں + دوسرے احاطے میں اونچے درختوں پر مچان بنا کر شکار کی سیر دیکھنے والوں کو بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور شکاری لوگ پہلے احاطہ سے دوسرے احاطہ میں ہنکائی شروع کرتے ہیں ÷

تمام ہاتھیوں کے گلے کو دوسرے احاطہ میں بند کر دیتے ہیں + ہنکائی میں سب سے آگے معمر ہاتھی رہتے ہیں۔ جو دوسروں کو خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے بڑھے چلے جاتے ہیں۔ ان کے پیچھے جوان ہاتھی اور ان کے بچے رہتے ہیں + دوسر

احاطہ میں وہ بالکل سراسیمہ اور پریشان ایسے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہرنوں کا گلہ +

اس کے بعد شکاری لوگ کتوں باگوں وغیرہ کی خوفناک آوازیں بنا بنا کر ہاتھیوں کو تیسرے احاطے میں ہانک دیتے ہیں + یہاں ایک ایک ہاتھی کو خندق میں گرا گرا کر پکڑتے اور دوسرے احاطے میں لا کر بڑے بڑے درختوں کے تنوں سے کس کر باندھ دیتے ہیں + دوسرے احاطے میں صرف بڑے بڑے درخت ہوتے ہیں۔ مگر تیسرا احاطہ جھاڑیوں وغیرہ سے بالکل صاف ہوتا ہے +

جنگلی ہاتھیوں کو پکڑنے میں پلے ہوئے ہاتھی بہت کام آتے ہیں + اس کے لئے عام طور پر ہتھنیاں منتخب کی جاتی ہیں۔ ان کا لقب کٹنی ہاتھی پڑ گیا ہے + یہ اپنے جنگلی رفیقوں کو سمجھا بجھا کر سونڈ سے بڑی بڑی زنجیروں کے ساتھ باندھ کر مقید کر دیتے ہیں + ہر شکار کے موقع پر کئی کئی کٹنی ہتھنیاں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں + تین چار پلے ہوئے ہاتھی سونڈ کے ذریعے ایک ایک جنگلی ہاتھی کو زنجیروں سے درختوں کے ساتھ باندھ دیتے ہیں +

راقمہ مس فاطمہ محمد حسین صاحب صدیقی بنگلور

قرآن شریف نہیں پڑھا سکتیں

۱۶ نومبر کے اخبار انڈین ڈیلی میل میں اردو لیڈی ٹیچرز کانفرنس کی صدر محترمہ مسز شفیع طیب جی کے خطبۂ صدارت میں ہمیں یہ پڑھ کر بہت تعجب ہوا۔ کہ اردو گرلز اسکول کے لئے صرف قرآن شریف پڑھانے کے لئے استانیوں کی تلاش کی گئی۔ تو ایک بھی نہ مل سکی۔ جو اس کام کو انجام دے سکے۔ اس لئے بوڑھے معلموں سے کام لینا پڑا +

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ مسلم خواتین میں اعلیٰ اور سند یافتہ استانیوں کی افسوسناک قلت ہے۔ چنانچہ ہر تعلیمی مرکز سے ان کی مانگ جاری رہتی ہے۔ لیکن یہ کبھی سننے میں نہیں آیا تھا۔ کہ مسلمان خواتین میں محض قرآن شریف پڑھانے کے لئے استانیاں نہیں مل سکتی ہیں +

بمبئی کے صوبے میں اگر مذہبی تعلیم کی یہ حالت ہے۔ کہ وہاں قرآن شریف پڑھانے والی عورتیں بھی نایاب ہیں۔ تو یہ نہایت افسوسناک امر ہے + پنجاب اور یوپی میں ایسی نادار خواتین بہت کثرت سے موجود ہیں۔ جو قرآن شریف اور ابتدائی مذہبی تعلیم بہت اچھی طرح دے سکتی ہیں۔ اور جو غالباً معمولی تنخواہ پر صوبۂ بمبئی میں جانے پر رضامند ہو سکتی ہیں +

ہماری رائے میں اگر صوبۂ بمبئی کے تعلیمی افسر بوڑھے معلموں کو رکھنے کی بجائے اس قابلیت کی خواتین کو پنجاب اور یوپی سے بلالیں۔ تو ان کی مشکلات بھی آسانی سے رفع ہو سکتی ہیں۔ اور ان خواتین کے اثر سے احاطۂ بمبئی میں مذہبی تعلیم کا

چرچا مناسب طور پر ہو سکتا ہے ۔

منیجر

محفل تہذیب

۲۴ نومبر کے تہذیب میں اعلیٰحضرت حضور نظام حیدر آباد کی مراجعت کے سلسلے میں غلطی سے دکن کا پایہ تخت حیدر آباد کی بجائے سکندر آباد لکھا گیا جس کا ہمیں افسوس ہے۔ بہنیں از راہ عنایت اپنے اپنے پرچوں میں تصحیح کر لیں ۔ منیجر

محترمہ رضیہ خاتون قدوسیہ مسز ابوشکور علوی جو پہلے بھوپال میں رہتی تھیں۔ اپنے پتے سے مطلع فرمائیں۔ یقیناً وہ اب تک مجھے بھولی نہیں ہیں ۔ ۱۹۲۴ء میں ان کا آخری خط آیا تھا۔ مگر اپنا پتہ انہوں نے نہیں لکھا تھا ۔ امید ہے۔ کہ وہ مع آفاق و اشفاق اور مشتاق و اخلاق (؟) کے اچھی ہیں ۔

خط منیجر صاحب تہذیب نسواں کی معرفت مجھے لکھئے۔ میں اپنا پتہ براہ راست آپ کو لکھوں گی ۔ دلفگار مسں حجاب اسمٰعیل

مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۲۸ء کے تہذیب میں مسٹر خلیل احمد ناز نے مجنوں گورکھپوری کا پتہ دریافت کیا ہے۔ سو ان کا پتہ یہ ہے :۔

شہر گورکھپور۔ سنٹا نینڈریوز کالج۔ محمد احمد صدیقی صاحب مجنوں طالب علم درجۂ بی اے (فائنل)

خاکسار ایم اے جلیل مچھلی شہری۔ ریلوے روڈ علی گڑھ

مجھے ایک ایسی معلمہ کی ضرورت ہے۔ جو مجھ کو خاص اُردو میں اچھی طرح تعلیم دے سکے۔ کیونکہ مجھے ادیب کا امتحان دینا ہے ۔ معلمہ صاحبہ ہارمونیم بجانا بھی جانتی ہوں ۔ آسائش اور کھانے کا انتظام مفت ہوگا ۔ درخواستیں آنے پر تنخواہ کا فیصلہ ہوگا۔ تجربہ کار اور ادھیڑ عمر کی عورت کو ترجیح دی جائے گی ۔ موسم گرما میں ہیں سرینگر جاتی ہوں اسے میرے ہمراہ جانا پڑے گا۔ صفیہ بیگم بنت خان بہادر مولوی نذیر احمد صاحب۔ ہوم اینڈ جوڈیشنل منسٹر جموں

میں نے کمی خون اور اعصاب کی کمزوری کے لئے کئی دوائیں استعمال کیں۔ کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر ٹائمز آف انڈیا۔ اور ریاست دہلی میں فیلونا پلز (Feluna Pills) کا اشتہار دیکھ کر ایک شیشی منگوائی۔ پہلی گولی کھانے کے بعد تمام رات درد شکم سے تڑپتے گزری ۔ یقیناً اور بہنوں نے بھی استعمال کی ہوگی۔ از راہ مہربانی مجھے مطلع فرمائیں۔ کہ اس سے انہیں کچھ فائدہ ہوا یا نہیں؟

میں نے یہ گولیاں منگوائی ہیں۔ لیکن اب جب تک تہذیب کے ذریعے اس کے فوائد یا نقصانات کی اطلاع نہ ملے۔ ان کو اُٹھا رکھوں گی۔ امید ہے۔ کہ بہنیں اپنی اپنی رائے سے آگاہ فرما کر ممنون کریں گی۔ راقمہ ایک حاجتمند

میری محترم بہنیں یہ سُن کر خوش ہوں گی۔ کہ لاہور میں ایک ہمدرد قوم اور حوصلہ مند بہن نے کچھ عرصے سے ایک زنانہ دُکان "حمیدیہ زنانہ اسٹور" کے نام سے جاری کی ہے۔ جو بیرون موچی دروازہ برکت علی روڈ پر واقع ہے۔ مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔ کہ یہاں کپڑا ریشمی۔ اونی اور سوتی۔ اور ظروف ہائے بلور و چینی نہایت عمدہ اور مناسب نرخ پر فروخت کئے جاتے ہیں۔ پردہ کا پورا انتظام ہے۔ اور خرید و فروخت کا کام مستورات کرتی ہیں۔ مسلمانوں خصوصاً مستورات میں تجارت کی اشد ضرورت ہے۔ اور اس طرف جس قدر توجہ دی جائے کم ہے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر امید ہے۔ کہ لاہور کی معزز بہنیں اس زنانہ اسٹور سے حسب منشا اشیاء خرید کر اس کی ترقی اور مالک بہن کی حوصلہ افزائی فرمائیں گی۔ راقمہ ش۔ رج بیگم۔ لاہور

گزشتہ پرچے میں ایک صاحب نے مسمریزم کی کتاب کا پتہ دریافت کیا ہے۔ اس کتاب کا نام جو انگریزی میں ہے۔ یہ ہے:۔

A Correspondence Cour in mental Science and Finer Forces

اس میں تمام باتوں کو بذریعہ فوٹو خوب صورتی سے دکھایا ہے۔ جس سے بہت کچھ باسانی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ پتہ یہ ہے:۔

The Latent-Light Culture Tinnevelly. S. India

راقم کمال الدین احمد محلہ وصلی گنج مرزاپور

۱۔ جن بھائی صاحب نے مسمریزم کا پتہ دریافت فرمایا ہے۔ وہ اس پتے سے کتاب منگائیں:۔
سی ایل بھارتی۔ محلہ سرائے بالا۔ علی گڑھ

۲۔ مجھے دیا سلائی کے لیبل جمع کرنے کا بہت شوق ہے۔ میں اپنی تہذیبی بہنوں اور بھائیوں سے درخواست کرتی ہوں۔ کہ وہ میرے اس شوق میں مدد دے کر میرے پتے پر لیبل روانہ فرمایا ممنون ہوں گی۔ خاکسار سیدہ رفیق النساء بیگم دختر خورد خان بہادر سید رحیم حسین خاں صاحب اسپشل مجسٹریٹ و اسسٹنٹ کلکٹر۔ محلہ مدرسہ۔ بلند شہر

کوئی بہن ازراہ عنایت قالینوں پر سیاہی کے دھبے آرڈ اسلے کی ترکیب سے مطلع فرمائیں۔ ممنون ہوں گی۔ ایک تہذیبی بہن

ولائتی معلومات

(خاص تہذیب کے لئے)

جدید ترکی

مس گریس ایلی سن کا ذکر تہذیب میں ایک سے زیادہ مرتبہ آچکا ہے۔ ان انگریز خاتون کو ترکی سے از حد دلبستگی ہے۔ اور ترکی کے اکثر ممتاز و مقتدر افراد سے ذاتی واقفیت اور دوستی بھی ہے۔ اب تک ترکی کے متعلق متعدد کتابیں لکھ چکی ہیں۔ اور برابر لکھتی جا رہی ہیں۔ حال ہی میں ان کا ایک مضمون "ڈیلی نیوز" میں شائع ہوا ہے۔ جس میں وہ لکھتی ہیں۔ اب سے پانچ برس پہلے میں ترکی کے وزیر اعظم کے حرم میں ان کی بیٹی کے پاس بطور مہمان فروکش تھی۔ آج میری یہ سہیلی اپنے انگریزی طرز کے بنگلے میں مقیم ہیں۔ ان کے شوہر سابق جرنیل ترکی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ آج ترکی کے سلطان ایک جمہوریت کے پریذیڈنٹ مقرر ہو گئے ہیں۔ اور ان کے وزیر اعظم ایک پرائم منسٹر بن گئے ہیں۔

پانچ برس پہلے ترکی میں زن و مرد کا علیحدہ علیحدہ رہنا ترکی تہذیب کا ایک لازمی جزو تھا۔ گنتی کی چند استانیوں کے سوا کوئی عورت کسی قسم کا کام یا پیشہ اختیار نہیں کر سکتی تھی۔ ترکوں کے مغربی تمدن و معاشرت میں عورت کا کچھ حصہ تھا۔ کبھی کسی مجلس میں شریک ہوتی بھی۔ تو ایسی مجلس میں جہاں صرف عورتیں ہی داخل ہو سکتی تھیں۔ اور صرف اسی قدر آزادی کی حقدار تھی جس قدر آزادی اسے مرد دینا پسند کرتا تھا۔

آج ترک عورت کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ نہایت تعجب انگیز بات ہے۔ کہ اس قدر آزادی حاصل ہونے کے باوجود ترک عورت کی اخلاقی اور ذہنی حالت میں سرمو فرق نہیں آیا۔ گویا کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ جیسے کسی یورپین عورت نے کھانے (ڈنر) کے وقت کا لباس بدل لیا ہو۔

یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے۔ کہ آج غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے سر جو مصلح قوم ہونے کا سہرا بندھا ہے۔ اور جو نیک نامی حاصل ہوئی ہے۔ اس کی بڑی وجہ عورتوں کی آزادی ہی ہے۔

انگریز عورتوں اور ترک عورتوں کی آزادی میں سب سے بڑا فرق یہ ہے۔ کہ انگریز عورتوں نے حکومت کے ساتھ ایک شدید کشمکش کے بعد آزادی حاصل کی ہے۔ اس کے برعکس ترک عورت کو جو آزادی حاصل ہوئی ہے۔ اس کا

باعث خود ترکی حکومت تھی۔ جو عورتوں کی آزادی کے لئے جد و جہد کر رہی تھی۔

ہم انگریز عورتوں کے لئے زندگی کے شعبوں میں کئی دروازے کھلے ہیں۔ اور کئی نہایت تنگدلی سے بند ہیں۔ مگر ترک عورت کے لئے صرف ایک پارلیمنٹ کا دروازہ بند ہے۔ اور یہ دروازہ بھی اگر وہ آج چاہے۔ تو کل کھل سکتا ہے۔

ہماری انگریز قوم میں بعض کام ایسے ہیں جو صرف مردوں کے لئے محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ مگر اس کے برعکس ترکی میں کام کا مستحق وہ سمجھا جاتا ہے۔ جو اس کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ عورت مرد کا سوال نہیں۔

یہی وجہ ہے۔ کہ تم ترکی میں متعدد ایسی مثالیں دیکھو گے۔ جو اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ کالج تو ہیں مردوں کے مگر پڑھانے والیاں عورتیں ہیں۔ اور عورتوں کے کالج ہیں۔ مگر اس میں مرد تعلیم پا رہے ہیں۔ ترکی کی سیاسی مجلس "ترک اوجاق" جس کی شاخیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کی صدر ایک خاتون ہیں۔

جب ترکی میں کام کرنے والوں خصوصاً معلموں کی مانگ اس قدر روز افزوں ہے۔ کہ جس قدر لوگ مہیا کئے جاتے ہیں۔ اسی قدر ملازمتوں کی جگہیں نکلتی آتی ہیں۔ تو پھر بقول عصمت پاشا کوئی وجہ نہیں۔ کہ عورتوں اور مردوں میں ملازمت کے لئے ایک دوسرے سے حسد کا خیال تک بھی پیدا ہو۔ ہمارے ملک میں اس کی جو حالت ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔

چنانچہ اب جبکہ ترک عورتوں کے لئے تمام راہیں کھلی ہیں۔ تو وہ اپنے لئے نہایت مناسب اور کٹھن سے کٹھن پیشے انتخاب کر رہی ہیں۔ میری میزبان خاتون کی بیٹی علم آثار قدیمہ (آرکیالوجی) کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ قانون اور ڈاکٹری کا تو کچھ پوچھئے نہیں۔ اس کے پڑھنے والیوں کا کچھ شمار ہے؟ ان کے زبانی امتحان (اورل) میں میں نے بھی از حد دلچسپی لی تھی۔ یہ عورتیں آج کل مردوں کے پیش پیش ڈاکٹر اور قانون پیشہ ہیں۔ علاوہ ازیں کئی عورتیں سائنس داں بھی ہیں۔ اور نہایت سرگرمی سے علمی تحقیقات میں مصروف ہیں۔

آج سے چند سال پہلے عورتوں کا کام کرنے کا سوال ہی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ آج کل انہی عورتوں کا اپنے لئے کوئی نہ کوئی پیشہ اختیار کرنے کا فیشن ہو گیا ہے۔ چاہے انہیں اس کی ضرورت ہو یا ضرورت نہ ہو۔

لندن کی خوب صورت اور فاضل ترکی سفیرہ میڈم فریدیے جو ایک نامور ادیبہ ہونے کے علاوہ ایک اچھی خطیب بھی ہیں۔ انہوں نے فرانسیسی زبان میں لکچر دئے ہیں۔ سیاسیات میں انہیں ایک بلند مرتبہ حاصل ہے۔ آپ کی چھوٹی لڑکی لے اپنے ہم جماعت لڑکوں اور لڑکیوں سے ایک

سال پہلے فرانسیسی کی ڈگری حاصل کر لی ہے۔ اور آج کل وہ فن تعمیر کا مطالعہ کر رہی ہیں +

آج ترکی میں کوئی ایسا پیشہ نہیں۔ جس میں عورتیں حصہ نہ لے رہی ہوں۔ پروفیسر ہسپتال کی نرسیں۔ سکرٹری۔ کلرک۔ ڈریس میکر۔ دکانوں میں کام کرنے والی عورتیں۔ غرض ہر کام کر رہی ہیں۔ اور ہر روز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اور اس دوران میں کہ دوسرے اسلامی ممالک کی خواتین ویسی ناکارہ کی ناکارہ پڑی ہیں۔ ترک عورتیں نہایت مسرور ہیں۔ اور اپنی آزادی اور خود مختاری کے لطف اُٹھا رہی ہیں +

قسطنطنیہ میں تقریباً تمام عورتیں انگریزی ٹوپیاں (ہیٹ) پہنتی ہیں۔ لیکن ترکی کے دوسرے شہروں میں ابھی تک ہیٹیں مہیا نہیں ہوئیں۔ چنانچہ عورتیں اپنی اوڑھنیوں کو سر کے گرد لپیٹ کر پگڑی سی باندھ لیتی ہیں + ان کے سروں پر یہ چھوٹی چھوٹی پگڑیاں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں +

مرد قطعی طور پر ہیٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کے عادی ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن ملاقات کے وقت یا مکان میں داخل ہونے وقت وہ وہ ٹوپی اُتارنا بھول جاتے ہیں۔ تو خوب دل لگی ہوتی ہے +

اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ مرد اپنی ہیٹ کے کنگرے والا رُخ گدی کی طرف کر کے پہنتے ہیں۔ اس سے نماز کے وقت سجدہ میں جاتے ہوئے دقت نہیں ہوتی +

وہی عورتیں جو پانچ برس پہلے نقاب پہنتی تھیں۔ اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ آج اسکولوں۔ کالجوں اور دفتروں میں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کرتی نظر آتی ہیں۔ شام کو ٹینس کھیلتی ہیں۔ اور مغربی ممالک کی عورتوں کی طرح اپنی پسند کے مرد کے ساتھ شادی کرتی ہیں +

شادی بھی وہ پہلے کی سی شادی نہیں رہی جبکہ لڑکیاں اپنی قسمت پر شاکر ہو کر اپنے ماں باپ کے انتخاب کے ہوئے مرد کے ساتھ جس کی انہوں نے پہلے کبھی صورت نہ دیکھی ہوتی تھی۔ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی تھیں۔ جبکہ شادی کی محفل منعقد کی جاتی تھی۔ تو دولھا کو اس میں شامل ہونے کی اجازت نہ ہوتی تھی + آج عورت اور مرد ٹاؤن ہال میں جا کر جس طرح فرانس میں رواج ہے شادی کر لیتے ہیں۔ اور یہ وہ آزادیاں ہیں۔ جو اور کسی اسلامی ملک کو نصیب نہیں +

کرسمس کے تحفے

کرسمس کے موقع پر جب شاہی خاندان کے لوگ تحفے تحائف خریدنے جاتے ہیں۔ تو یہ خوش آیند کام ایک لطیف فن بن جاتا ہے +

ملکہ اور شہزادی میری جن احباب کو تحفے دیتی ہیں۔ اول تو ان کی تعداد بے حد کثیر ہوتی ہے۔

اور پھر وہ یہ کوشش کرتی ہیں۔ کہ ہر شخص کو اس کے مناسب حال تحفہ ملے۔ چنانچہ یہ حالت ہوگئی ہے۔ کہ کرسمس گزرنے نہیں پاتا۔ کہ یہ دونوں ماں بیٹیاں اگلے کرسمس پر بطور تحفہ دینے کے لئے جہاں کہیں کوئی قابل قدر چیز دیکھتی ہیں۔ جھٹ خرید لیتی ہیں۔

ان کے تحفے بھی ہمارے ہاں کے تحفوں کی طرح نہایت پر تکلف اور محض آرائشی نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی اشد ضرورت رہتی ہے۔

مثلاً کرسمس کے دنوں میں جب جاڑا شدت کا پڑتا ہے۔ پیدل چلنا دوبھر ہو جاتا ہے۔ تو موٹر کا استعمال بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس موقع پر شہزادی میری اپنے احباب کو عموماً اون کی گرمی پاپوشوں کے تحفے دیا کرتی ہیں۔ اس سے موٹر میں بیٹھ کر پیروں کو سردی نہیں لگنے پاتی۔

حسب معمول اس کرسمس کے موقع پر بھی انہوں نے بہت سی پاپوشیں خریدی ہیں۔ جو احباب کو تحفتہً دی جائیں گی۔

ان پاپوشوں کے خرید نے میں ایک حکمت اور ہے۔ کہ یہ ایسی جگہ سے خریدی گئی ہیں۔ جہاں ایسی لڑکیاں جو ذہنی امراض میں گرفتار ہیں۔ دل بہلانے کے لئے یہ سیدھا سادا کام کرتی رہتی ہیں۔

شہزادی موصوفہ نے انہی لڑکیوں کے ہاتھ کا بُنا ہوا ایک قالین بھی خرید ا ہے۔ جس پر اُلو کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ قالین موٹر کے پائدان کے طور پر کام آتا ہے۔ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی آرام کرسیاں بھی خریدی ہیں۔ جو ۲۵ دسمبر کو وہ اپنے بعض احباب کے بچوں کو دیں گی۔

شہزادی صاحبہ کو ہاتھ کی بنی ہوئی چیزیں بھی بہت مرغوب ہیں۔ چنانچہ ان کے تحفوں میں دستکاری کی اشیاء کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ اس سے بھی وطن کے کاریگروں کی حوصلہ افزائی کرنا۔ اور دستکاری کے فن کو تقویت دینا مقصود ہے۔

غرضکہ ملکہ اور شہزادی میری نے اپنے تحفوں میں اس طرح کا کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور مدنظر رکھا ہے۔

علاوہ ازیں حضور ملکہ اور شہزادی میری صاحبہ اس امر میں بھی کوشاں رہتی ہیں۔ کہ تحفہ دینے کے لئے جو چیز ایک دفعہ خریدی جا چکی ہو۔ اسے پھر تحفوں کی فہرست میں شامل نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انہیں تحفوں کا انتخاب کرتے وقت بہت سا وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔

خبریں اور نوٹ

قسطنطنیہ ۳۰ نومبر۔ ترکی کی قومی مجلس نے ترکی و افغانستان اور ترکی و ایران کے معاہدات دوستی و اتحاد کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ نیز ترکی و اطالیہ کے معاہدہ عدم تجاوز کی بھی تصدیق کردی ہے*

توفیق رشدی بے وزیر خارجہ ترکی نے ایک ملاقات کے دوران میں افغانی و ترکی تعلقات کے متعلق بیان کیا۔ کہ ترکی اور روس کے اس عہدنامہ کے سیاسی نظام کی منشاء کے مطابق جس پر موسیو چیچرن نے بمقام پیرس دستخط کئے تھے۔ ترکی کو اپنی ہمسایہ قوم کے ساتھ جدید اور مضبوط اصول پر اتحاد عمل ہو جانے کا یقین ہے*

ترکی اپنے قومی جھنڈے کی علامتوں میں کچھ تبدیلی کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ تجویز ہے۔ کہ بجائے کریسنٹ (ہلال) کے حرف "C" بنایا جائے۔ جو ترکی زبان کے لفظ "جمہریت" (جس کے معنی جمہوریت ہیں) کا مخفف متصور ہوگا۔ اور اس کے اوپر ایک ستارہ بنایا جائے۔ جو حرف "T" کا قایم مقام سمجھا جائے گا۔ اور جس سے مراد ترک لی جائیگی۔ یعنی جھنڈے کے نشانات "ترک جمہوریت" کا مفہوم ظاہر کریں گے*

ترکی وزارت تعلیم نے طے کیا ہے۔ کہ زنانہ مدارس میں طالبات کا لباس سر سے پیر تک لمبا ہو۔ جدید مغربی لباس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا لباس طالب علم لڑکیوں کی تہذیب و شائستگی کے منافی ہے*

عرب سرداروں اور مکہ معظمہ اور دوسرے علاقی علاقہ جات کے قبائل کی ایک کانفرنس قائم کی گئی ہے۔ جو شروع ماہ دسمبر میں ایک جلسہ منعقد کرکے عرب ممالک کے موجودہ اختلاف کو دور کرنے اور ان کو غیر ملکی یورپین اقتدار سے آزاد کرانے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنے پر غور کرے گی*

اس کانفرنس کی تحریک سلطان ابن سعود کی طرف سے پیش ہوئی ہے۔ اور وہی اس کے بانی ہیں*

اخبار استقلال لکھتا ہے۔ کہ امام یحییٰ والئ یمن اس سال حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سلطان ابن سعود شروع رمضان میں مکہ معظمہ تشریف لے آئیں گے۔ تاکہ آپ امام یحییٰ والئ یمن کا استقبال کر سکیں*

دول ایران و مصر کے درمیان پانچ سال کے لئے ایک معاہدہ طے ہوا ہے + حکومت ایران جرمنی۔ فرانس اور بلجیم سے بھی عنقریب ایسے ہی معاہدات طے ہونے والے ہیں*

مصر کے اخبار کوکب شرق نے مصری احکام کی خلاف ورزی کرکے قوم پرست پارٹی "وفد" کی ایک قرارداد شائع کر دی تھی۔ جس میں لکھا تھا۔

کہ پارلیمنٹ قایم ہے۔ اور اسے حق حاصل ہے۔ کہ اجلاس منعقد کرے۔ پولیس نے سرکاری احکام کی تعمیل میں اس اخبار کے سارے پرچے ضبط کر لئے۔

وزیر داخلہ مصر نے کوکب شرق اور الاہرام کو متنبہ کیا ہے۔ کہ وہ ایسی باتوں کی اشاعت سے اجتناب کریں۔ جو عوام میں اشتعال پھیلانے والی ہوں۔

افغانستان کے شنواری قبائل کی بغاوت نے خطرناک صورت حالات پیدا کر دی ہے۔ اور اس وقت بدامنی کا مرکز جلال آباد کا علاقہ ہے۔ جو بارہ بارہ میل تک پھیلا ہوا ہے۔

باغیوں نے پچھلے ہفتے پانچ دن جلال آباد کا محاصرہ کئے رکھا۔ اگرچہ وہ شہر پر قبضہ نہ کر سکے۔ تاہم انہوں نے شہر کے باہر سول لائن اور چھاؤنی کی عمارتوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اور جلال آباد کے شاہی محل کو آگ لگا دی۔ گزشتہ جمعرات کو جلال آباد پر حملہ کیا گیا۔ وہاں کی فوج نے مقابلہ کیا۔ لیکن اسے محصور ہونا پڑا۔ اور باغیوں نے محل شاہی پر قبضہ کر لیا۔ رات بھر گولیاں چلتی رہیں۔ اسی رات کو باغیوں کی بعض ٹولیوں نے سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی۔ صبح سویرے باغیوں نے شہر پر حملہ کر دیا۔ لیکن محصور فوج نے اس حملہ کو مسترد کر دیا۔ اس جنگ میں باغیوں کا بہت نقصان ہوا۔ افغان فوج کا ایک کرنیل اور ایک صوبیدار مارا گیا۔ اور کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔

خبر ہے۔ کہ حکومت افغانستان کے وزیر خارجہ باغیوں کے سرداروں سے صلح صفائی کی گفتگو کر رہے ہیں۔ ایک غیر مصدقہ اطلاع یہ بھی ہے۔ کہ وزیر خارجہ باغی سرداروں کو سمجھا بجھانے کے بعد کابل واپس آ گئے ہیں۔ اور صلح صفائی کر کے آئے ہیں۔

اس خبر کی تردید ہو گئی ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں خود افواج کی کمان کر رہے ہیں۔

البانیا کی نوجوانوں کی انجمن نے مصطفیٰ کمال پاشا کی خدمت میں شکریہ کا تار بھیجا ہے۔ کیونکہ انہوں نے البانیا میں جمہوری حکومت کی تائید کی ہے۔ اور احمد زوغو کے بادشاہ بن جانے کو بری نظر سے دیکھا ہے۔

ملک معظم جارج پنجم کو حرارت اور پھیپھڑوں کی تکلیف برابر ہے۔ اور حالت کچھ زیادہ بہتر نہیں۔ قدرے رو بہ اصلاح ہے۔ گزشتہ بدھ تک آپ کی علالت کو پندرھواں دن تھا۔ اس عرصہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ اور ڈاکٹروں کا خیال ہے۔ کہ آپ صحت کے بعد کچھ عرصہ تک سلطنت کا کام نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ پریوی کونسل اور دوسرے امور سلطنت کی انجام دہی کی غرض سے ایک کمیشن مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس کمیشن میں حسب ذیل اشخاص نامزد کئے گئے ہیں:-

علیاحضرت ملکہ معظمہ۔ ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز۔ ہز رائل ہائی نس ڈیوک آف یارک۔ آرچ بشپ آف کنٹربری۔ لارڈ چانسلر۔ اور وزیر اعظم۔ اس کمیشن کو ملک معظم نے اختیار دیا ہے۔ کہ

وہ پریوی کونسل کو طلب کرے۔ اور منعقد کرے۔ اور جن کاغذات پر ملک معظم کی منظوری درکار ہو اس پر دستخط کرے۔ اور وہ تمام امور سرانجام دے۔ جو سلطنت کی حفاظت اور عمدہ انتظام کے لئے ضروری ہوں۔ ان مشیران سلطنت کو پارلیمنٹ کے منتشر کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اور نہ کوئی خطاب یا اعزاز عطا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

شہزادہ ولی عہد پرنس آف ویلز آہن پوش جنگی جہاز "انٹرپرائز" کے ذریعے داراالسلام سے لندن تشریف لا رہے ہیں۔ یہ جہاز پوری رفتار سے بحری مسافت طے کر رہا ہے۔

شاہ جاپان اور ان کی ملکہ رسم تخت نشینی کے انجام پانے کے بعد شاہی ریل گاڑی میں کیوٹو سے ٹوکیو واپس آئے۔ تو توپوں کی سلامی اتاری گئی۔ اور مقدس آئینہ کو اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا۔

مس کورین جو ریاست ٹراونکور میں معلمہ کی حیثیت سے کام کر چکی ہیں۔ حال ہی میں امریکہ کی میچیگین یونیورسٹی میں داخل ہو کر اسکالرشپ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہیں۔ اور صیغہ تعلیم کی اعلیٰ کامیابی کے لئے امریکہ میں محنت کر رہی ہیں۔

جنوبی امریکہ میں ہیبت ناک زلزلہ آیا۔ جس سے ۲۱۸ آدمی ہلاک ہوئے۔ ۲۵۷ کو مہلک اور دو ہزار کو خفیف زخم آئے۔ بیس ہزار نفوس خانماں برباد ہو گئے۔ اکثر عمارتوں کو اس قدر نقصان پہنچا ہے۔ کہ مزید نقصان جان سے محفوظ رہنے کے لئے انہیں خود بخود گرایا جا رہا ہے۔ ٹلیپا کے مقام میں صرف دس فی صدی عمارتیں محفوظ رہی ہیں۔

آج کل سائمن کمیشن لکھنؤ میں کام کر رہا ہے کمیشن جب لکھنؤ پہنچا۔ تو حامیان مقاطعہ نے ایک جلوس نکالا۔ اس جلوس کے ساتھ ایک موقع پر پولیس بہت بدسلوکی سے پیش آئی۔ جلوس کے معزز رہنماؤں اور اخبارات کا بیان ہے۔ کہ پولیس نے حامیان مقاطعہ پر ڈنڈے برسائے۔

۵ دسمبر کو سائمن کی مشترکہ کانفرنس کے سامنے خواتین کا ایک وفد حاضر ہوا۔ اس وفد کی صدر رانی آف منڈی تھیں۔ اور مسز احمد شاہ (سابق رکن کونسل) اور مسز چیٹمبر ممبران وفد میں شامل تھیں۔ اس وفد نے بیان کیا۔ کہ صوبہ متحدہ کے ۱۵ لاکھ رائے دہندگان میں سے صرف پچاس ہزار عورتیں ووٹر ہیں۔ اس لئے عورتوں کو مزید حق رائے دہی دے کر موجودہ رائے دہندہ عورتوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے۔ ارکان وفد نے اس بات پر بھی زور دیا۔ کہ صوبہ متحدہ کی کونسل میں خواتین کو چار جداگانہ نشستیں ملنی چاہئیں۔ اور ان کے لئے صوبہ کو چار مناسب حلقہ ہائے انتخاب میں تقسیم کر دینا چاہئے۔

سر جان سائمن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مسز احمد شاہ نے کہا۔ کہ اب عورتوں میں عام سیاسی بیداری پیدا ہو گئی ہے۔ اور سیاسی معاملات میں وہ زیادہ دلچسپی لے رہی ہیں۔ مقامی اداراتِ

میں عورتوں کو حق ممبریت حاصل ہے۔ لیکن کونسل میں بہت کم عورتیں جا سکتی ہیں۔ اگرچہ آئین سازی اور دیگر اجتماعی معاملات میں مرد جس نیاضی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کا عورتوں کو اعتراف ہے۔ مگر براہ راست اور کارگر نمایندگی کی ضرورت ہے۔

سر ذوالفقار علی خاں کو جواب دیتے ہوئے وفد نے سفارش کی۔ کہ پردہ نشین خواتین کے لئے پرچی ڈالنے کے جداگانہ اسٹیشن قایم کر دئے جائیں اور ان کا انتظام بھی خواتین افسروں کے ہاتھ میں دیا جائے۔

سی پی اور برار کی خواتین کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے مسز بیرام جی صدر کانفرنس نے کہا۔ کہ ہم اب مردوں کے بنائے قوانین نہیں مانیں گے۔ اور اپنی حالت میں اصلاح کریں گے۔ عورتوں کی پہلی ضرورت لڑکیوں کے لئے لازمی پرائمری تعلیم ہے۔

مولانا محمد علی بذریعہ جہاز بصرہ سے ہندوستان روانہ ہوگئے ہیں۔ روانگی سے پہلے آپ نے اپنی تقریر میں کہا۔ کہ میں برطانی قوم کا پکا دوست ہوں۔ مگر برطانی سلطنت کا کٹر دشمن ہوں۔

فری پریس کا تار ہے۔ کہ لیڈی سائمن لارنس میو شاپ واقع حضرت گنج (لکھنؤ) میں عینک کے شیشے خریدنے گئیں۔ جو راستہ میں ٹوٹ گئے تھے۔ آپ نے ارکان کی تعریف کے بعد کہا۔ کہ مجھے بھی ایک محفوظ جگہ ملی ہے۔ جہاں "سائمن گو بیک" کی آواز نہیں آتیں۔

بمبئی میں لالہ لاجپت رائے آنجہانی کی موت پر اظہار افسوس کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا جس کے صدر مسٹر محمد علی جناح تھے۔ اس موقع پر مولانا شوکت علی جیسے تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ تو ہندو نوجوانوں نے شرم شرم کے آوازے کسے۔ حتیٰ کہ صاحب صدر کی تنبیہ پر بھی لوگوں نے مولانا ممدوح کو تقریر کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس توہین پر مسلمانوں میں اظہار ناراضی کے جلسے ہو رہے ہیں۔

صوبہ متحدہ کے گورنر سر میلکم ہیلی رخصت پر انگلستان جا رہے ہیں۔ چھٹی کے دنوں میں مسٹر لیمبرٹ گورنری کے فرائض انجام دیں گے۔

حضور نظام حیدرآباد ۱۵ دسمبر کو کلکتہ تشریف لے جائیں گے۔ اور شروع جنوری میں واپس حیدرآباد آ جائیں گے۔

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ۲۶ دسمبر کو اجمیر شریف میں منعقد ہوگا۔ اور اس کے صدر ڈاکٹر سلیمان جج الہ آباد ہائی کورٹ ہوں گے۔

جالندھر کے رائزادہ ہنس راج (ممبر کونسل) کی صاحبزادی رکھشا دیوی بی اے آکسفورڈ میں دو سال تعلیم حاصل کرکے واپس آئی ہیں۔ آپ نے اکانومکس اور سوشل سائنس کے ڈپلومے حاصل کئے ہیں۔

گورنر صاحب پنجاب ایک پردہ پارٹی دینے والے ہیں۔ جو ۱۸ دسمبر کو شام کے چار بجے قرار پائی ہے۔

جلد ۳۱ | لاہور ہفتہ ۔ ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ء | نمبر ۵۰

تہذیب نسواں

لاہور ۔ یکم رجب المرجب سنہ ۱۳۴۷ ہجری

فہرست مضامین

نارتھ ویسٹرن ریلوے

کرسمس کی رعائتیں

آنے والے کرسمس اور نئے سال کی تعطیلات کے لئے واپسی ٹکٹ جو ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء تک کارآمد ہوں گے۔ نارتھ ویسٹرن ریلوے پر مورخہ ۱۴ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء تک جاری کئے جائیں گے۔ بشرطیکہ ایک طرف کا فاصلہ ۱۰۰ میل سے زیادہ ہو۔ رعائتی کرایہ حسب ذیل ہے:-

پہلا اور دوسرا درجہ	سالم اور ایک تہائی کرایہ
درمیانہ درجہ	سالم اور نصف کرایہ
تیسرا درجہ	سالم اور تین چوتھائی کرایہ

اس ۶ سے بیس بک کی ہوئی موٹر کاروں کے لئے ایسے واپسی ٹکٹ جو ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء تک واپسی سفر کے لئے کارآمد ہوں۔ ایسے سٹیشنوں کے درمیان جہاں اس قسم کی باربرداری کی سہولتیں بہم پہنچائی جاچکی ہیں۔ سنگل کرایہ پر مالک کی ذمہ داری پر جاری کئے جائیں گے۔

نارتھ ویسٹرن ریلوے ہیڈکوارٹرز آفس
لاہور۔ مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۸ء

جے۔ ایچ جیمز
چیف کمرشیل منیجر

نارتھ ویسٹرن ریلوے

اطلاع

یکم جنوری ۱۹۲۹ء سے پسنجر ٹرین میں جانے والے اسباب اور تمام پارسلوں کے کرایہ میں تقریباً ۱۵ فی صدی رعایت کردی جائے گی۔

۲۔ نیز اس وقت اسباب کا کرایہ دس دس سیر کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ یکم جنوری سے پانچ پانچ سیر کے حساب سے کرایہ وصول کیا جائے گا۔ مثلاً ایک پارسل جس کا وزن ۱۴ سیر ہے۔ اور جس کا کرایہ اب ۱۱ سے ۲۰ سیر تک کے حساب سے وصول کیا جاتا ہے۔ یکم جنوری سے ۱۱ سے ۱۵ سیر تک کے حساب سے کرایہ وصول کیا جائے گا۔

مفصل حالات سٹیشن ماسٹروں سے مل سکتے ہیں۔

نارتھ ویسٹرن ریلوے ہیڈکوارٹرز آفس
لاہور۔ مورخہ ۳ دسمبر ۱۹۲۸ء

جے۔ ایچ جیمز
چیف کمرشیل منیجر

پردہ

آج کل ہر اخبار اور رسالہ میں کم وبیش پردہ کی بحث چھڑی ہوئی ہے۔جس میں زیادہ تعداد ایسے مضامین کی ہوتی ہے۔جو ہندوستان کے موجودہ رسمی پردہ کی تائید میں ہوتے ہیں۔اور موافق و مخالف ہر دو مضامین میں قرآن و حدیث ہی سے پردہ کے متعلق مسائل بیان کئے جاتے ہیں۔ جو علما مستورات کا شرعی پردہ کے ساتھ باہر آنا جانا جائز سمجھتے ہیں۔اور موجودہ رسمی پردہ کو سختی پر محمول سمجھتے ہیں۔کیوں اپنی رائے اور مذہبی احکام کی پابندی نہیں کرتے؟ ایسے عالم اور باشرع اصحاب کا فرض ہے۔کہ وہ مخالفین کے بے جا اعتراضات سے بے پروا ہوکر شرعی احکام کی پیروی کریں۔اور بے جا سختی کے بدنما دھبے کو مٹانے کی کوشش کریں+ کسی عالم دین کو ہرگز ہرگز گوارا نہیں ہونا چاہئے۔کہ رواج کے مقابلہ میں اسلام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جائے۔ اور مسئلہ کی اصلی صورت پر پردہ ڈال کر اسلام کو بدنام کرنے اور اس پر اعتراض کرنے کا موقع دیا جائے+ پردہ کے معاملہ میں علماء کی عملی طور پر خاموشی نہایت تعجب خیز ہے+ کیا ہمارے علماؤں کو اسی وقت ہوش آئے گا۔جبکہ سر کے بال زلفوں کی گھٹنوں سے اونچا سایہ اور کھلے سینے کی قمیض پہن کر مسلمان عورتیں باہر نکلنا شروع کردیں گی۔اس سے قبل وہ کوئی درمیانی راستہ ہرگز نہ نکالیں گے۔اور پھر اس وقت ان کی کوششیں بےکار ہوں گی+ اسی طرح ہمارے مذہبی پیشوا علی گڑھ کالج اور تعلیم انگریزی کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے رہے۔آخر جب ان علماء کی امداد سے مایوس ہوکر کامل دہریت مسلمانوں میں پیدا ہوگئی۔تب اتحاد عمل کی سوجھی+ لہذا جب تک علماء اس طرف خاص طور پر توجہ نہ کریں گے۔کچھ نہ ہوگا۔اور جب ہوگا۔تو شرعی قیود سے تنگ آکر اس طریق پردہ کا شریعت سے جنگ کے اوپر خاتمہ ہوگا+

دراصل بات یہ ہے۔کہ موجودہ رسمی پردہ ہندوستانی مسلمانوں کا خود ساختہ پردہ ہے۔اور رفتہ رفتہ مردوں کی طبیعتیں مستورات کو پردہ کے نام سے گھروں میں مقید رکھنے کی ایسی خوگر ہوگئی ہیں۔کہ اب اس میں کسی اصلاح کی گنجائش نظر نہیں آتی۔اور کوئی طبیعت اس کو جائز نہیں سمجھتی۔کہ عورتوں کو پردہ کے معاملہ میں شرعی حدود سے فائدہ اٹھانے دیا جائے+ کسی نے کہا ہے۔کہ موت کے مقابلے میں انسان بخار پر رضامند ہوجاتا ہے+ اسی طرح مخالفین پردہ جب یہ لکھتے ہیں۔کہ پردہ بالکل اڑا دینا چاہئے۔ کہ وہ دنیاوی ترقی کا مانع ہے۔اور اسلام میں پردہ کا حکم ہی نہیں ہے۔تب لاچار موافقین پردہ کو شرعی احکام بیان کرنے پڑتے ہیں۔مگر افسوس وہ مسائل صرف بیان کرنے ہی کے لئے سینوں

ہیں محفوظ کر رکھے ہیں۔ ان پر عمل درآمد کرنے کی ہمت و جرأت کسی میں نہیں ۔

میانہ روی خدا کو بھی پسند ہے۔ مگر آج کل ایسی افراط تفریط پھیلی ہوئی ہے۔ جس کی انتہا نہیں۔ جو اصحاب پردہ کے مخالف ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ ہماری عورتیں بھی یورپین عورتوں کی طرح نیم برہنہ ہمارے دوش بدوش رہیں۔ اور جو اصحاب پردہ کے حامی ہیں۔ ان کا اگر بس چلے تو عورتوں کو گھروں کے صحن کی بھی ہوا نہ لگنے دیں۔ ان کے نزدیک آواز کا پردہ نام کا پردہ تحریر کا پردہ۔ سر کے ٹوٹے ہوئے بالوں اور کٹے ہوئے ناخنوں کا پردہ! بس یہی شدتِ پردہ پردہ توڑنے کی بانی ہوگی۔ جو لوگ ہندوستانی معاشرت میں اصلاح کے خواہش مند ہیں۔ اور بیجا رسوم کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ اور قومی و مذہبی ترقی کی راہیں تلاش کرتے ہیں۔ افسوس پردہ کے معاملہ میں وہ حضرات بھی خاموش ہیں۔ ایک وہ عورت جس کی صحت تنگ و تاریک گھر میں مقید رہنے اور نہ چلنے پھرنے کی وجہ سے بالکل برباد ہو گئی ہو اور بلا کسی مرض کے مریض بن گئی ہو۔ اور دو قدم چلنے سے سر میں چکر آتے ہوں۔ رنگ زرد پڑ گیا ہو۔ کھانا ہضم نہ ہوتا ہو۔ اور حکیم و ڈاکٹر کی تمام تدبیریں بے کار ہو چکی ہوں۔ تو بھلا ایسی صورت میں قیمتی دوائیں کیا مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ درد تو سر میں ہے۔ اور پیر پر پٹی باندھی جائے۔ تو سر کے درد میں کس طرح تخفیف ہو سکتی ہے؟ دیگر ملکوں کی مستورات کے مقابلے میں ہندوستانی مستورات کی ہستی قابل رحم ہے۔ اسلام کے نام لیوا سچے مسلمان اگر اپنے پہلو میں دل رکھتے ہیں۔ اور عورتوں کو جاندار تصور کرتے ہیں۔ تو ان کی بہتری اور ترقی کا سامان پیدا کریں۔ ورنہ دیکھ لینا۔ کہ زمانے کی ہوا کسی کے تھامے نہیں تھمے گی۔ اور پردہ کا وہ حشر ہوگا۔ جس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت مذہبی عالم اور رسمی پردے کے دلدادہ سوائے دست حسرت ملنے کے اور کچھ زور نہ چلا سکیں گے۔

امۃ الوحی

عورتوں کی امامت

میں تہذیب کی پرانی جلدیں دیکھ رہی تھی۔ کہ ان میں تین چار جگہ بہنوں کے استفسارات عنوان بالا پر نظر سے گزرے۔ ساتھ ہی جناب مولوی صاحب قبلہ کے مفصل و مفید جوابات بھی۔ چونکہ سوال و جوابات بالکل پرانے ہیں۔ اس پر اب کچھ لکھنا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ مگر ہنوز معاملہ بالکل روز اول ہے۔ اکثر عالم اب بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کی امامت جائز نہیں۔ خیر یہ مانا۔ کہ عورتوں کو مردوں کی امامت کرنی درست نہیں۔ لیکن اگر مردوں کی امامت کرنی درست نہ ہو۔ تو

عورتوں کو عورتوں کی امامت کیوں مناسب نہیں؟ اس کے خلاف کون سی شرعی دلیل ہے؟ مجھے تو باجماعت نماز ہی افضل معلوم ہوتی ہے۔ اور ہم اہل خاندان ہمیشہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور نمازیوں میں سے کسی ایک کو امام بنا لیتے ہیں، جب ہماری چھوٹی سی جماعت میں ہمارے بزرگ موجود نہیں ہوتے۔ تو میں یا میرا پہلا بھائی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی امامت کر لیتے ہیں۔

اچھا کسی جلسے یا تقریب وغیرہ کے موقعوں پر بیبیوں خواتین جمع ہو جائیں۔ تو نماز کے وقت سب بیبیوں کا باجماعت نماز پڑھنا افضل اور موثر ہوگا۔ یا فرداً فرداً ہر ایک بی بی کا جدا جدا نماز پڑھنا؟ حدیث شریف میں باجماعت نماز کی شدید تاکید آئی ہے۔ خواہ نماز پڑھنے والے مرد ہوں یا عورتیں جب باجماعت نماز کی تاکید ہے۔ تو نمازیوں میں سے ایک کا امام بننا بالکل ضروری ہے۔ ورنہ سب قرات پڑھیں گے۔ تو بالکل عجیب شور وغل پیدا ہوگا۔ ظہر عصر تو خیر مگر باقی تینوں جہری نمازوں میں ایک قسم کی گونج سی پیدا ہو جائے گی۔ جس کا دل و دماغ پر مفید اثر ہونے کی بجائے نماز تماشا بن جائے گی۔ دوسرے ایک کے کان دوسرے کی قرأت سنیں گے۔ تو دل و دماغ میں اپنے سورہ کے مطلب کے ساتھ ساتھ دوسرا مطلب داخل ہو کر طبیعت کو پریشان کرتا رہے گا۔ اور مطلب نہ سمجھ کر پڑھنے والوں کی تو بالکل بری گت ہوگی۔

شاید سب کی قرأتوں کی آواز سے اپنی بھی بھول جائیں گی۔ غرض ان تمام ضروری باتوں کا خیال کرتے ہوئے نماز باجماعت ہی اولیٰ و افضل ہے۔ خواہ نمازی تعداد میں دو تین ہی کیوں نہ ہوں۔

جناب مولوی صاحب کی تحریر کے مطابق جو ایک پرانی جلد میں شائع ہوئی تھی۔ ایک عورت کا امام اور باقیوں کا مقتدی بننا درست ہے۔ تو اس پر کیوں نہ عمل کیا جائے؟

سورہ اعراف میں آیا ہے۔ کہ جب قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو۔ تو تم خاموشی سے اسے سنو۔ اور سمجھو۔ تاکہ خدا کی رحمت تم پر نازل ہو۔ اور تم اپنے دل ہی دل میں اپنے رب کا نہایت زاری سے اور ڈرتے ہوئے ذکر کرو۔ اور زور زور سے آواز مت نکالو۔

آیت مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے۔ کہ نماز باجماعت ہو۔ اور ایک امام کی اقتدا کی جائے۔ اور سب نمازی خود پڑھنے کی بجائے امام کی قرأت سنیں۔

نمازیوں کو چاہئے۔ کہ وہ امام کی قرأت سنتے ہوئے قرآن پاک کی آیات کے معانی و مطالب پر غور و تدبر کرتے جائیں۔ سو اگر نمازی بیبیاں آیات کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ تو انہیں جو بھی آیت یاد ہو اسی پر غور کرتی رہیں۔ یا صرف دل ہی دل میں خداوند رب العزت کی درگاہ میں دعا و زاری کرتی رہیں۔ خداوند رب العزت کے حضور میں

کھڑے ہوکر کوئی ایسا کلمہ کہنا بالکل بے معنی ہے۔ جس کے مطلب و مفہوم کا کہنے والے کو خود علم و یقین نہ ہو۔ ہمیں یہ سمجھ لینا بالکل ضروری ہے۔ کہ ہم درگاہ خداوندی میں کس بات کے طالب ہیں۔ خاص رب العزت کے حضور میں کھڑے ہوکر بغیر سمجھے بوجھے۔ جانے پہچانے کے کوئی کلمہ کہنا ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ ہم کسی معمولی غرض سے جب کسی دنیاوی حاکم کے پاس کوئی درخواست کرتے ہیں۔ تو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہم کس مطلب کی درخواست کر رہے ہیں۔ جب ادنیٰ دنیاوی حاکموں کا ہی ایسا خیال رکھا جاتا ہے۔ تو احکم الحاکمین کا کتنا ادب ضروری ہے خیال کر لیجئے۔

اور بہنیں بھی اس مضمون پر قلم اٹھائیں۔

خاکسار مس فاطمہ محمد حسین صدیقی بنگلوری

قلعہ آگرہ

کے مینا بازار کا ایک عجیب واقعہ

سنتے ہیں۔ کہ بیگمات نے ایک دفعہ بادشاہ سلامت سے شکایت کی۔ کہ مردوں کو تو ہمیشہ بازاروں کی سیر کا موقع ملتا ہے۔ اور جو چیز بازار میں دیکھ لیتے ہیں۔ وہ حسب پسند خرید لیتے ہیں۔ مگر بیگمات اور خواتین کو یہ آزادی اور تفریح میسر نہیں۔ اس پر بادشاہ سلامت کے حکم سے آگرے کے قلعہ میں زنانہ بازار قایم ہوا۔ جو مینا بازار کے نام سے موسوم ہوا۔ قلعہ آگرہ کے وسیع میدان میں ہر مہینے یہ زنانہ بازار لگتا تھا۔ اس میں ہر قسم کا مال فروخت ہوتا تھا۔ مگر فروخت کرنے والی صرف عورتیں ہوتی تھیں۔ سوائے بادشاہ سلامت کے اور کسی مرد کو مینا بازار میں داخلہ کی اجازت نہ تھی۔ تاجروں۔ جوہریوں۔ بزازوں حلوائیوں۔ سناروں۔ لوہاروں۔ میوہ ترکاری اور گل فروشوں وغیرہ وغیرہ غرض تمام اہل پیشہ اور اہل حرفت کی عورتیں ہر قسم کا سامان بغرض فروخت مینا بازار میں لاتی تھیں۔ بیگمات اور قلعہ کی تمام خواتین بے پردہ بے حجاب کامل آزادی کے ساتھ دن بھر اس بازار میں خریداری کیا کرتی تھیں۔

ملکہ نور جہاں کے حسن کا شہرہ عالمگیر تھا۔ ایک نوجوان جوہری کو یہ تمنا ہوئی۔ کہ کسی طرح ملکہ ممدوحہ کو بے حجاب دیکھوں۔ اس نے اپنی بیوی اور بہنوں سے فرمائش کی۔ کہ مجھے بھیس بدل کر ایک دن مینا بازار لے چلو۔ تاکہ ایک نظر ملکہ کو میں بھی دیکھ لوں۔ اس کی بیوی اور بہنوں سب نے انکار کر دیا۔ کہ اگر پردہ فاش ہوگیا۔ تو بادشاہ سلامت سارے خاندان کو کولھو میں پڑوا دیں گے۔ یا توپ سے اڑوا دیں گے۔ مگر جوہری زادہ کا تقاضا بڑھتا رہا۔ اور اس نے کھانا پینا سب ترک کر دیا۔ تب اس کی بیوی بہنوں نے لاچار ہوکر ارادہ کر لیا۔ کہ اس کو زنانہ

بھیس میں قلعہ کے اندر لے جائیں - شرط یہ ٹھہری کہ جوہری زادہ گھونگٹ نکالے رہے - جب بادشاہ سلامت اور ملکہ نورجہاں قریب سے گزریں - اس وقت گھونگٹ میں سے ملکہ کے چہرہ کو ایک نظر دیکھ لے *

جوہری زادہ نے یہ شرط منظور کر لی - اور زنانہ بھیس بدل کر اگلے بازار میں ہمراہ ہو لیا - چونکہ قلعہ میں جانے والی سب عورتیں مشہور و معروف گھرانوں کی ہوتی تھیں - اس لئے قلعہ کے پہرہ داروں نے بھی روک ٹوک نہیں کی - اور یہ مرد زنانہ بھیس بھرے سر جھکائے مینا بازار میں شریک ہو گیا * جب بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نورجہاں کا اس طرف سے گزر ہوا - تو بادشاہ سلامت فوراً اس جگہ سے واپس لوٹے - اور تخت پر بیٹھ کر حکم دیا - کہ جوہری بازار والی عورتوں میں فلاں مقام پر ایک مرد فلاں قسم کے زنانہ بھیس میں بیٹھا ہے - اُسے پکڑ لاؤ * اس حکم سے چھوٹے بڑے سب کانپ اُٹھے - اور سارے بازار میں تہلکہ مچ گیا * آخر وہ مرد گرفتار ہو کر بادشاہ سلامت کے سامنے لایا گیا - اور اس کا گھونگٹ ہٹایا گیا - تو وہ مرد تو تھا ہی سب راز کھُل گیا *

بادشاہ نے دریافت کیا - کہ کس غرض سے تم نے اس بھیس میں قلعہ کے اندر داخل ہونے کی ہمت کی * جوہری بچہ پہلے سے ہی سب منصوبہ گانٹھ چکا تھا - ہاتھ باندھ کر تھر تھر کانپتے ہوئے

عرض کی - کہ حضور میری ماں کو مرے ہوئے کئی سال ہو گئے * میں اپنی ماں کی صورت کا عاشق تھا - جب سے وہ مری ہے - میری زندگی کا سارا لطف جاتا رہا - اور میں اس کی یاد میں ہمیشہ غمگین رہتا ہوں * میں نے اپنی بیوی اور بہنوں سے سُنا تھا - کہ ملکہ نورجہاں کے حلیہ مبارک میں میری ماں کی کچھ جھلک نظر آتی ہے - یہ سُن کر میرا دل اپنی ماں کی زیارت کے لئے بے قرار ہو گیا - اور حالت اضطرار میں مجھ سے یہ حرکت سرزد ہو گئی * میں نے اپنی ماں کا دیدار دیکھ لیا * اب چاہے - ان داتا ماریں یا چھوڑیں *

بادشاہ سلامت مسکرائے اور ملکہ نورجہاں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا - کہ اب تو اس نے تم کو ماں بنا لیا - بولو اب یہ کس سلوک کا مستحق ہے * ملکہ نے کہا - اس نے تو اپنی طرف سے اپنے لئے جہانگیر کا استحقاق پیدا کر لیا ہے * بادشاہ سلامت نے کئی گاؤں اس جوہری کو مرحمت کئے - اور خلعت دے کر رخصت کیا *

نورجہاں نے عرض کیا - کہ یہ تو جو کچھ ہوا - سب ٹھیک ہوا - مگر یہ تو ارشاد ہو - کہ حضور نے کیونکر دفعتہً پہچان لیا - کہ یہ مرد ہے - حالانکہ اس سے پیشتر ایسا حادثہ کبھی پیش نہ آیا تھا - اور ہم میں سے کسی کو اس کا مطلق احساس نہ تھا - کہ بازار میں کوئی مرد موجود ہے * جہانگیر نے جواب دیا - کہ یہ کوئی مشکل کام نہ تھا * میں نے ہمیشہ یہ دیکھا

ہے۔ کہ جب مینا بازار میں ہم تم دونوں سیر کرتی پھرا کرتے تھے۔ تو ہمیشہ تمام عورتوں کی نظریں میری طرف ہوتی تھیں۔ آج یہ نئی بات دیکھنے میں آئی۔ کہ اور سب عورتیں تو میری طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ مگر اس شخص کی نظر کا رخ تمہاری طرف تھا۔ میں فوراً تاڑ گیا۔ کہ اگر یہ عورت ہوتی تو اس کی نظر بھی فطرتاً میری طرف ہوتی۔ یہ ضرور مرد ہے۔ جو تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ اس لئے میں نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ چونکہ اس نے عذر معقول پیش کیا۔ لہذا میں نے مصلحت دیکھی۔ اور درگزر کر دیا۔ ورنہ اس مینا بازار کا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔

خاکسار غفور بخت الکبر ے۔ از بریلی

مبالغہ

جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا!
خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا!

یقیناً وہ اشخاص نہایت خوش قسمت ہیں۔ جن کے دوستوں میں جھوٹ یا اس جان لیوا مرض "مبالغے" کی عادت نہیں ہوتی! لیکن آپ اس باب میں کسی سے پوچھیں۔ کہ کون دنیا میں سب سے زیادہ ستم رسیدہ ہے۔ تو یقیناً سب کی انگلیاں مری طرف اٹھیں گی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی مجھ ہی جیسے بدنصیب نے مندرجہ بالا شعر موزوں کیا ہے۔ جس کے پڑھنے سے تجربہ کار دلوں میں ایک درد اٹھتا ہے۔

شاعروں کے مبالغے تو مشہور عام ہیں۔ مگر ان من چلوں کی بات بالکل جدا ہے۔ ان کے متعلق کچھ کہنا گویا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ کیونکہ وہ ازل کے خود پسند۔ خود رائے اور خیال پرست واقع ہوئے ہیں۔ ذرا ان کا نزاکت آمیز مبالغہ ملاحظہ ہو۔

شوخی ہے یہ کبھی اس نے جو مستی لگائی ہے
یعنی دہان تنگ پہ دھوکا ہو خال ہو!

دنیا میں اس سے بڑھ کر مبالغہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ دہان تنگ کو ایک خال سے تشبیہ دینا ستم ظریفی نہیں۔ تو اور کیا ہے؟

حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم نے اپنے طبقے کے اس کھلے ہوئے جھوٹ سے تنگ آ کر ان کا ان الفاظ میں مضحکہ اڑایا تھا۔

کیا پوچھتے ہو اکبر آشفتہ سر کا حال؟
خفیہ پولیس سے پوچھ رہا ہوں کمر کا حال!

مگر جیسا کہ اوپر لکھ چکے ہیں۔ ہم اس مضمون میں اس آزاد منش چلبلی مخلوق کے اس ظرافت آمیز مبالغہ کو نظر انداز کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی یہ عادت مبالغہ نہیں کہلائی جاسکتی بلکہ عام اصطلاح میں اس کو ان کی فطری مجبوری کہنا درست ہوگا!

لیکن ان لوگوں کو کیا کہیئے۔ جو نہ شاعر ہیں

نہ ناول نویس۔ لیکن مبالغے کا یہ حال ہے۔ کہ کہ بالشت کو چار گز کہہ دیتے ہیں! چیونٹی کو شترمرغ بنا دینے میں دریغ نہیں کرتے! یہی عادت ترقی پا کر جھوٹ۔ اور اس میں بھی ترقی ہوئی۔ تو سفید جھوٹ کی منزل پر جا پہنچتی ہے ٭

بعض اوقات یقین کیجئے۔ کہ یہ عادت خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی مریض نے اپنے ڈاکٹر سے صرف دردسر کی شکایت میں اعضا شکنی اور بخار کو بھی شامل کر دیا۔ تو کیا حال ہوگا؟

یہی وہ عادت ہے۔ جو مجھ میں اور میری ایک خاتون دوست میں اکثر نااتفاقی کی بنیاد ڈالتی ہے ٭ ہرچند کہ خاتون موصوفہ مجھے بے حد پیاری ہیں۔ کیونکہ آپ بڑی دل کھلی بے تکلف دوست ہیں۔ مگر جہاں انہوں نے اپنی مبالغہ آمیز فصاحت و بلاغت کی فلسفیانہ باتیں شروع کر دیں۔ وہاں میں نے فوراً ہی انہیں ٹوکا۔ روکا۔ اور ہم دونوں میں ایک چھوٹی سی جنگ ہو کر رہ گئی!

ہماری دوست نے اس کو اک "فن" بنا کر اختیار کر لیا ہے ٭ اگر میں اپنی دوست کی شان میں گستاخی نہیں کرتی۔ تو یہ کہنے کی جرأت کرتی ہوں۔ کہ مبالغہ ان کا پیدائشی تحفہ اور ازلی عطیہ ہے ٭

آپ کی تقریر کو ہم جھوٹ کے نام سے موسوم کریں گے۔ تو گناہ گار ٹھہریں گے! کیونکہ جھوٹ کے معنے ہیں بے بنیاد بات کو سچ بتا دینا۔ مگر کیوری

(یہ ان کا فرضی نام ہے۔ جو ان کے اصلی نام سے بالکل ملتا جلتا ہے۔) اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس عیب سے بالکل مبرا ہیں۔ بس اتنا ہے۔ کہ کسی بات کی ابتدا ہوئی۔ اور آپ نے اس میں مصالحہ لگا۔ اس کو انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ٭

گزشتہ اکتوبر کا ذکر ہے۔ کہ میں دن بھر پریس کا کام کرتے کرتے غروب آفتاب کے وقت تھک گئی ٭ ستارے جلوہ گر ہونے لگے۔ تو میں تفریحاً چہل قدمی کے خیال سے باغ میں نکل آئی۔ ہوائیں خنک تھیں۔ اور ان میں ایک سرور ملا ہوا تھا۔ درختوں پر شام کے پرند ابھی تک گیتیں گا رہے تھے ٭ ابھی پوری رات نہیں پڑی تھی۔ مگر کائنات میں ایک دہشت انگیز تنہائی محسوس ہو رہی تھی ٭ انار کی نازک ٹہنیوں میں کبھی کبھی جگنو چمک چمک جاتے تھے۔ ان دلفریب خوب صورتیوں نے دن بھر کی تکان کو دور کر دیا ٭

ان ایام میں خاتون موصوفہ میری تنہائی کے خیال سے میرے یہاں مہمان آئی ہوئی تھیں۔ اس وقت وہ اپنے کمرے سے بھاگی بھاگی باغ کے زینے پر آئیں ٭

"تم یہاں ٹہل رہی ہو" ––– انہوں نے کہا۔ "ذرا چل کر دیکھو۔ اپنے "رورپٹ" کو (ایلے کا نام ہے۔) کیا حال ہو گیا ہے اس کا! سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اور قریب المرگ ہے!!"

آہ! میرے خدا۔ کیسی دہشت خیز منحوس خبر

تھی۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے! میرا
بلاؤ جس سے مجھے محبت ہے! قریب المرگ ہے۔!
اللہ ——! میں دو لمحوں میں شدت فکر سے سفید
ہو گئی۔ خاتون کیوری مجھے ساتھ لے چلیں۔ وہاں
جا کر دیکھا۔ تو باورچی خانہ کے صحن میں میرا بلا نہایت
سے کھیل رہا تھا۔ مگر نہ سانپ نے اسے ڈسا
اور نہ خدانخواستہ وہ قریب المرگ ہی تھا!

اس شام اس سانحہ کے بعد مجھ میں اور ان
میں ایک چھوٹی سی لڑائی ہو کر رہ گئی۔ کیونکہ ایسے
مبالغے ہر کسی کو برہم کر دیتے ہیں۔

ابھی ہماری اس لڑائی کا خاتمہ نہیں ہوا
تھا۔ اور دونوں ابھی تک آپس میں کچھ رُک رُک کر
بات کرتی تھیں۔ کہ اسی شب ایک اور واقعہ
اسی قسم کا گزرا۔ کھانے کے بعد موسم خوشگوار
ہو گیا تھا۔ اس لئے میں پھر پریس کے کام میں
مصروف ہو گئی تھی۔ ایک لمبے سے دریچے کے
آگے بیٹھی لکھتی رہی۔ آپ بھی بیٹھی ٹائمز کا مطالعہ
فرما رہی تھیں۔ اور اس میں کی بعض خبریں پڑھ
کر سنا رہی تھیں۔ مگر چونکہ میں جانتی تھی۔ کہ آدھی
خبریں اخبار کی۔ تو آدھی آپ کی ایجاد ہوں گی۔
اس لئے برابر اپنے کام میں لگی رہی۔ آپ اپنا
سگرٹ کیس اوپر کی منزل میں بھول آئی تھیں
دفعتہً اسے لانے کی غرض سے اوپر گئیں۔ واپس
آ کر مجھ سے کہا۔ دوست! تم نے بھی کس غضب کا
بلا پال رکھا ہے!

ذرا اوپر جا کر دیکھو۔ اس شریر نے تمہاری
کلائی کی گھڑی کیس سے نکال کر نیچے گرا دی۔
اور اس کا شیشہ جدا ہو گیا ہے!"

مجھے اتنا غصہ کبھی نہیں آتا۔ جتنا کہ لکھنے کے
وقت کسی کے مخل ہونے سے آتا ہے۔ مگر اس
وقت میں فوراً اٹھی۔ اور ان کا جھوٹ ان پر ثابت
کر دکھانے لئے اوپر جا کر دیکھا۔ تو گھڑی کیس سے تو باہر
تھی۔ مگر نہ شیشہ علیحدہ ہوا تھا۔ نہ وہ نیچے گر پڑی
تھی۔ یہ سب آپ کی شاعری تھی۔ نیچے آ کر میں
نے کیوری سے کہا۔ کہ بھلا پیاری   ! آخر
نہیں مجھے ستا کر کیا مل گیا۔ میں اچھی خاصی بیٹھی
لکھ رہی تھی۔ گھڑی نیچے گری ہے۔ نہ اس کا
شیشہ ہی ٹوٹا ہے۔ مفت میں تم نے بلے غریب
کا نام لگا دیا!

کہنے لگیں" تو کیا بلے کی شرارت نہ تھی۔
میرا تو یہی خیال تھا۔ اور شیشہ بھی نہیں ٹوٹا؟
میں نے تو ایسا ہی قیاس کیا تھا! آپ کے
ایسے قیاس بہت خطرناک ثابت ہوں گے۔"
میں نے جواب دیا۔ اور مصروف ہو گئی؟

ایک بے تکلفی کمرے کی فضا میں پھیل گئی
تھی۔ اب آپ کچھ محجوب نظر آ رہی تھیں۔ اُٹھ کر
اِدھر اُدھر ٹہلنے لگیں۔ بہت دیر بعد اس مہر سکوت
کو آپ نے اس طرح توڑا "بہت دیر لکھنے میں
لگا دی تم نے۔ اب سوؤ گی بھی نہیں؟ ایک بج رہا
ہے!"

ایک نبجے کا نام سُنتے ہی میں نے کاغذات رکھ دیئے۔ دروازہ بند کر کے سونے کے لئے جانے ہوئے۔ گھڑی پر جو نگاہ کی۔ تو ساڑھے گیارہ بجے تھے! آپ نے خفت مٹانے کی غرض سے بات کی۔ تو وہ بھی ایسی!!

سردیوں کی ایک خوشگوار صبح۔ چائے کے بعد ہم دونوں نے مل کر مٹھائی پکائی۔ اتفاقیہ میری اُنگلی کسی قدر جل گئی۔ میں نے سیاہی لگائی اور شام تک اس بات کو بالکل بھول گئی۔ اور بہ ظاہر وہ بھی بھول گئی تھیں۔ کیونکہ اس کا انہوں نے پھر مجھ سے کوئی ذکر نہ کیا + لیکن دوسرے دن جب میں آپ سے ملنے آپ کے گھر گئی۔ تو آپ گھر پر موجود نہ تھیں۔ آپ کے شوہر کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی بڑی ہمدردی سے پوچھا "خدا کا شکر ہے۔ کہ کل آپ بچ گئیں۔ اب کیسی ہیں آپ"؟

میں ان جملوں کا مطلب اخذ نہ کر سکی + بعد میں معلوم ہوا۔ کہ گیوری نے انہیں سمجھا دیا تھا۔ کہ کل میں مٹھائی پکاتے ہوئے جل کر مرتے مرتے بچ گئی +

اپنی دوست کے اس مبالغہ کو سُن کر جسے ہم سرکش لیجے ہیں ۔" سفید جھوٹ " کہنے کے بھی مستحق معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے تو ہنسی آگئی + تھوڑی دیر میں آپ کی موٹر برساتی میں آگئی۔ شوہر صاحب بیوی کے استقبال کے لئے زینے تک کھنچتے چلے گئے + آپ ایک ادائے دلفریبی سے سگرٹ کے دم کھینچتی ہوئی اندر داخل ہوئیں + میں نے اکیلے میں ان سے پوچھا۔ " بھلا گیوری! یہ کہنے کی تمہیں کیا ضرورت تھی۔ کہ کل میں مٹھائی پکاتے ہوئے راکھ کا ڈھیر ہو کر مرتے مرتے بچ گئی؟ یہ بھی کوئی پُرلطف بات ہے؟ بھلا ایسا کونسا حادثہ گزرا تھا۔ جس کا ذکر تم نے گھر پر کیا؟ ذرا اُنگلی جل گئی تھی"!

فوراً ہنس کر فرماتی ہیں (اسی کو میں ان کی بلاغت کہتی ہوں۔)" اُنگلی کا جل جانا کچھ تھوڑی بات تھی اُنگلی سے ہاتھ۔ ہاتھ سے شانے۔ شانے سے گردن۔ اور پھر کیا ہوتا؟"

میں نے ان کی اس دور خیالی کی داد دی۔ اور چپ ہو رہی + آپ کی زندگی کے اور بہت سے واقعات ہیں۔ مگر رنج کی یہی بات ہے۔ کہ ایک مجھ ہی بدنصیب ہستی کو انہوں نے اپنا تختۂ مشق مقرر کر لیا ہے +

کلکتے کے زو (جانور گھر) کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگیں:۔

" میں نے ایک چیونٹی دیکھی۔ جو بالکل تمہارے قد کی تھی!"

مجھے تو غصہ آگیا! مبالغے کی بھی حد ہونی چاہئے۔ میں نے تو صاف کہدیا۔ کہ "جس وقت کٹھمل تمہاری شکل کا پیدا ہوگا۔ اسی وقت چیونٹی بھی میرے قد کی دنیا میں آجائے گی +

سردیوں کے موسم میں نومبر کے اخیر میں ہم دونوں نے مل کر سفر کیا۔ دوران سفر میں مجھے کچھ سردی لگ گئی۔ اور حلق میں خفیف سا درد محسوس ہوا۔ دوسرے دن گھر پہنچ کر میرے متعلق اپنے شوہر سے جو کچھ انہوں نے کہا۔ وہ الفاظ سننے کے قابل ہیں۔

"تو یہ کیا کہوں! راستے میں ان کو نمونیہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔ بے چاری کو ایسی تکلیف رہی۔ کہ سانس رُک گیا۔ مکمل ڈیڑھ گھنٹہ کو سانس بالکل بند ہو گیا"۔

میں اپنے متعلق اس شگرانہ جملے کو سن کر جل بھن گئی۔ اور کہا "یہ بھی کہہ دو نا۔ کہ تم میرا کفن تیار کرنے لگی تھیں۔ اس طرح آپ کی ستم ظریفی کی انتہا ہو جاتی!"

"لو اور سنو"! انہوں نے بڑے بزرگانہ لہجے میں کہا "میں نے ہمدردی سے چند کلمات کہہ دیئے۔ تو یہ ان کو برا لگا۔ واللہ! بچپن بھی عجیب چیز ہے!"

ان کے اس جملے نے مجھے بھی ہنسا دیا۔ ان کے شوہر کو بھی ہماری گفتگو پر ہنسی آگئی۔

اب میں سوچتی ہوں۔ کہ ایسی لڑکیوں کے بچوں کا کیا حشر ہو گا؟ اماں جان کی اس بیباکی سے آخر وہ بھی فطرتاً متاثر ہوں گے یا نہیں۔ بخدا جہاں تک ممکن ہو سکے۔ مبالغے کو چھوڑ دیجیے۔ ورنہ کوئی صحیح المذاق سنجیدہ شخص آپ کی گفتگو سے لطف اندوز نہ ہو سکے گا۔ مس حجاب اسمٰعیل

نروبی کینیا کالونی

مجھے نروبی (مشرقی افریقہ) میں قریباً دو سال ہو گئے ہیں۔ مگر نروبی کی پوری سیر کا اتفاق ابھی تک نہیں ہوا۔ یہ بہت سرسبز اور زرخیز قطعہ اور بہت ہی وسیع شہر ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے۔ ہمیشہ ایک جیسا موسم رہتا ہے۔ یہاں ہمارے ہندوستانی بھائیوں اور بہنوں کی تعداد ہزاروں کے شمار میں ہے۔ اور خدا کے فضل سے سب برسرروزگار ہیں۔

لیکن باوجود اس کے افسوس ہے۔ کہ یہاں کی عظیم الشان جامع مسجد جو تقریباً ڈھائی سال سے زیر تعمیر ہے۔ اس وقت تک ادھوری پڑی ہے۔ اس پر ایک لاکھ روپیہ خرچ آچکا ہے۔ اور بیس ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔ صرف مسلمان بھائیوں کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد کے یہاں ہوتے یہ ایسا بھاری بوجھ نہ تھا۔ جس سے سبکدوش ہونا ناممکن ہوتا۔

بہت ہی افسوس سے تحریر کرتی ہوں۔ کہ یہاں کی عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ہندوستان اور پنجاب کے تو کئی چھوٹے چھوٹے قصبوں میں لڑکیوں کے لئے اسلامیہ گرلز اسکول کھل چکے ہیں۔ لیکن اس اتنے بڑے شہر میں جہاں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں۔ کوئی گرلز اسکول

لڑکیوں کا ایسا نہیں جس میں لڑکیاں اپنی مذہبی تعلیم پا سکیں۔ اور نہ ہی لوگوں کا تعلیم نسواں کی طرف خیال ہے۔

یہاں خوجہ لوگوں کی بڑی بھاری درسگاہ ہے۔ سکھوں۔ پارسیوں اور ہندوؤں کے گرلز اسکول بھی جاری ہیں۔ لیکن ہمارے مسلمان بھائیوں کی اس طرف بالکل توجہ نہیں۔ وہ ابھی تک اپنی غفلت کی نیند میں سوئے ہوئے ہیں۔ اور لڑکیوں کی تعلیم کی طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔

یہاں لوگوں کی سیر کے واسطے میونسپلٹی نے ایک سیرگاہ بنا رکھی ہے۔ جو سٹی پارک کہلاتی ہے۔ پہلے تو یہ سیرگاہ اس قدر دلفریب نہ تھی مگر ۱۹۲۶ء میں جب شہزادہ صاحب ڈیوک نے اس کو ملاحظہ فرمایا۔ تو اس وقت اسے بہت ہی اچھی طرح سے سجایا گیا۔ جسے وہ دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے۔

اس وقت سے یہ جگہ بہت ہی بارونق بن گئی ہے۔ ہر اتوار کو سب لوگ وہاں سیر کو جاتے ہیں۔ سوائے مسلمان عورتوں کے دوسرے سب مذہبوں کی عورتیں بھی جاتی ہیں۔ ایک وسیع ہال ہے۔ جس کے اندر بہت ہی خوب صورت بنچ اور کرسیاں جابجا قرینے سے رکھی ہوئی ہیں۔ ہر ایک قوم کے لئے چائے وغیرہ کا بندوبست بھی ہوتا ہے۔ میونسپلٹی کی طرف سے سرکاری پلٹن کا باجہ بھی آتا ہے۔ ہال کے سامنے ایک بہت ہی وسیع میدان اور سبز گھاس اس طرح دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح سبز مخمل کا فرش بچھا ہوا ہو۔ صبح کے وقت اس کا نظارہ اَور بھی دلچسپ ہوتا ہے۔ سبز فرش پر شبنم کے موتی بہار پیدا کر دیتے ہیں۔ پھول بھی کثرت سے اور بڑے سلیقے کے ساتھ بوئے ہوئے ہیں۔ ایک طرف گل سفید پھولوں کی قطاریں نظر آتی ہیں۔ ایک طرف گل گلابی اور سُرخ۔ ایک طرف زرد کاسنی پھول دور دور تک کھلے ہوئے ہیں۔ ایک رنگ کے پھولوں میں کسی اَور رنگ کا پھول نظر نہیں آتا۔ اور ان پھولوں میں جابجا بنچ بڑے قرینے سے رکھے ہوئے ہیں۔ سارے ہفتہ کی مصروفیت کے بعد جب انسان اس پُر بہار جگہ میں جاتا ہے۔ تو تمام تھکن اور کلفت دور ہو جاتی ہے۔

اہلیہ پوسٹ ماسٹر الف دین۔ پوسٹ آفس نرولی

خوشامد

دل کی جس قدر بیماریاں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک خوشامد پسندی ہے۔ جس وقت انسان کے جسم میں ایسا مادہ پیدا ہو جائے۔ جو وبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے۔ تو اسی نسبت سے انسان مرض مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب خوشامد پسندی کی بیماری انسان کو لگ

جاتی ہے۔ تو اس کے دل میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے + جس طرح خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش آیند باجے کی آواز انسان کے دل کو نرم کر دیتی ہے۔ اسی طرح خوشامد بھی انسان کے دل کو ایسا پگھلا دیتی ہے۔ کہ اس کو برائی بھلائی کا امتیاز باقی نہیں رہتا +

اسی خوشامد پسندی کی وجہ سے اکثر بڑے بڑے امراء رؤساء تباہ و برباد ہو گئے۔ انہوں نے خوشی کی سرمستی میں اپنا مال و دولت لٹا دیا + عام قاعدہ ہے۔ جہاں چند مفت خورے جمع ہو گئے۔ لایعنی تعریفوں اور خوشامدوں کا ایک دفتر کھل گیا + ہر شخص نے اپنی اپنی جگہ قصیدہ خوانی شروع کر دی + دنیا کی تمام اچھائیاں اور خوبیاں اس ایک شخص کی ذات میں جمع کر دی گئیں + اس وقت پھر اس کی خوشی و مسرت کا کیا کہنا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا اس کے آگے خوشی کا ایک سمندر موجزن ہے۔ جس کی لہروں میں وہ بیہوش بہا چلا جا رہا ہے۔ اپنی تعریفیں سُن سُن کر جامہ میں پھولے نہیں سماتا۔ گویا خوشامد پسندی بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔ کہ جس پر چڑھا دُنیا و مافیہا سے بے خبر بنا دیا +

خوشامد کا مرض جب شروع ہوتا ہے۔ تو اس کا یہ طریقہ ہے۔ کہ اولاً ہم اپنی خوشامد آپ شروع کرتے ہیں۔ مثلاً اپنی ہر چیز کو بہتر خیال کرتے ہیں۔ اپنا اخلاق اور اپنی طبیعت دوسرے لوگوں سے اچھی معلوم ہونے لگتی ہے + اپنی شخصیت کا اپنے دل میں کوئی خاص اثر محسوس ہوتا ہے۔ غرض خود پسندی کا جذبہ اچھی طرح دل میں سرایت کر جاتا ہے +

اس کے بعد ہم میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے۔ کہ جب ہم میں اس قدر ستودہ صفات موجود ہیں تو لوگوں پر اس کا عمدہ اثر کیوں نہیں پڑتا۔ وہ ہمارے اوصاف اور ہماری ذات کی قدر اور ہماری تعریفیں کیوں نہیں کرتے؟

اب رفتہ رفتہ جب ہمارے دل کی یہ کیفیت ہو گئی۔ تو لامحالہ جس نے ہماری تعریف کی۔ ہم کو اچھا معلوم ہوا۔ اسی طرح پھر خوشامد کرنے والے لوگوں کا ہمارے گرد مجمع ہونے لگے گا۔ اور اس میں بتدریج ترقی ہوئی۔ اور سب کی خوشامد ہم میں اثر کرنے لگی +

غرضکہ اس خوشامد پسندی کی صورت ہمیشہ یہی ہوتی ہے۔ کہ اولاً تو خود ہم کو اپنی محبت پیدا ہوتی ہے۔ پھر وہی محبت ہم سے باغی ہو جاتی ہے۔ اور ہمارے بیرونی دشمنوں سے جا ملتی ہے۔ اور جو محبت و مہربانی ہم خود اپنے ساتھ کرتے تھے۔ وہ ہم خوشامدیوں کے ساتھ کرنے لگتے ہیں۔ ہم کو محسوس ہوتا ہے۔ کہ خوشامدیوں پر مہربانی کرنا حق اور انصاف ہے۔ اور جب ہمارے دل میں یہ جذبہ جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اور ہم اس فریب میں گھر جاتے ہیں۔ تو ہماری عقل خوشامدیوں کے

مکروفریب سے اندھی ہو جاتی ہے۔ اور وہ مکروفریب ہماری بیمار طبیعت پر بالکل غالب آجاتا ہے ؛

لیکن اگر ہر شخص کو یہ بات معلوم ہو جائے۔ کہ خوشامد کا شوق کیسے ذلیل اسباب پیدا کرتا ہے۔ تو یقیناً خوشامد کی خواہش کرنے والا شخص بھی بدترین انسان متصور ہونے لگے گا ؛

جب ہم کو کسی ایسے وصف کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ جو ہم میں نہیں ہے۔ یا ہم ایسے بننا چاہتے ہیں۔ جیسے کہ درحقیقت ہم نہیں ہیں، اس وقت بھی ہم اپنے کو خوشامدیوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جو اَوروں کے عمدہ اوصاف اور اَوروں کی خوبیوں سے ہم کو متصف کر دیتے ہیں ؛

گو اس کمینہ شوق اور عادت زبوں کی وجہ سے اس خوشامدی کی باتیں ہم کو اچھی لگتی ہوں۔ لیکن درحقیقت یہ ہمارے لئے بڑے شرم اور افسوس کا مقام ہوتا ہے۔ اور ہمارے اخلاق اور ہماری زشتی طبیعت کا بدترین ثبوت ؛ اگر ہم دراصل یہ چاہتے ہوں۔ کہ ہم میں عمدہ اوصاف اور قابل قدر عادتیں موجود ہوں۔ تو ہمیں ان کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ نہ یہ کہ جھوٹی باتوں اور خوشامدیوں کی بے اصل تعریفوں سے اپنے کو اوصاف حمیدہ کا مخزن جاننے لگیں ؛

کیا اپنے دل کو محض دھوکا دینے سے کبھی تسکین قلب حاصل ہو سکتی ہے ؟

یہ بات بہت اچھی ہے۔ کہ ہم خود اپنی حقیقت کو درست کریں۔ اور خود اپنے میں عمدہ اوصاف پیدا کریں۔ اور بعوض جھوٹی نقل کے ایک اچھی اصل ہو جائیں ؛

خاکسار ایس۔ آر کے

سر دھونے کا تہذیبی مصالحہ

اکثر تہذیبی بہنیں بالوں کے مختلف امراض کی شکایت میں مبتلا پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ آئے دن بالوں کے امراض کے تدارک کے لئے کسی مفید اور مجرب نسخے کی طلب میں محفل تہذیب کے کالم میں استفسار شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خاکسار اس شکایت اور ضرورت کو مدنظر رکھ کر جس نسخے کے فوائد ذیل میں درج کرتی ہے۔ یہ جناب محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ بانئے تہذیب نسواں لاہور کا آزمائش شدہ اور بیان کردہ ہے۔ جو انہوں نے اپنی تصنیف خانہ داری میں درج کیا ہے ؛

چونکہ مصالحہ مندرجہ ذیل کا ذکر یا اعلان آج تک تہذیب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ مفید مصالحہ کسی بہن کے زیر استعمال نہیں۔ ورنہ وہ اس کے فوائد سے آگاہ ہو کر تہذیب میں ضرور اس کا ذکر کرتیں ؛

خاکسار عرصہ پانچ ماہ سے سر دھونے کے لئے اسی مصالحہ کو استعمال کر رہی ہے۔ اور اسے

ہر طرح اکسیر و مفید پایا ہے۔ اگرچہ پیشتر میرے بالوں کی لمبائی میں کچھ تخفیف نہ تھی۔ لیکن کچھ عرصہ سے بال گرنے کی شکایت پیدا ہوگئی تھی۔ مگر جب سے مصالحہ کا استعمال شروع کیا۔ کیا بتاؤں۔ کہ کس قدر حیرت انگیز فوائد حاصل ہوئے۔ منجملہ دیگر فوائد کے ایک یہ سن لیجئے۔ کہ ہر ہفتہ ایک مرتبہ بالوں کی نوکیں تراشنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ موباف ڈالنے میں آسانی رہے۔

بہنیں اس میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی سمجھ کر مذاق نہ اڑائیں۔ نہ اس بیان سے کسی قسم کا فخر مقصود ہے۔ بلکہ میں محض اس مصالحہ کے فوائد کا صحیح طور پر اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ تاکہ جو بہنیں بالوں کی صحت کی شاکی ہیں۔ وہ اس کے فوائد سے آگاہ ہو کر اس کے استعمال کی طرف راغب ہوں۔ اور فائدہ اٹھائیں۔

میں اس کے فوائد سے ہر طرح مستفید ہو کر اور اپنے تجربہ کی بنا پر اخبار تہذیب میں اعلان کر کے تمام تہذیبی بہنوں سے استدعا کرتی ہوں۔ کہ جن بہن کو بھی بالوں کے متعلق کوئی شکایت ہو۔ وہ اس مصالحہ کو استعمال میں لا کر اس کے فوائد بے شمار سے مستفید ہوں۔ اور آج سے میں مندرجہ ذیل مصالحہ کو تہذیبی مصالحہ کے نام سے موسوم کرتی ہوں۔ امید ہے۔ کہ بہنیں اسے لفظ تہذیب کی نسبت سے اور بھی زیادہ خصوصیت کے ساتھ پسند فرمائیں گی۔ نیز لفظ تہذیب کی کشش خود بخود بہنوں کو اس مصالحہ کے استعمال کی طرف متوجہ کرے گی۔

بہت سی تہذیبی بہنوں کی لائبریریوں میں کتاب "خانہ داری" موجود ہوگی۔ اور وہ اس مصالحہ کے نسخے سے (سوائے اس کے فوائد کے۔) آگاہ ہوں گی۔

لیکن جن بہنوں کی نظر سے آج تک یہ کتاب نہیں گزری۔ یا جن کو مصالحہ کے فوائد سے آگاہی ہی نہیں۔ ان کو آگاہ کرنے کے لئے متذکرہ بالا مصالحہ کا نسخہ مع ترکیب استعمال کتاب خانہ داری میں سے لے کر کسی قدر اختصار کے ساتھ درج ذیل کرتی ہوں:۔

خشک آنولے پاؤ بھر۔ بال چھڑ۔ چھل چھبیلا مشک بالا چھٹانک چھٹانک بھر۔ ناگر موتھ۔ کافور کچری۔ نصف نصف چھٹانک منگا لینی چاہئے۔ آنولوں کے علاوہ تمام مصالحہ خوب باریک پیس کر کپڑے میں چھان کے ایک ڈبے وغیرہ میں بند کر دیں۔ آنولوں کو کوٹ کر ان میں سے گٹھلیاں نکال کر پھینک دینا چاہئے۔ جب سر دھونا منظور ہو۔ ان آنولوں میں سے بقدر ضرورت آنولے لے کر پاؤ بھر دودھ میں بھگو کر رکھ دیں۔ جب دودھ میں بھیگ کر خوب اچھی طرح پھول جائیں۔ تب ان کو ہاتھ سے مل کر صافی میں چھان لیں۔ چھنے ہوئے آنولوں میں دو تولہ کٹا ہوا مصالحہ ڈال کر اس سے سر

دھویا جائے۔ اس سے بال بہت صاف ہو جاتے ہیں۔ اور خشک ہونے کے بعد ان میں صابون کے دھلے ہوئے بالوں کی طرح روکھا پن بھی نہیں رہتا۔ بلکہ دودھ کی آمیزش کے باعث ایسے ملائم معلوم ہوتے ہیں۔ کہ اگر دھونے کے بعد بالوں میں تیل بھی نہ لگایا جائے۔ تو مضائقہ نہیں۔ اس کے علاوہ بال نہایت خوشبودار اور مضبوط رہتے ہیں۔ اور قبل از وقت سفید ہونے نہیں پاتے یعنی بہت عرصہ تک سیاہ رہتے ہیں ؏

راقمہ گ۔ ن بنت ڈاکٹر شیخ ابوالفضل صاحب دکیل۔ کپورتھلہ

محفل تہذیب

محترمہ بہن مریم صاحبہ کو واضح ہو۔ کہ گزشتہ ہفتہ مہاسوں کے متعلق جو (ناز بمبئی) کا استفسار شائع ہوا تھا۔ وہ در اصل میرا نہیں تھا۔ یہاں بمبئی میں کوئی اور ناز صاحب ہیں۔ جن کی طرف سے یہ استفسار چھپا۔ میں ان تہذیبی بہنوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بذریعہ تہذیب مطلع کرتی ہوں۔ جنہوں نے مجھے براہ راست مہاسوں کے نسخے لکھ بھیجے۔ کہ نہ یہ استفسار میری طرف سے شائع ہوا۔ اور نہ بفضل خدا مجھے مہاسوں کی شکایت ہے ؏ خاکسار نورجہاں خانم ناز (بمبئی)

۱۷ نومبر کے تہذیب میں کسی تہذیبی بہن صاحبہ نے تیل تارا کی بابت لکھا تھا۔ تین ہفتہ ہوئے میں نے بہن عزیز النساء بیگم صاحبہ کو ایک شیشی کے لئے لکھا۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔

۲۰-۲ اکتوبر کے تہذیب میں بہن کنیز فاطمہ صاحبہ نے چہرے کے داغ دھبے دور کرنے کے لئے لکھا تھا۔ کہ غازہ پوڈر اس کے لئے بہت مفید ہے۔ سو میں نے حکیم ظہیرالدین صاحب کو غازہ پوڈر کے لئے لکھا۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ وہاں سے بھی کوئی جواب نہیں آیا ؏ براہ مہربانی بہن صاحبہ عزیز النساء بیگم و حکیم صاحب مجھے مندرجہ ذیل پتہ پر ایک پاؤ غازہ پوڈر اور ایک شیشی تیل تارا کی بھیج دیں۔ بذریعہ وی پی ؏ خورشید بنت شیخ رحمت اللہ خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ بنگلہ ۴۹ مال روڈ۔ لاہور چھاؤنی

بہن شکیلہ نے اپنے بھانجے اور محترمہ بہن حسن آرا بیگم کے نومولود لڑکے کا تاریخی نام طلب کیا ہے ؏ لڑکے کا تاریخی نام سید محمد منظور اللہ ہے ؏ خاکسار شاہ نظیر الدین۔ از نونگیر

مجھے پکی ٹیکی اور کامدانی کے کڑھے ہوئے دو پٹوں کے کارخانہ کا پتہ مطلوب ہے ؏ کوئی دہلی کی رہنے والی بہن مطلع فرمائیں ؏ ایک خریدار

میری والدہ ماجدہ صاحبہ دو ماہ سے سخت علیل ہیں۔ اس لئے جناب مولوی صاحب قبلہ کی خدمت میں خصوصاً اور تمام تہذیبی بہنوں اور بھائیوں سے عموماً عاجزانہ التجا ہے۔ کہ ان کی صحت یابی کے لئے دعا فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ میں بے حد پریشان ہوں ؛ عاجزہ مس اے۔ آر ملا داؤد ؛

بالا گھاٹ زنانہ انجمن گرل اسکول کی اُستانی صاحبہ کو کسی اچھے جغرافیہ ممالک متوسط برار اور جغرافیہ ہندوستان کی بہت ضرورت ہے۔ برائے مہربانی کوئی بہن یا بھائی بذریعہ تہذیب نسواں مطلع فرمائیں کہ ایسی کتابیں کہاں سے مل سکتی ہیں ؛ خاکسار طاہرہ بیگم۔ بالا گھاٹ

۱۔ بہن رضوان بیگم اور بہن دلھن صاحبہ اپنے پتے سے مطلع فرمائیں ؛
۲۔ مسلم گوبھی اور گوشت کی جیلی بنانے کی ترکیب مطلوب ہے ؛
۳۔ رومال ڈبیل کلاتھ جالی کے کام کے کس پتے پر مل سکتے ہیں۔ سُنا ہے۔ کلکتہ میں دکان ہے۔ از راہ مہربانی کلکتہ کی کوئی بہن یا بھائی دُکان کا پتہ تحریر فرمائیں ؛
۴۔ اگر کسی بہن کو جالی کا کام آتا ہو۔ تو رومال۔ تکئے کے غلاف کے اطراف کی عمدہ لیسوں کے نمونے مرحمت فرمائیں ؛ نمونے واپس کردئے جائیں گے۔ جن بہن کا نمونہ سب سے اچھا ہوگا۔ ان کی خدمت میں بصد شکر گزاری ایک کتاب نذر کی جائے گی ؛ کتاب دفتر تہذیب نسواں سے پسند کرنے کا اختیار ہوگا ؛ سعید زہرہ بیگم بنت مرزا عطا حسین صاحب۔ کانپور

مجھے سہارنپور کی تہذیبی بہنوں سے ملاقات کرنے کا از حد شوق ہے۔ براہ مہربانی سہارنپور کی تہذیبی بہنیں اپنے پتے سے مطلع فرمائیں ؛ میرا پتہ یہ ہے :۔ محلہ کھالا پار۔ بنت ڈاکٹر عبدالمعید صاحب ڈپٹی اسسٹنٹ سرجن۔ ڈسپنسری ہاسپٹل سہارنپور

ایک بہن جن کی جلد نرم اور صاف ہے۔ اور ابھی کمسن ہیں۔ ان کے چہرے پر بھورے اور سیاہ باریک خشخاش کے دانے برابر اور بعض اس سے کچھ بڑے تل بہت سے ہوتے جارہے ہیں ؛ کوئی مجرب علاج مطلوب ہے ؛ راقمہ الف۔ بے

مجھے محترمہ ایم۔ جے بیگم صاحبہ کا پتہ مطلوب ہے۔ جنہوں نے پیدائشی منگنی پر ایک مضمون درج اخبار کیا تھا ؛ بہن موصوفہ اپنا پتہ بذریعہ اخبار تحریر فرمائیں ؛ ایک خریدار

ولائتی معلومات

(خاص تہذیب کے لئے)

ترک مردوں کے اندیشے

وہ ترک عورتیں جو اپنی روزی اپنے ہاتھ سے کما رہی ہیں۔ اور کسی پر بوجھ بن کر رہنا پسند نہیں کرتیں۔ ان کی تعداد روز بروز بلا کی سرعت سے بڑھتی جا رہی ہے + ان میں اکثریت ان عورتوں کی ہے۔ جو خزانچی۔ ٹائپسٹ اور سکرٹری بن کر رہنا اپنے لئے گوارا نہیں کرتیں۔

وہ لڑکیاں جنہوں نے قانون کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ ان کو زیادہ تر پیلس آف جسٹس میں ریکارڈر کی ملازمتیں دی جا رہی ہیں +

جس ذوق و شوق اور مستعدی سے وہ اپنا کام انجام دے رہی ہیں۔ اسے دیکھ کر ان کے ہم رتبہ مرد اپنے مستقبل کے متعلق سخت پریشان ہو رہے ہیں +

عدالت کا ایک بوڑھا کلرک جو تیس برس سے ملازمت کر رہا ہے۔ اس کا بیان ہے۔ کہ اب تک تمام افسر مجھ سے بہت خوش رہا کرتے تھے۔ مگر اب میں ان کے سخت برتاؤ سے نالاں ہوں + ان لڑکیوں کے آنے سے اب وہ پہلے کی سی باتیں نہیں رہیں۔ اول تو کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اور پھر یہ لڑکیاں محنتی اس قدر ہیں۔ کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چار و ناچار جیسے تیسے بن پڑتا ہے۔ ان کے برابر کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں + ایسی حالت میں بھلا افسروں کی خوشنودی کی کیا امید ہو سکتی ہے +

آخر میں اس نے کہا "یہ لڑکیاں ایسی ہوشیار اور تیز فہم ہیں۔ کہ عنقریب عدالت میں ہم مردوں کی کچھ قدر و قیمت نہ رہے گی"+

جج خواتین

حال ہی میں رنگون ہائی کورٹ کی اسسٹنٹ رجسٹرار مس ڈاہے کھن بی اے ایل ایل بی کو رنگون ہائی کورٹ کے جج کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے + اگر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ اس امر میں برطانیہ کی عورتیں ہندوستان کی عورتوں سے کس قدر پیچھے ہیں + برطانیہ میں جج تو کیا۔ کوئی برطانوی عورت وظیفہ خوار مجسٹریٹ بھی نہیں +

مس کھن نہ صرف برہما ہی میں ایسی پہلی خاتون ہیں جنہیں یہ جلیل القدر منصب عطا ہوا ہے۔ بلکہ تمام سلطنت برطانیہ میں اور کسی عورت کو آپ کا سا عہدہ نصیب نہیں ہوا +

البتہ برطانیہ سے باہر اوہیو میں فلورنس ایلین کو پہلی مرتبہ" شاہی عدالت" کی جج بننے کا شرف بھی حاصل ہوچکا ہے۔ آپ نے ایک موقع پر کیا خوب کہا تھا۔ کہ اگر عورتوں کو ضروری تعلیم دی جائے۔ تو وہ بھی بعینہٖ مردوں کی طرح عدل و انصاف کرنے کی استعداد رکھتی ہیں۔ اس میں عورت مرد کا سوال نہیں تعلیم اور قابلیت کا سوال ہے"۔

امریکہ اور کینیڈا میں گزشتہ کئی برس سے عورتوں کو میونسپل عدالتوں اور بچوں کی عدالتوں اور کئی اور چھوٹی چھوٹی عدالتوں میں جج کے منصب حاصل ہیں۔

حال ہی میں ہالینڈ بلجیم اور جرمن میں بھی ایک قانون پاس ہوا ہے۔ جس کی رو سے اعلیٰ قابلیت کی خواتین کو جج کا منصب ملا کرے گا۔ انہی دنوں ایک جرمن خاتون ڈاکٹر ہمگبر کو ڈسٹرکٹ اور پراونشل جج بنایا گیا ہے۔ خاتون موصوفہ پہلی جرمن خاتون ہیں۔ جنہیں اس عہدۂ جلیلہ پر ممتاز کیا گیا ہے۔

مغرب تو مغرب۔ مشرق نے بھی عورتوں کی ترقی کے لئے اپنے دروازے کھول دئے ہیں۔ مس سو مے سینگ چین میں پہلی ایسی خاتون تھیں۔ جنہیں نہ صرف وکالت کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ بلکہ انہیں شنگھائی کی فرانسیسی عدالت نے بھی اپنے ہاں کے مقدموں میں پیروی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ حالانکہ فرانسیسی عدالتوں میں چینی مردوں تک کو بطور وکیل کے کسی قسم کا حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔ ان خاتون نے ۱۹۲۶ء میں پیرس یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لا کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اب انہی دنوں وہ چین میں جج کے عہدہ پر فائز کی گئی ہیں۔

مس شینگ نے انگریزی زبان میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ جس کا نام" چینی خانہ داری کا ایک اعلیٰ نمونہ" ہے۔ ایک کتاب فرانسیسی زبان میں تحریر کی جس کا نام" انقلاب فرانس کے ابتدائی ایام کی یادگار" ہے۔

تیس سال ہوئے بچوں کے مقدمات کی عدالتیں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پہلی مرتبہ قایم ہوئی تھیں۔ تقریباً اسی زمانے میں جنوبی آسٹریلیا میں بھی بن گئی تھیں۔ برطانیہ میں اس قسم کی عدالتوں کو قایم ہوئے بیس ایک سال ہو گئے ہیں۔ دوسرے ممالک میں روز بروز اس قسم کی عدالتوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ چنانچہ اسپین اور نیوزی لینڈ میں حال ہی میں ایسی عدالتوں کا افتتاح ہوا ہے۔ بچوں کی عدالتیں قایم ہونے سے توقع ہوتی ہے۔ کہ ان کے جج بھی علیحدہ مقرر ہوں گے۔ اور عورتوں کو ان عہدوں کے لئے خصوصیت سے منتخب کیا جائے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ایسی تخصیص اب تک بہت کم ملکوں میں ہوئی ہے۔ جن میں

ممالک کینیڈا۔ فرانس۔ جرمنی۔ ہالینڈ اور جنوبی افریقہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان ممالک میں البتہ بچوں کے جج علیحدہ مقرر ہیں۔ اور ان میں عورتیں خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہیں۔

روس میں حکومت کرنسکی کے ماتحت پیٹرو گراڈ کے شہر میں ایک عورت کو بچوں کا جج مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن اب تو یہ حال ہے۔ کہ عام معنوں میں بچوں کی عدالت روس بھر میں کوئی نہیں۔ برطانیہ عظمیٰ میں ۱۹۲۰ء کے ایک ایکٹ کی رو سے یہ ضروری ہو گیا ہے۔ کہ دو جج کسی ایسے مجسٹریٹ کی مدد کریں۔ جو بچوں کی عدالت میں منصف ہو۔ تو ان دو ججوں میں سے ایک ضرور عورت ہونی چاہئے۔ لیکن اس اصول کی پوری پوری تعمیل اگر ہوتی ہے۔ تو امریکہ اور کینیڈا جیسے ممالک میں۔ جہاں بچوں کی اکثر جج عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک جج ایملی مرفی کا کینیڈا میں بہت ہی شہرہ ہے۔ اس خاتون نے نہ صرف عدالت ہی میں بچوں اور عورتوں کے متعلق شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ بلکہ بعض معاشرتی نقائص کی طرف توجہ دلانے کے لئے کئی تصانیف بھی مرتب کی ہیں۔ ان میں سے ایک تصنیف جس کا نام "سیاہ شمع" ماہرین کے نزدیک افیم کھانے اور بیچنے کی قباحتوں پر جامع تصنیف ہے۔ اس کتاب میں جس قدر تجربات قصے کے پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ جج مرفی کو اپنے قانونی کام کے دوران میں حاصل ہوئے ہیں۔

خواتین یونان

یونان کی قومی مجلس نسواں ایک بڑی مستند جماعت ہے۔ اس کی کئی شاخیں ہیں۔ جن کا تعلق خاص طور پر تعلیم۔ صحافت۔ قانون اور دوسرے معاشرتی امور سے ہے۔ چنانچہ ان کے متعلق یہ ہمیشہ مفید تجویزیں سوچتی رہتی ہیں۔ اس مجلس کے ممبروں کو دوسرے ممالک کی نسوانی مجلسوں کے حالات اور خیالات سے بھی برابر آگاہ رکھا جاتا ہے۔ حال ہی میں جنیوا میں جو بین الاقوامی کانگریس منعقد ہوئی۔ تو اس مجلس نے بھی اپنا ایک نمایندہ اس میں بھیجا تھا۔

اپنے ملک کے اندر اس مجلس نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے ہیں۔ متعدد ایسے اسکول کھول رکھے ہیں۔ جہاں رات کے وقت تعلیم دی جاتی ہے۔ نیز عورتوں کے لئے خاص طور پر کارخانے بنائے ہیں۔ جہاں یونانی عورتیں نہایت سرگرمی سے کام کرتی ہیں۔

یونان جیسے ملک میں جہاں تھوڑا عرصہ پہلے عورتوں کو تو کیا۔ مردوں تک کو کوئی قابل قدر کام سرانجام دینے کی توفیق نہ تھی۔ آج یہ پڑھ کر تعجب ہوتا ہے۔ کہ عورتوں کی مجلسیں ایک دوسرے کے زیر اثر ایسے ایسے مفید قومی کام سرانجام

دے رہی ہیں ٭

یونان کی مجلس نسواں نے اکثر بہت سے مفید کاموں کے علاوہ ایتھنز میں "اتحاد والدین" اور اندھوں کا گھر اور لڑکیوں کے خیرات خانہ کے نام سے بہت مفید انجمنیں کھول دی ہیں ٭

ابھی تک یونانی عورتوں کو نہ تو میونسپلٹی میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا ہے۔ اور نہ پارلیمنٹ میں۔ لیکن یہ حقوق حاصل کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی جا رہی ہے ٭ امید ہے عنقریب اس کا مسئلہ بھی حل کر رہے گا ٭

حال ہی میں جب ایک یونانی عورت کو ایک اعلیٰ دیوانی عہدے پر مامور کیا گیا۔ تو اس وقت خواتین یونان نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور اسے عورتوں کی ایک بڑی کامیابی تصور کیا ٭ اس سے پہلے کسی یونانی عورت کو سرکاری عہدے پر فائز نہ کیا گیا تھا ٭

یونانی عورتیں اپنے حسن کے باعث ضرب المثل ہیں۔ لیکن بہت کم لوگ ان کے دیگر اوصاف سے واقف ہیں۔ وہ فطرتاً صنعت کی دلدادہ ہیں ٭ چھوٹی چھوٹی چیزیں جسے انکو عموماً نظر انداز کر دیتی ہے ٭ مثلاً سادہ نقش و نگار۔ نیلے ریشم کی پرانی دھجی۔ چند رنگدار دھاگے۔ بس اسی قسم کی حقیر چیزوں سے وہ ایسے ایسے بے نظیر شاہکار تیار کرتی ہے۔ جن کے مقابلے میں بڑھیا اور قیمتی چیزوں کی کچھ اصل و حقیقت معلوم نہیں ہوتی ٭

یونانی عورتوں کو پھولوں سے بے حد شغف ہے۔ غریب سے غریب گھر کیوں نہ ہو۔ اس میں بھی ایک ٹوٹے پھوٹے برتن میں پھولوں کا گلدستہ ضرور رکھا نظر آ جائے گا ٭

امریکن عورتوں کا فیشن

شکاگو (امریکہ) میں زنانہ لباس اور فیشن کا ایک کلب ہے۔ جس کی صدر میڈم فائر ہیں ٭ ۱۷ ستمبر کو اس کلب کے ششماہی جلسے میں امداد و شمار کا ایک نقشہ پیش کیا گیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ بعض عورتیں پندرہ ہزار پونڈ سالانہ اپنی پوشاکوں پر خرچ کرتی ہیں ٭

اسی طرح فیشن پرست حلقوں میں شامل ہونے والی عورتیں کم و بیش دس ہزار پونڈ۔ اور ان سے کمتر درجے کی دس ہزار کے قریب عورتیں اپنی پوشاکوں پر ایک ایک ہزار پونڈ خرچ کرتی ہیں ٭

کلبوں میں شامل ہونے والی خوش پوشاک عورتیں ایک سال میں تین سو پونڈ کی رقم اپنے لباس پر خرچ کرتی ہیں ٭ معمولی لباس میں جانے والی عورتیں چالیس سے ساٹھ پونڈ تک سال بھر میں اپنے معمولی لباسوں پر خرچ کر دیتی ہیں ٭

خبریں اور نوٹ

قسطنطنیہ سے اخبار ڈیلی نیوز (لندن) کا خاص نامہ نگار لکھتا ہے۔ کہ حکومت ترکی اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے۔ کہ ختنہ اور کان چھیدنے کی رسوم کو اُڑا دیا جائے۔ اور قانوناً ختنہ کرنے اور کان چھیدنے کی مانعت کر دی جائے ؛

انگورا سے خبر آئی ہے۔ کہ ترکی وزیر داخلہ نے ان تمام عربوں کو جو شامی اور لبنانی قومیت اختیار کرنا چاہتے ہیں تنبیہ کی ہے۔ کہ اگر انہوں نے یہ قومیتیں اختیار کر لیں۔ تو ان کے لئے یکم جنوری سے ترکی سرزمین سے نکل جانا ضروری ہوگا ؛

ترکی فوجی وفد وہاں سے روانہ ہو کر ۹ دسمبر کو مصر پہنچا۔ اور اس کے ممبروں نے شاہ فواد سے ملاقات کی ؛ یہ وفد افغانستان آرہا ہے۔ اور اس میں ترکی کے فوجی ماہرین شامل ہیں۔ جو افغانستان کی فوج کو جنگی تربیت دیں گے ؛

ان دنوں ترکی اخبارات میں غازی مصطفٰے کمال کی بہت تعریفیں ہو رہی ہیں۔ اور ان کے گزشتہ پانچ سال کے مفید کاموں اور بہترین اصلاحات کا شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا جا رہا ہے ؛

ایران کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بھانپور (ایران) کے باغی سردار نے شاہ ایران کے خلاف جو بغاوت کی تھی۔ وہ اب بالکل فرو ہو گئی ہے۔ اور باغی بادشاہ کے مطیع ہو گئے ہیں۔ اور کامل امن و امان قایم ہو گیا ہے ؛

ایرانی خواتین آزادی اور ترقی کے میدان میں بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ چنانچہ طہران کے حالات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نسوانی بیداری اس حد تک پہنچ چکی ہے۔ کہ بعض سربرآوردہ خواتین نے حکومت سے درخواست کی ہے۔ کہ جس عورت کی عمر ۲۵ سال کی ہو۔ اور وہ ابتدائی تعلیم بھی پا چکی ہو۔ اس کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق دیا جائے ؛

پچھلے سارے ہفتے میں شنواریوں کی بغاوت کے متعلق بے شمار خبریں اخباروں میں شائع ہوئی ہیں۔ اب دہلی اور بمبئی کے افغان سفیروں نے ان خبروں میں سے بہت سی خبروں کی تردید کی ہے۔ اور ان کا بیشتر حصہ بالکل غلط اور بے بنیاد بتایا ہے ؛

یہ صحیح ہے۔ کہ شنواری قبیلہ نے اپنے بادشاہ کے خلاف بغاوت کر کے فتنہ و فساد برپا کر دیا تھا۔ لیکن انہیں من مانی شرارتوں کا موقع نہیں ملا۔ کیونکہ جلال آباد میں افغان فوجیں مقیم رہیں ؛ افغان سفراء کے بیان کے مطابق بغاوت کی اصلی وجہ ملک میں جدید اصلاحات کا نفاذ نہیں۔ بلکہ اس کا سبب یہ ہے۔ کہ حکومت نے شنواریوں کو مسافروں سے محصول وصول کر لینے سے منع کر دیا تھا۔ اس پر وہ ناراض ہو گئے۔ اور بغاوت کر دی ؛

تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ افغانی حکام باغیوں سے صلح صفائی کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس لئے بغاوت و بدامنی دور ہو رہی ہے۔ اور باغی اپنے بادشاہ کے مطیع و فرمانبردار بن رہے ہیں۔ اس بغاوت میں افغانی فوج اور رعایا کا بہت ہی کم نقصان ہوا ہے۔ اور شنواریوں کو بہت زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔

ملک معظم کی علالت کے متعلق پچھلے ہفتے جس قدر خبریں آئی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی صحت رو بہ انحطاط ہے۔ اور ۲۰-۲۲ روز کی مسلسل بیماری سے آپ کی حالت تشویشناک ہو گئی ہے۔

تازہ خبر ہے۔ کہ بادشاہ سلامت کی نبض بالکل درست ہے۔ لیکن قصر شاہی میں آپکی حالت اطمینان بخش نہیں خیال کی جاتی۔

پرنس آف ویلز لندن پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر اترتے وقت آپ بہت تھکے ہوئے اور متفکر نظر آتے تھے۔ شہزادہ ولی عہد اسٹیشن سے قصر بکنگھم کو تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے آپ اپنی ماں سے ملے۔ پھر اپنے بیمار باپ کو جا کر دیکھا۔ اگرچہ ملک معظم کو پرنس آف ویلز کے آنے کی خبر نہیں دی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے بیٹے کو پہچان لیا۔ اور محبت سے باتیں کیں۔

خبر ہے۔ کہ شہنشاہ جارج پنجم کی طرف سے شہنشاہ جاپان کی خدمت میں ان کی تاجپوشی کے موقع پر گارٹر کا تحفہ بھیجا جائے گا۔ یہ تحفہ ڈیوک آف گلوسٹر لے کر ۱۹۲۹ء میں جاپان جائیں گے۔

روما ۹ دسمبر۔ اطالوی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے اٹلی کے وزیر مختار سائنور مسولینی نے کہا۔ کہ معاہدہ کیلوگ ایک عمدہ چیز ہے۔ لیکن اگر میں قوم کے سامنے اس حقیقت کا اظہار نہ کروں۔ تو میں قومی غدار کہلاؤں گا۔ وہ حقیقت یہ ہے۔ کہ معاہدہ مذکور کے باوجود ساری دنیا آلات حرب و ضرب کی تیاری میں مصروف ہے۔ اس لئے ہمیں بھی تیار رہنا چاہئے۔ میں قوم سے استدعا کرتا ہوں۔ کہ وہ کم از کم ایک قربانی اور کرے۔ جس سے ہماری بحری۔ بری اور ہوائی طاقت مکمل ہو جائے۔

ایک انگریز خاتون مس ہیوی لینڈ مع ایک رفیقہ سفر کے تمام دنیا کا سفر کرنے کے لئے گھر سے نکلی ہیں۔ آپ بذریعہ ایک چھوٹی موٹر "بی بی آسٹن" دنیا کا چکر لگا رہی ہیں۔ اگلی فروری تک یہ خاتون کلکتہ پہنچیں گی۔

مسولینی کی بیٹی جہاز طیور پر سوار ہو کر ہندوستان روانہ ہو گئی ہیں۔ آپ کے ہمراہ آپ کی ایک سہیلی بھی ہیں۔ روانگی کے وقت ایک بڑے ہجوم نے آپ کو الوداع کہی۔ اور آپ نے اس کا جواب رومن فوجی رسوم سے ادا کیا۔

بلجیم کے شہزادہ ولی عہد ہندوستان آ رہے ہیں۔ کولمبو کا تار ہے۔ کہ ۹ دسمبر کو شہزادہ لیوپولڈ یہاں

پہنچے۔ اور نباتاتی تجربات کے باغات کا معائنہ کرنے کے بعد عازم ہندوستان ہو گئے۔

پیرس کا تار۔ سرکاری طور پر خبر ملی ہے۔ کہ جنرل گوراڈ فوجی گورنر پیرس ہندوستان گورنمنٹ کی دعوت پر ہندوستان روانہ ہوں گے۔ اور یہاں پہنچ کر ہندوستان کی فوج کا معائنہ کریں گے۔ آپ شام اور مراکش کی جنگوں میں حصہ لے چکے ہیں۔

لندن ۸ دسمبر۔ لارڈ برکن ہیڈ نے ایک تقریر کے دوران میں کہا۔ کہ اب لوگ وزرا کی تقریروں کی بہ نسبت مطلقہ عورتوں کے نکاح ثانی کے مسائل میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے۔ کہ یا تو عوام کو وزرا سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ یا ان کی حیثیت مطلقہ عورتوں سے بھی کم ہے۔

لندن ۸ دسمبر۔ برطانی پارلیمنٹ میں کمانڈر کین ورتھی نے ایک رائے کی اکثریت سے سزائے موت کی تنسیخ کا قانون پیش کرنے کی اجازت حاصل کر لی۔ اور اس اجلاس میں قانون مذکور کی پہلی قرات منظور ہو گئی۔ اسی قسم کا ایک مسودہ قانون اب سے پہلے اکثریت سے مسترد ہو چکا ہے۔

ہوائی شاہراہ کے کارپردازوں نے ڈاک اور مسافروں کو لندن سے کراچی تک چھ دن میں پہنچانے کا انتظام کیا ہے۔ اس سلسلے کے ہوائی جہاز ہفتے میں صرف ایک مرتبہ اڑا کریں گے۔

اخبار ایوننگ اسٹینڈرڈ کا بیان ہے۔ کہ لارڈ سابق وزیر ہند کی میم صاحبہ ہندوستان کا تین ماہ کے لئے دورہ کرنے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔

لیڈی کرزن عنقریب انگلستان سے ہندوستان کو روانہ ہوں گی۔ اور وہ اسی پروگرام کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کریں گی۔ جو لارڈ کرزن نے اپنی موت سے کچھ عرصہ پیشتر تیار کیا تھا۔

محترمہ برج لال نہرو نے جو عمر رضامندی کمیٹی کی ایک ممبر ہیں۔ مدراس کے ایک عام جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ہماری کمیٹی کے سامنے جو شہادتیں ہوئیں۔ ان سے پتہ لگتا ہے۔ کہ کثرت رائے عمر رضامندی بڑھانے کے حق میں ہے۔

آپ نے یہ بھی کہا۔ کہ عمر رضامندی کم ہونے سے بے شمار عورتیں مہلک امراض کا شکار ہو رہی ہیں۔ اس خرابی کے روکنے کے لئے حکومت وقت کا فرض ہے۔ کہ وہ ان لوگوں کے اعتراضات کو چنداں وقعت نہ دے۔ جو اس باب میں قدیم خیالات رکھتے ہیں۔

۷ جنوری سے پٹنہ میں اصلاحات تعلیم پر ہندوستان بھر کی مستورات کی کانفرنس کا اجلاس ہوگا۔ اس کے لئے انتظامات ہو رہے ہیں۔ ڈیڑھ سو سے زائد مستورات کی ایک با اثر استقبالیہ کمیٹی بنائی گئی ہے۔

گورنمنٹ بنگال نے پریزیڈنسی کالج کلکتہ کی

توسیع کے لئے تین لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ اس روپے سے کالج میں ایک ایسا ہال بنے گا جس میں ۸۰۰ طلبا بیٹھ سکیں۔ کھیل کی جگہ بھی بڑھائی جائے گی۔ نیا ہاسٹل۔ نئی لائبریری اور پرنسپل کے لئے مکان بنایا جائے گا۔

خبر ہے۔ کہ مہاراجہ الوا جن کی عمر ۵۰ سال ہے۔ ریاست بیکانیر کی رعایا میں ایک شخص کی لڑکی عمر ۱۲ سال سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ آل کاٹھیاواڑ راجپوت کانفرنس اس شادی کی مخالفت کر رہی ہے۔

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اکیسواں سالانہ اجلاس بمقام سکھر ۲۷-۲۸-۲۹ دسمبر کو منعقد ہوگا۔

آل انڈیا خواتین کانفرنس کا اجلاس ۲۷ اور ۲۸ دسمبر کو کلکتہ میں منعقد ہوگا۔ اور مہارانی ٹرانکور اس جلسے کی صدارت فرمائیں گی۔ لیڈی بوس اس کانفرنس کی جنرل سکرٹری مقرر ہوئی ہیں۔

دہلی میونسپلٹی کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا۔ کہ جو لوگ جبری تعلیم کے قانون کے مطابق اپنے بچوں کو پرائمری مدارس میں نہیں بھیجتے۔ اور متنو اتر تنبیہ کے بعد قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

کولمبو کا تار۔ خوردہ فروشی کی دکان کے ایک ملازم مسٹر ولیم سلوا کو ایک لاٹری میں تہتر ہزار روپیہ ملا۔ چک وصول ہوتے ہی یہ شخص نمونیا کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا۔ اب اس کا کوئی وارث بھی نہیں۔ روپیہ بے وارث پڑا ہے۔

احمد آباد میں ۹ دسمبر کو خواتین گجرات کی تعلیمی کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ صدر جلسہ ودیا گوری رامن بھائی صاحبہ نے عوام میں تعلیم پھیلانے کی ضرورت پر اظہار خیال کیا۔ اور استقبالیہ کمیٹی کی صدر نے تعلیم میں قومی آزادی اور ہر شہر اور گاؤں میں ہر بچے کو تعلیم دینے کی غرض سے اسکول کھولنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس جلسہ میں بہت مفید اور اہم قرار دادیں منظور ہوئیں۔ نیز مسٹر شاردہ کے مسودہ قانون کی حمایت کی گئی۔ اور عمر رضامندی ۱۸ سال رکھنے کی قرارداد منظور ہوئی۔

آل انڈیا کانگریس کا اجلاس دسمبر کی چھٹیوں میں کلکتہ میں ہوگا۔ پنڈت موتی لال نہرو نے کانگریس کی صدارت منظور کر لی ہے۔

ڈسٹرکٹ بورڈ نے اندھرا یونیورسٹی کو ۵ لاکھ روپیہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

حضور نظام ۱۸ دسمبر کو کلکتہ پہنچیں گے۔

ریاست کیونتھل (کوہستان شملہ) نے مشہور کرشن گوئیے ماسٹر موہن کو ایک موسیقی کے دربار میں مدعو کیا۔ اور ان کا گانا سن کر اس کے صلے میں ایک سنہری نیفے کی تلوار مرحمت فرمائی۔

امرتسر کی میونسپل کمیٹی نے گرانی غلہ کو دیکھتے ہوئے۔ دس ہزار روپیہ اس غرض سے منظور کیا ہے۔ کہ اس کے گیہوں خرید کر سستے داموں فروخت کئے جائیں۔

نئی کتابیں

چاند کی بیٹی اور دوسری جاپانی کہانیاں

جاپان کے لوگ اپنے بچوں کو بہت ہی دلچسپ اور پیاری پیاری کہانیاں سُناتے ہیں۔ یہ کہانیاں ایسی دلفریب ہیں۔ کہ کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اور دوسرے ملکوں کے بچے بھی انہیں پڑھ پڑھ کر لطف اُٹھاتے ہیں۔ مسٹر غلام عباس نے ہندوستانی بچوں کے لئے ان کہانیوں کو اُردو میں لکھ دیا ہے۔ کتاب پر جاپان کے ایک منظر کی بہت خوشنما رنگین تصویر ہے۔ اور اندر چاند کی بیٹی۔ زبان کٹی بُلبُل۔ بھوتوں کی ضیافت۔ گیدڑ اور خرگوش۔ راشوموں کا دیو۔ اور سچی خوشی۔ چھ بہت ہی مزے دار کہانیاں ہیں۔ ان میں سے کوئی شاعرانہ کہانی ہے۔ کوئی بہادری کا کارنامہ ہے۔ کوئی مذاقیہ کہانی ہے۔ کسی سے کوئی اخلاقی سبق ملتا ہے۔ بچے ان کہانیوں کو اتنا پسند کریں گے۔ کہ ختم کئے بغیر ہاتھ سے نہ رکھی جائے گی۔ فوراً منگو لیجئے۔ دیر کی تو یہ کتاب دفتر میں ختم ہو جائے گی۔ اور پھر اس کے دوبارہ چھپنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ قیمت ۶ ر

جادو کا لفظ یا گستاخ لڑکا

بچوں کے لئے کہانیوں کی تو بہت اچھی اچھی کتابیں ہمارے ہاں موجود تھیں۔ لیکن ناٹک کوئی نہ تھا۔ اب ہم نے بچوں کے لئے بڑا دلچسپ۔ مزے دار اور سبق آموز ناٹک تیار کروایا ہے۔ اسے پڑھیں تو بیحد مزہ آئے گا۔ اور اگر اس کو یاد کر کے یار دوست اس کا تماشہ کریں۔ تو دیکھنے والے بہت داد دیں۔ یہ ایک گستاخ لڑکے کی کہانی ہے جس نے اپنی گستاخی سے جادوگرنی کو ناراض کر دیا تھا۔ اور پھر بڑی مصیبت اُٹھائی تھی۔ اوپر گستاخ لڑکے کی رنگین تصویر ہے۔ اور دو اَور تصویریں ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اگر اس ناٹک کا تماشہ کیا جائے۔ تو کیا کیا تیاری کرنی چاہئے۔ مدرسوں میں بچوں کے دکھانے کے لئے لاجواب تماشہ بن سکتا ہے۔ قیمت ۵ ر

ملنے کا پتہ:۔

دفتر اخبار پھول۔ لاہور

اڈیٹر محترمہ آصف جہاں بیگم۔ مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ گوپال داس پرنٹر چھپا۔ اور ممتاز علی اینڈ سنز نے دفتر تہذیب نسواں سے شائع کیا۔